مذہب اہلسنت کا ترجمان یعنی مسلک اعلیحضرت کا نقیب و پاسبان

کتابی سلسلہ

پیغام رضا

ممبئی

پیغام رضا مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان ہے جماعتی شخص کے ساتھ اس کا سلسلۂ اشاعت جاری رہنا چاہئے
(تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری)

اپنے دینی اداروں کے دستور میں مسلک اعلیٰ حضرت شامل کیا جائے ورنہ اداروں کی جماعتی شناخت کو کبھی بھی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

جس کو اعلیٰ حضرت کی فکر سے اختلاف ہوگا اس سے ہمارا اتحاد بہت مشکل ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح اعلیٰ حضرت سے رشتے کی مضبوط کڑی ہے۔ اس سے کٹنے کے بعد آزاد خیالی کی سرحدیں شروع ہوجاتی ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت ہی راہ نجات اور صراط مستقیم ہے اسے سینے سے لگائے رکھئے۔

جماعتی شناخت کے لئے مسلک اعلیٰ حضرت سے بہتر کوئی دوسرا لفظ نہیں ہوسکتا۔

جس طرح اشرفی و قادری کا استعمال جائز ہے اسی طرح مسلک اعلیٰ حضرت و بریلوی کا استعمال بھی جائز ہے۔

الحمد للہ! آپ (مولانا رحمت اللہ صدیقی) جامعہ اشرفیہ سب سے بڑا حامی کہتا ہوں۔ یقیناً جامعہ اشرفیہ کے فکر افراد حضور حافظ ملت کی روش سے ہٹ گئے ہیں۔



مدیر اعلیٰ

محمد رحمت اللہ صدیقی

★ میں، سید اولاد رسول قدسی کے غزلیہ مجموعہ رفتہ رفتہ کو حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام کا تازہ ایڈیشن سمجھتا ہوں۔ (یوسف ناظم)

★ سید اولاد رسول قدسی دور جدید کے ایسے شاعر ہیں جن کی شناخت شاعروں کی بھیڑ میں آسانی سے ہو سکتی ہے۔ (علقمہ شبلی)

★ سید اولاد رسول قدسی کا غزلیہ مجموعہ۔ رفتہ رفتہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ (شمس الرحمٰن فاروقی)

★ سید اولاد رسول قدسی کی غزلوں کا نیا مجموعہ "تر و تازہ" نئے امکانات کی نشاندہی کرتا ہے (مظہر امام)

★ سید اولاد رسول قدسی نے جدید احساسات و خیالات سے اپنی شعر گوئی کا کینوس تیار کیا ہے۔ (علامہ بدر القادری)

★ سید اولاد رسول قدسی کی نعت گوئی میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ اظہار ملتا ہے۔ (ڈاکٹر طلحہ رضوی برق)

★ سید اولاد رسول قدسی جدید تعلیم سے بہرہ ور ہیں، انگریزی زبان و ادب کے فاضل ہیں اور بفضلہ تعالیٰ علم دین کے عالم ہیں۔ ان دونوں علوم کے

★ امتزاج نے ان کی نعت گوئی کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ (سید محمد اشرف)

★ سید اولاد رسول قدسی کو حمد، نعت کا الہام ہوتا رہتا ہے۔ ان کی شخصیت کی جو مقناطیسی قوت ہے وہ انھیں اپنے مداحین میں مرکز کیے رہتی ہے۔

(افتخار امام صدیقی)

★ سید اولاد رسول قدسی کی شاعری کو اگر صرف ایک بڑی خصوصیت کا ذکر کیا جائے تو ان کا تاریخی شعور ہے۔ (ڈاکٹر خواجہ اکرام)

★ سید اولاد رسول قدسی نعت اور غزل کے بہت بڑے شاعر ہیں۔ ان کے یہاں شریعت اور شعریت دونوں کا حسن پایا جاتا ہے۔ (سیدہ عابدہ رحمت)

علامہ سید اولاد رسول قدسی

کی تین تازہ ترین کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں

لمحہ لمحہ	تر و تازہ	خدا، نہ خدا سے جدا
(نظموں کا مجموعہ)	(غزلیہ دیوان)	(نعتیہ دیوان)
Rs. 150/-	Rs. 100/-	Rs. 100/-

ترتیب:

محمد رحمت اللہ صدیقی

خواہش مند حضرات ذیل کے نمبرات پر رابطہ کریں

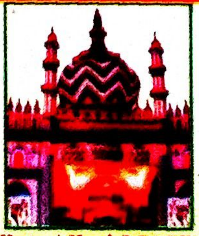
فون نمبر: 022-20354077، موبائل: 09930585533

صاحب سجادہ خانقاہ رضویہ بریلی شریف

حضرت علامہ سبحان رضا خان صاحب کے ہاتھوں ۲۰۰۹ء میں حضرت مولانا مفتی اختر حسین قادری کی خدمت میں ان کی دینی و مسلکی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈ پیش کیا گیا۔ توصیفی سند ذیل میں دی جاتی ہے۔

مجدد دین وملت سرکار اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی

حجۃ الاسلام مولانا الشاہ محمد حامد رضا خاں
مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ محمد مصطفےٰ رضا خاں
مفسر اعظم ہند مولانا الشاہ محمد ابراہیم رضا خاں
قائد ملت مولانا الشاہ محمد ریحان رضا خاں



نبیرۂ اعلیٰحضرت سبحانی میاں محمد سبحان رضا خان

Nabeera-e-Aala Hazrat Shahzada-e-Rehan-e-Millat, Alhaj MAULANA SUBHAN RAZA KHAN SUBHANI MIAN

Sajjada Nasheen Khanqah-e-Aala, Razvia, Hamidia, Nooria, Jeelania, Rehania Raza Nagar 84, Saudagran, Street, Bareilly-243003 (U.P)

MANAGER
Jamia Razvia
Manzar-e-Islam
Bareilly Shareef

MUTAWALLI
Raza Masjid
Bareilly Shareef

CHIEF EDITOR
Ala Hazrat
Monthly Magazine
Bareilly Shareef

Ref...

Date ۲۵ ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ

مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد | ۷۸۶/۹۲ | مرکز اہلسنت پائندہ باد

سپاس نامہ

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ کی عبقری اور ہمہ گیر شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ دنیائے سنیت میں آپ کی خدمات کے اپنے پرائے سبھی لوگ معترف ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے یوں تو تقریباً ستر علوم وفنون پر مشتمل بارہ سو کتب ورسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ لیکن ان تمام تصنیفات وتالیفات میں ترجمہ قرآن "**کنزالایمان**" ایک ایسا کارنامہ ہے کہ تاریخ اردو ادب جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ ترجمہ فی البدیہہ ہے جو اعلیٰ حضرت کے رموز قرآن سے معرفت وحقیقت پر روشن دلیل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ فرقۂ باطلہ کے تمام مترجمین کے ترجمے پر ایک ضرب کاری ہے۔ اور عقائد حقہ کی پہچان وعلامتی نشان ہے۔ اسی لئے اس کا نام "**کنزالایمان**" ہے (ایمان کا خزانہ) کنزالایمان کی تصنیف اور اشاعت کے معاونین میں حضور صدر الشریعہ اور حضور صدر الافاضل علیہما الرحمہ دونوں بزرگ شخصیات کے کردار وعمل کو امتیازی شان حاصل ہے اور مفتی محبوب علی خان صاحب علیہ الرحمہ نے پہلی مرتبہ کنزالایمان کے ذریعے وہابیوں کے ترجمے کا آپریشن کیا۔

حضرت علامہ مفتی اختر حسین صاحب علیمی نے اس وقت جبکہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تحریری طور پر مخالفت ہو رہی تھی تو انہوں نے سب سے پہلے نعرۂ مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت پر دلائل وبراہین سے مزین مجاہدانہ فتویٰ لکھ کر مسلک اعلیٰ حضرت کے مخالفین ومعاندین کو دنداں شکن جواب دیکر ساکت وخاموش کردیا۔ جن کے فتوے پر دور حاضر کے اکابر واصاغر علماء کرام ومفتیان عظام نے تصدیق وتائید فرمائیں۔

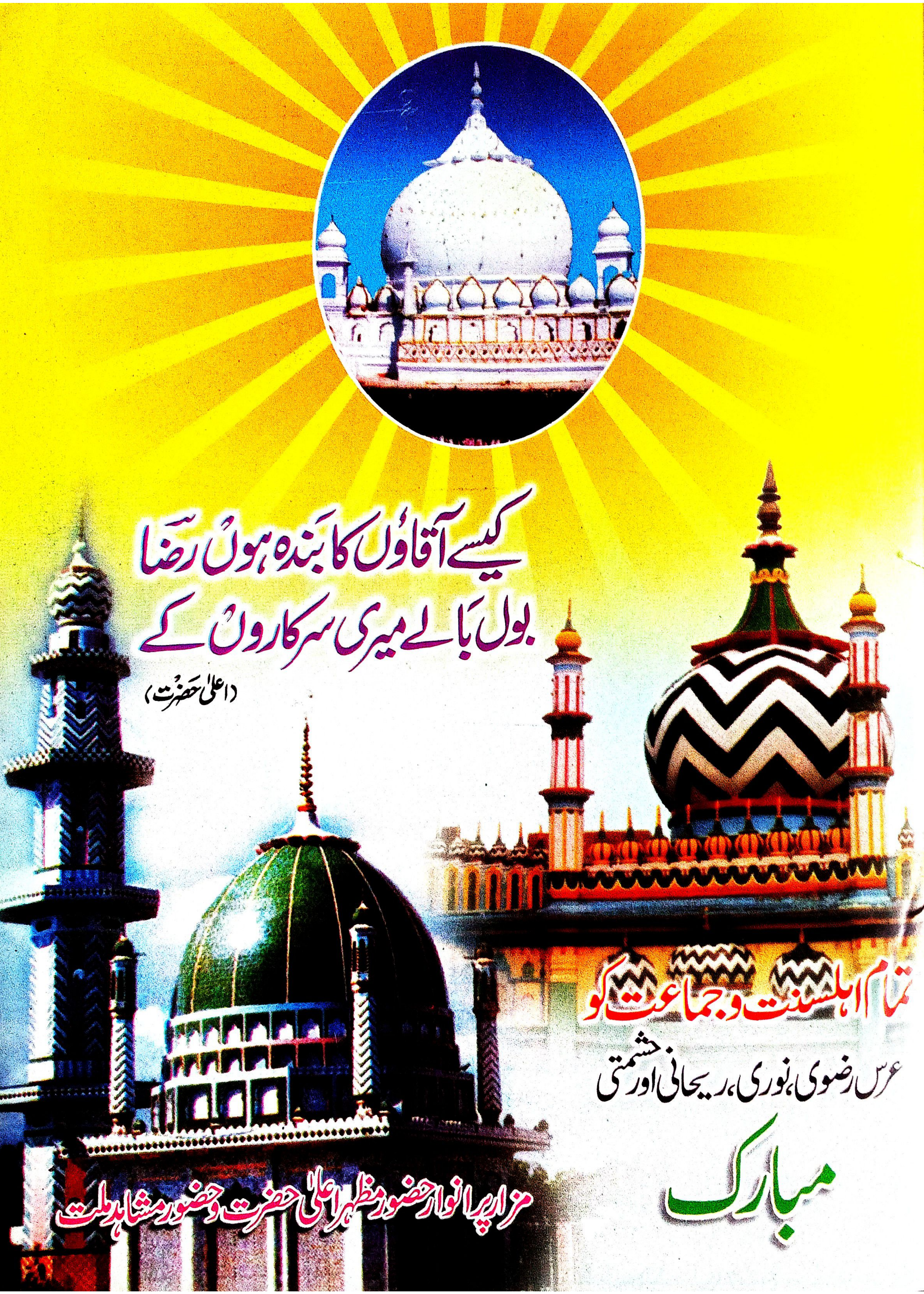
لہٰذا جشن صد سالہ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" کے حسین موقع پر عرس رضوی کی پر بہار فضا میں موصوف کو ان کی اس بیباکانہ وجرأتمندانہ اقدام پر حوصلہ افزائی کے لئے اس ایوارڈ سے نوازا جاتا ہے۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

الیوارڈ: (۱) کنزالایمان (۲) ایک شال
(۳) گیارہ ہزار روپئے

منجانب: حضرت علامہ مولانا الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں
سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ نوریہ ریحانیہ و مہتمم مرکز اہلسنت جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

Ph:. 2455624, 3293800, 2475683 (Off) Mob. 9359103539, 9719092786 Fax: 2474627 (0091-581)
E-mail : subhanimian@yahoo.co.in, alahazrat786@rediffmail.com. Website : www.ala-hazrat.org


کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے میری سرکاروں کے
(اعلیٰ حضرت)
تمام اہلسنت وجماعت کو
عرس رضوی، نوری، ریحانی اور حشمتی
مبارک
مزار پر انوار حضور مظہر اعلیٰ حضرت وحضور مشاہد ملت

رضا سے جلو گے تو جل جاؤ گے تم　　رضا سے ملو گے تو کھل جاؤ گے تم

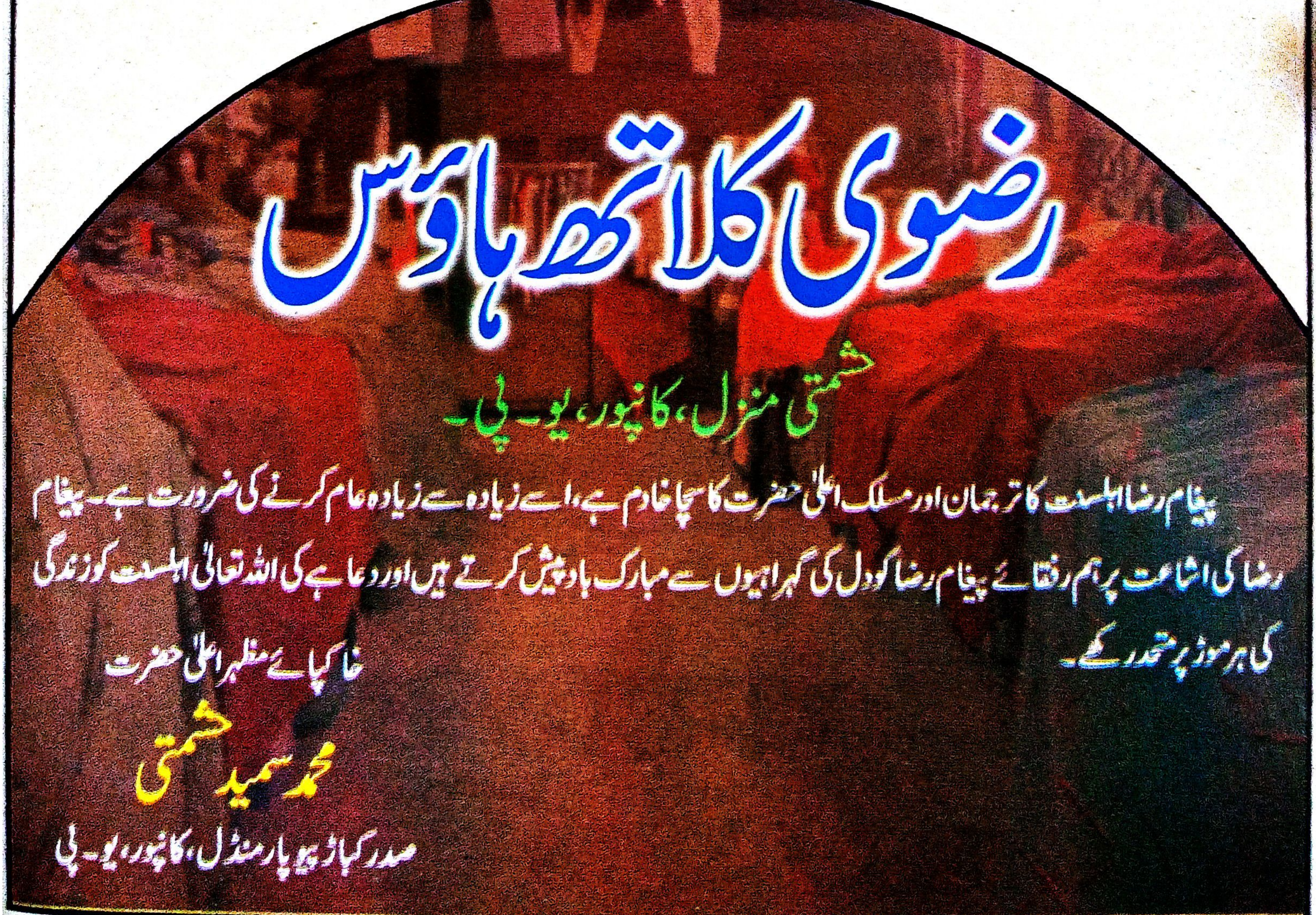
یہ ہے اعلیٰ حضرت کی عظمت کا سکہ　　یہ چلتا رہے گا کھنکتے کھنکتے

آج کے پر خطر ماحول میں پیغام رضا کی اشاعت وقت کا اہم تقاضا ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کو غیروں کی طرف منسوب کرنے والوں کے چہرے پہ زوردار تمانچہ ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں زندگی گذارنے والوں کے لئے تسکین قلب و روح کا سامان ہے، ہم عرس رضوی، نوری، ریحانی، حشمتی اور مشاہدی کے پرمسرت موقع پر رفقائے پیغام رضا کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہے کہ پیغام رضا کی اشاعت تسلسل کے ساتھ ہوتی رہے اور اس کی اشاعت کا سامان غیب سے ہوتا رہے۔

دعا گوں

منور رضا نوری

ابن الحاج ابراہیم حشمتی علیہ الرحمہ



مذہب اہلسنت کا ترجمان یعنی مسلک اعلیٰحضرت کا نقیب و پاسبان

پیغام رضا
ممبئی

جلد:۳ جنوری تا مارچ ۲۰۱۰ء / محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۴۳۱ھ شمارہ:۱

مدیر اعلیٰ
محمد رحمت اللہ صدیقی

مدیر اعزازی
مولانا محمد قمر الزماں مصباحی

مدیر مسئول
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

مدیر
مولانا انیس عالم سیوانی

اس شمارے کا **فرمان**

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ: یہ داستان سننے کے قابل ہے کہ آج دنیا کے کروڑوں سنی مسلمان اعلیٰ حضرت پر اپنی جان کیوں چھڑکتے ہیں اور "مسلک اعلیٰ حضرت" کیا چیز ہے، جس کے ساتھ ان کی والہانہ وابستگی ہے؟ اعلیٰ حضرت کے اندر دین و ایمان کی وہ کون سی خوبی تھی جس کی وجہ سے "بریلوی" کا لفظ اب سنی صحیح العقیدہ حق پرست طبقے کا علامتی نشان بن گیا ہے۔
(تجلیات رضا ..... ص ۱۷۵)

رابطے کا پتہ
PAIGAM-E-RAZA
Mohd. Rahmatullah Siddiquee
90, New Mahada Building
Room No. 507,
P.M.G. Colony, Mumbai-43
Ph.: 022-20354077, Mob.: 09930585533

قیمت: فی شمارہ: ۵۰/- روپئے
اس شمارے کی قیمت: ۱۵۰/- روپئے
سالانہ ممبری فیس: ۲۰۰/- روپئے
بیرونی ممالک سے: ۲۵/ امریکی ڈالر

اس شمارے میں

شخصیات

تعاقبات

ختریات

تنقیدات

منظومات

عرس امین شریعت: سلطان المناظرین، رئیس المتکلمین، مفتی اعظم کانپور حضرت علامہ **الشاہ رفاقت حسین** صاحب مظفر پوری علیہ الرحمہ کا عرس سراپا قدس ۱/۲/۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۸، ۱۹، ۲۰/ مارچ ۲۰۱۰ء کو مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ شہزادۂ امین شریعت، مورخ اہل سنت حضرت علامہ **محمود احمد رفاقتی** صاحب قبلہ کی سرپرستی و صدارت میں منایا جا رہا ہے۔ جس میں شیخ الانام حجۃ الاسلام **شاہ حامد رضا خان** بریلوی اور سلطان المناظرین حضرت شاہ رفاقت حسین علیہما الرحمہ پر سمینار اور علمی مذاکرات کی مجلس بھی منعقد ہوگی۔ اس علمی و مذاکراتی محفل میں ملک کے اصحاب فکر و قلم اور علماء و مشائخ کی ایک بڑی جماعت شرکت کر رہی ہے۔ ارباب عقیدت اور اہل محبت تشریف لا کر اپنی روحانی بالیدگی کا سامان فراہم کریں۔

فقیر: **عامر اشرف** (ولی عہد خانقاہ امین شریعت) بھوانی پور، اسلام آباد، سونبرسا، مظفر پور، بہار

نعت پاک

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی

سرور کہوں کہ مالک ومولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں
جانِ مراد وکانِ تمنا کہوں تجھے

گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں
درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے

صبحِ وطن پہ شامِ غریباں کو دوں شرف
بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے

اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں میں جانِ تجلا کہوں تجھے

بے داغ لالہ یا قمرِ بے کلف کہوں
بے خار گلبنِ چمن آرا کہوں تجھے

مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیعِ روزِ جزا کا کہوں تجھے

اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں
تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی
چپ ہو رہا ہے کہہ کہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

نعت پاک

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی

سرور کہوں کہ مالک ومولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں
جانِ مراد وکانِ تمنا کہوں تجھے

گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں
درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے

صبحِ وطن پہ شامِ غریباں کو دوں شرف
بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے

اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں میں جانِ تجلا کہوں تجھے

بے داغ لالہ یا قمرِ بے کلف کہوں
بے خار گلبنِ چمن آرا کہوں تجھے

مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیع روزِ جزا کا کہوں تجھے

اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں
تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی
چپ ہورہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کردیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

ہم کو آئینہ دکھانا ہے دکھا دیتے ہیں

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

تھوڑی دیر کے لیے یہ یقین نہیں ہوتا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو پردہ فرمائے ہوئے ۸۹ رسال کا لمبا عرصہ گزر گیا ہے۔ یقین نہ آنے کی وجہ ان کے ذکرواذکار کا تسلسل، ان کی میٹھی یادوں اور پیاری باتوں کا غیر متناہی سلسلہ، مسجد سے مدرسہ کی مسند تک، اسکول وکالج سے لے کر بڑی بڑی یونیورسٹیوں تک اور اب تو ملک سے لے کر بیرونِ ملک تک جس شخص وشخصیت کے علم وفضل، محنت ودیانت، فنی جامعیت، فکری وسعت کی گونج سنائی دے رہی ہے وہ صرف آپ کی ذات والا صفات ہے۔ اس ڈیڑھ سو سال کے اندر اعتقادی، علمی اور عملی سطح پر جس ہستی کا فیضان سب سے زیادہ بٹا اور بٹ رہا ہے وہ یقیناً امام احمد رضا ہیں۔ اس طرح ان کی یادوں کا چراغ ہے جو شہر شہر جل رہا ہے، ان کے علمی کارناموں کی رنگارنگی ہے جو ریاست ریاست، ملک ملک روشنی بکھیر رہی ہے۔ یہ سب کچھ اس انداز وادا اور خلوص ووفا سے ہو رہا ہے کہ لگتا ہے امام احمد رضا ابھی ہم میں موجود ہی ہیں، گئے نہیں ہیں۔ جو جا کر بھی اس شدت وکثرت سے یاد کیا جاتا ہو اور جو روپوش ہو کر بھی محفل محفل جلوہ نما ہو، اس پوری صدی میں یہ شرف صرف امام احمد رضا کو حاصل ہے۔ وعدۂ الٰہیہ کے مطابق حیات طیبہ کی برکات سے سیراب وفیضیاب ہیں، ان کی کتابیں ہیں جو فنون کی کائنات اپنے دامن میں سجائے ہوئے ہیں ان کے خلفا اور تلامذہ کی آراستہ کی ہوئی بزمیں ہیں جو گلہائے رنگارنگ کی طرح مجلس حیات کو باغ وبہار بنائے ہوئے ہیں اور خود ان کے کارہائے نمایاں کے فانوس میں جگمگاتی ایثار واخلاص کی لو ہے جو آندھیوں کی زد پر بھی جل رہی ہے اور جلتے رہنے کا حوصلۂ فراواں بھی بخش رہی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بعض لوگوں کی حیرانی اب پریشانی میں ڈھلتی جا رہی ہے۔ انہیں فکر کھائے جا رہی ہے کہ آخر یہ شمع فروزاں کیسے ہے اور کیوں ہے؟ زمانے کے سرد وگرم کا، ماحول کے مدوجزر کا، حالات کی رنگینی اور سنگینی کا آخر اس پر اثر کیوں نہیں پڑتا؟ اور جب وہ کسی محفل میں کسی خوش گلو سے یہ سنتے ہیں کہ:

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

توان کے وجود کا جغرافیہ، پیشانی کی سلوٹیں اور چہرے کا اضطراب دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں زیادہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ انہیں بس یہ سمجھ لینا چاہئے کہ رضا کی یادوں کا چراغ عشق مصطفیٰ کے روغن سے روشن ہے۔ اس لیے پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ اور عشق مصطفوی تو نور محمدی کی طرح کونین کے ذرے ذرے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اسی چراغِ محبت کی روشنی سے بزم کون و مکاں ولامکاں میں چراغاں ہے:

لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حر کی طرح لاؤ لشکر کو چھوڑ کر، سیم وزر سے منہ موڑ کر، قیل وقال کے ہتھکنڈوں کو یکسر چھوڑ کر وقت کا تقاضہ ہے کہ قافلۂ رضا میں شامل ہو جایا جائے، یقین مانیے آپ کو حسینی قافلہ میں شرکت کا لطف حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ دور حاضر میں قافلۂ حسینی کے قافلہ سالار کا نام امام احمد رضا ہے، تلوار اگر قلم کا روپ دھار کر حق و باطل کے درمیان امتیازی نشان کھینچنے لگے تو سمجھ جایئے فیضان امام حسین مسلک رضا بن کر فریضۂ عشق و وفا انجام دے رہا ہے، جس اسلام کی کشتی کو امام حسین نے یزیدی طوفان سے نکالا تھا امام احمد رضا نے غلام حسین بن کر اسی اسلام کی حفاظت کی ہے، قریب آیئے تو خواجہ غریب نواز نے ہند کی بنجر زمین پر جس دین کا پودا لگایا تھا، امام احمد رضا نے اپنے قلم کی روشنائی سے محافظ دین بن کر اسی دین کی آبیاری کی ہے۔ آپ کی یہ خدمت ومحنت بارگاہ رسول میں ایسی مقبول ہوئی کہ ازخود پورا دین آپ سے منسوب ہو گیا، اکابرین اہلسنّت نے آپ کے مجموعہ ہائے افکار ونظریات کو ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا نام دے دیا اور ایسا کر کے انہوں نے معاذ اللہ کوئی بھول نہیں کی، جیسا کہ آجکل کچھ لوگ ناسمجھی میں بولنے اور لکھنے لگے ہیں۔ وہ بڑے دانا و بینا، زیرک وہوشمند، معاملہ فہم ومعاملہ سنج، اور بعد والوں کے لئے نیک خواہشات واحساسات رکھنے والے حضرات تھے، ان کے فیصلے کو ٹیڑھی ترچھی نظر سے دیکھنا اپنی عاقبت کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔ وہ اپنی نگاہ حق بین و دور بین سے ملاحظہ فرما رہے تھے کہ آنے والا ہر دن بھیانک اور خطرناک بنتا جارہا ہے، وہابیت کے سیلاب میں بھاری بھر کم شخصیتیں غرق ہوتی جارہی ہیں لہٰذا بہت ضروری ہے کہ فکر ونظر کے لرزتے پتوں کو کسی بھاری سل کے نیچے دبا دیا جائے، ان حضرات کاملین ومخلصین کی نظر میں امام احمد رضا ہی کے افکار و نظریات تھے جو فولادی چٹان سے زیادہ وزنی تھے، لہٰذا پیروں نے اپنے مریدوں کو، استاذوں نے اپنے شاگردوں کو، بڑوں نے اپنے چھوٹوں کو مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو اپنانے، اپنا بنانے اور کلیجے سے لگائے رکھنے پر زور دیا، تاکید کی—اس تعلق سے مثالوں کا پہاڑ کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ بعد کے حالات نے بھی ان اکابرین حضرات کے خدشات کو بالکل سچ کر دکھایا، وہی خانقاہیں اپنی عظمت محفوظ رکھ سکیں جو فکر رضا سے ہم آہنگ ہوئیں، وہی مدارس ومساجد اپنی آبرو بچا سکے جس کی دستاویز اور گیٹ کی پیشانی پر مسلک اعلیٰ حضرت کا طغریٰ کندہ کر دیا گیا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جس فرد کی زبان پر اعلیٰ حضرت کا نام زیادہ ہے اس شخص کا ایمان اتنا ہی مضبوط ہے، جس محلے یا گاؤں میں اعلیٰ حضرت کا چرچا زیادہ ہے اس محلہ اور گاؤں کا عقیدہ وعمل محفوظ ہے، اور جس شہر اور صوبہ میں امام احمد رضا کا ذکر وتذکرہ زیادہ ہے اس شہر اور اس صوبہ کا مسلک ومشرب محفوظ ہے، یہ علامات بول رہی ہیں کہ آج کے دور میں ایمان وعمل کے غیر مسخر قلعہ کا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ یہ وہ فکر ہے جس کا رشتہ اجمیر معلیٰ وایا بغداد مدینہ منورہ سے ملتا ہے۔ یہی وہ سلسلۃ الذہب ہے جس کی ہر کڑی اللہ کے فضل سے سلامت ہے۔ افکار ونظریات کی حفاظت اگر دولت وثروت کے بل پر ہوتی تو دین الٰہی کے پرخچے نہیں اڑے ہوتے۔ دوسرے اور ادیان باطلہ کا جو حشر ہوا وہ نہیں ہوتا۔ افکار ونظریات کی حفاظت ایمان وعقیدے کی سلامتی کے ساتھ علم وعمل کے سوز، اخلاص واخلاق کے گداز سے ہوتی ہے اور یہ چودہویں صدی ہجری میں بکمال تابانی، اور بہ تمام جلوہ سامانی امام احمد رضا کے یہاں نظر آتی ہے۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ہم ہی اہلسنّت ہیں، بشارت نبوی کے مصداق، ناجی اور جنتی فرقہ ہم ہی ہیں، مگر آج کے دور میں حالات حاضرہ کے تناظر میں اہلسنّت کے تاج میں بریلی کا طرہ ہوگا تبھی پہچان باقی رہے گی، اس لئے کہ بڑی تیزی کے ساتھ دیوبندی مولویوں نے اپنے آپ کو سنی کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے، ممبئی کا ایک مشہور مسلم محلہ ہے، گوونڈی، وہاں کے دیوبندی مولویوں کی ایک تنظیم ہے "تنظیم علمائے اہلسنّت وجماعت" ایسے پیچیدہ حالات میں کوئی کہے کہ آؤ بنام سنیت متحد ہو جائیں، تو یہ اتحاد مختلف نظریات وخیالات کا ملغوبہ تو ہوگا، اس سے وہ جماعت مقصود نہیں ہوگی جو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلوبہ جماعت ہے، لہٰذا اب ضروری ہوگیا ہے کہ اپنے آپ کو، اپنی جماعت کو، اپنی ملت کو بریلی سے منسوب رکھا جائے۔ اب اسی کے ایمان کا سونا کھرا ہوگا جو سنی بریلوی ہوگا، تجربہ شاہد ہے جو لوگ، جو جماعت یا جو خانقاہ اپنی فکری وابستگی بریلی سے نہ رکھ سکی بدعات وخرافات، منکرات واہیات نے ان کی سوچ پر ایسا چھاپا مارا کہ صلح کلیت کی دہلیز پر پہنچا دیا۔ کہیں کہیں تو بے دینیت وبدمذہبیت ان کے افکار کے لال قلعہ میں چور دروازے سے داخل ہوگئی اور انہیں احساس بھی نہ ہوا۔ اولیاء اللہ کے مزارات وہ قندیل شعور آگہی ہیں جہاں سے بجھے دل کو روشنی اور مری روح کو نئی زندگی کی سوغات ملتی ہے، مگر فکر رضا سے دوری نے آج وہ دن دکھایا کہ خالی الذہن سنی نوجوان کو دیوبندی تبلیغی جماعت والے مزار پر لے جا کر وہاں کی غیر شرعی حرکات دکھا کر بدگمان کر رہے ہیں۔ اگر آج بھی خانقاہیں اپنا فکری رشتہ فکر رضا سے استوار کرلیں، اور سجادہ نشینان عالی جاہ مسلک رضا کو عملاً اپنا لیں تو پھر اسلام وسنیت نئی کروٹوں سے بیدار ہو کر قوم وملت کے جسم میں صحیح اسلامی جان ڈال دیں، حالت کی کایا پلٹ جائے۔ خوشگوار ایمانی انقلاب سے دنیا ہری بھری اور سرسبز وشاداب ہو جائے۔ مگر چوں کہ آج لوگوں کی فطرت میں آزادی آگئی ہے اس لئے مسجد سے لے کر خانقاہ تک ہر جگہ انہیں آزادی چاہئے۔ انہیں شریعت کی نہیں اپنی طبیعت کی حکومت چاہئے۔ دوسرے حضرات تماشائی تو رہیں مگر ٹوکنے روکنے کی جسارت نہ کریں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شریعت کا عظیم الشان شعبہ ہے اسی شعبہ سے کردار کو اسلامی اسپرٹ، اور گفتار کو ایمانی توانائی ملتی ہے، اگر اظہار حق کا فریضہ چھوڑ دیا جائے تو حسن و قبح کا امتیاز، اور ثواب وعقاب کا فرق مٹ جائے گا۔ پھر تو حالت ایسی ناگفتہ بہ ہوگی کہ گناہوں کے تعفن سے سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔ یہ صرف مسلک اعلیٰ حضرت کی خوبی اور شان امتیاز وافتخار ہے کہ یہ حق بولنا، حق پر چلنا اور حق ہی پر چلتے رہنے کی تائید وتاکید کرتا ہے، یہ منکرات پر اظہار بیزاری کرتا اور معروفات کی شاہراہ کا تعین کرتا ہے، چوں کہ یہ دولت صداقت کی امین اور قافلۂ دیانت کی امیر ہے اس لئے اس کی سورج چڑھتی مقبولیت کچھ لوگوں کو کھٹکتی ہے، اور وہ اس تعلق سے وہ کچھ کر گزرتے ہیں جس کی ایک باوفا مومن سے بہر حال امید نہیں کی جاسکتی۔

اس دو تین سال کے عرصے میں کیا نہیں ہوا، کیا نہیں کیا گیا اور کیا نہیں لکھا گیا مگر فکر رضا، پیغام رضا، تمام این وآن سے بے پرواہ بس اپنے کام کی دھن میں جٹا تھا، تائید غیبی اس کی حمایت فرماتی تھی۔ فرماتی رہے گی اور فرما رہی ہے۔ غیبی توانائی کا نمائندہ بن کر مطلع صحافت پر "پیغام رضا، ممبئی" حق وصداقت کا وہ سورج ثابت ہوا جس کی دھمک سے اندھیروں نے اپنا بوریا بستر لپیٹنے میں ہی عافیت جانا، ہوا کا رخ بدل گیا۔ سچائی سر چڑھ کر بولنے لگی۔ اپنی بے سروسامانی کے باوجود اس نے وہ سامان حفاظت وحیات مہیا کر دیا کہ برسوں کا اثاثہ ملے تب بھی ضمیر یہی کہے گا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

جماعتی سطح پر اس کی خدمات کا اعتراف کیا گیا اور اس خلوص ومحبت سے سراہا گیا کہ یہ تازہ دم ہو کر معرکۂ فکر میں سرگرم ہو گیا، الحمد للہ مسلک اعلیٰ حضرت پر اتنے جامع مواد، اتنے اچھے مضامین اکٹھا کر دیئے اور ایسی ایسی مستند دستاویز، تاریخی شواہد مہیا کر دیئے کہ اب برسوں تک کچھ کرنے کی ضرورت شاید نہیں پڑے گی۔ خدا بھلا کرے اور سدا بہار رکھے "پیغام رضا" کے رفقائے سفر کو، خصوصاً مدیر اعلیٰ مولانا رحمت اللہ صدیقی کو جنہوں نے آندھیوں کے جواب میں طوفانی، قطرہ کے مقابلے میں دریا بلکہ بحر مواج بن کر وہ کارنامہ انجام دیا کہ زمانہ گن گانے پر مجبور ہے اور رہے گا۔ لوگوں نے اپنے مزعومات کے سورج کو گہناتا دیکھ کر اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ مغلظات کی بوچھار کر دی، اس سے بھی کچھ نہیں ہوا تو دھمکی آمیز فون سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اس سے بھی بڑھ کر پیغام رضا کے معاونین کو برگشتہ کرنے کی ناپاک حرکت کی، مگر ادھر صرف ایک ہی خیال تھا وہ تھا مسلک اعلیٰ حضرت کی حفاظت کا خیال، اس جذبۂ خلوص کے ساتھ اس کے خوبصورت چہرے اور وجود کا چرچا کیا گیا — اور اس زور سے اس کا نعرہ بلند کیا گیا کہ دشت وجبل گونجنے لگے۔ نتیجے میں اس سال دو سال کے اندر "مسلک اعلیٰ حضرت" کے نام کے جتنے جلسے ہوئے، جتنے نعرے لگے اور مدارس ومساجد کے دستور اساسی میں جس طرح "مسلک اعلیٰ حضرت" کے لفظ کا اضافہ ہوا یہ بذات خود ایک ریکارڈ ہے، اور خدا کا شکر ہے یہ جذبہ روز افزوں ترقی پر ہے —

محترم قارئین! یہ جو کچھ بھی ہوا اس میں ہم لوگوں کا کچھ نہیں ہے، سرکار اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہما کی

روحانیت کی کارفرمائی ہے۔ یہ انہیں حضرات کا لگایا پودا تھا، انہوں نے ہی اس کی حفاظت کا اہتمام فرمایا، ہاں ہمیں خوشی اس بات پر ہے کہ اس اہم کام کے لئے ہم لوگوں پر ان کی نظر انتخاب پڑی اور ٹھہری۔

حضرات! پیغام رضا کا تازہ شمارہ آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔ پھر ہم نے فکر رضا کو نئی آب و تاب کے ساتھ سجا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، پھر ہم نے کوچۂ رضا کے دیوانوں کی بھیڑ میں اپنی دیوانگی درج کرانے کی پہل کی ہے، پھر ہم نے بابِ کرم رضا پر دستک دینے کی ہمت کی ہے۔ پھر ہم نے رضا، مسلک رضا اور پیغام رضا پر نئے نئے مضامین کی سوغات لے کر آپ کی ضیافت طبع کا سامان کرنے کی جرأت کی ہے۔ ہم اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوسکے ہیں اس کا فیصلہ تو آپ کا ذوق مطالعہ ہی کرے گا۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ ہم اپنے حصے کا کام کر رہے ہیں آپ بھی اپنے حصے کا کام شروع کر دیں، جس کے پاس جو جوہر ہے وہ اپنے اس جوہر کو دین کے لئے استعمال کرے۔ علماء علم سے — قلمکار مضامین سے — صاحب ثروت، دولت سے — مخلصین اخلاص سے اور قارئین سالانہ ممبر شپ قبول کر کے دین کی خدمت و تعاون اور پیغام رضا کی مسلسل اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اس تازہ شمارہ کو آپ نے کیسا پایا ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔ یہ رسالہ سہ ماہی سے ماہنامہ بن کر پابندی کے ساتھ مطلع رضویاتی ادب سے طلوع ہوتا رہے ہم آپ کی اس حمایت کو بھی سننے پڑھنے اور دیکھنے کے منتظر ہیں۔

چلتے چلتے اخیر میں یہ اہم و اعظم گذارش کہ آج کا دور ٹوٹ کے رہنے کا دور نہیں جٹ کے رہنے کا دور ہے۔ بکھر کے رہنے کا دور نہیں سمٹ کے رہنے کا دور ہے، آیئے ہم سب ایک مرکز اہلسنّت بریلی شریف کی مرکزیت پر جمع ہوجائیں، متحد ہوجائیں، یہ اس لئے کہ امام احمد رضا اپنے دور کے سب سے بڑے اتحاد ملت کے علمبردار تھے، اسی وجہ سے اس دور کے علماء، مشائخ، اکابر، معاصر، اصاغر سب امام احمد رضا کے گرد جمع تھے۔ آپ پیغام رضا سے قریب ہوں آپ محسوس کریں گے کہ ان کے پیغام میں انوکھی خوشبو، نرالی تجلی، اور البیلی نورانیت ہے۔ امام احمد رضا کا دور وہ دور تھا جس میں ہر دن ایک نیا فرقہ جنم لیتا، نیا نغمہ الاپتا اور نئی بولی بولتا تھا۔ لوگ ٹولیوں، ٹکڑیوں میں بٹ رہے تھے۔ پوری ملت مضطرب تھی۔ ایسے میں صرف آپ تھے جو اتفاق و اتحاد کی نغمگی سے اپنی جلوت و خلوت آباد کئے ہوئے تھے۔ ویسے مکدر ماحول میں کچھ اس شدت جذبات کے ساتھ آپ نے پیار کی بانسری بجائی۔ محبت کا صور پھونکا کہ لوگ ہمہ تن گوش ہوگئے۔ اور اسی رہگذر پر جمع ہونے میں اپنے دین و دنیا کی عافیت سمجھی جس کی پیشوائی امام احمد رضا کر رہے تھے۔ ان کا مسلک مسلک محبت تھا اس لئے وہ محبوب خدا و محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر سب کو جمع ہونے اور جمع رہنے کی دعوت دے رہے تھے۔

ان کا کہنا تھا:

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

ان کا ماننا تھا:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانگیں گے، قیامت میں اگر مان گیا

ان کا اذعان تھا:

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

آج امام احمد رضا کی اسی فکری دعوت، اسی پیغام محبت کو عام کرنے کی ضرورت ہے، یہ پیغام عام ہوگا تو محبت کی باد بہاری چلے گی۔ یہ پیغام فکر ونظر کا رہنما رہے گا تو کردار وعمل سے صداقت وحقانیت کا نور ٹپکے گا۔ اسی لئے پیغام رضا ممبئی، آپ سے اپیل کرتا ہے کہ اپنی زندگی کا آئیڈیل مسلک رضا کو بنائیے۔ پیغام رضا کا مشن سچائی کا آئینہ دکھانا ہے، اور وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں مستعد ہے۔ آئیے پیغام رضا کو سر کا تاج بنا کر، پیشانی کا جھومر بنا کر، گلے کا طوق بنا کر، اور اپنے روح کی آواز بنا کر قدم سے قدم ملا کر اسلامی رضوی انقلاب برپا کرنے کی لگن میں مگن ہوجائیں!

❁❁❁

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم

محمد رحمت اللہ صدیقی

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بنائے ایمان ومدار نجات ہے جس شخص کا دل آپ کی یاد پاک سے خالی ہوگا اس کی کوئی عبادت قابل قبول نہیں ہوگی حقیقت میں عبادت جسم ہے اور آپ کی یاد پاک اس کی روح اور بغیر روح کے جسم کوئی اہمیت نہیں رکھتا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ خدائے پاک کی بارگاہ میں میری عبادت شرف قبولیت حاصل کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دل کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مدینہ بنالے۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں

اللہ کی سرتابہ قدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ دعائیں اس وقت تک آسمان وزمین کے درمیان معلق ہوتی ہیں جب تک اول آخر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک نہ پڑھ لیا جائے عبادت کرنے والا حالت عبادت میں خیال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ذہن ودل کو معمور رکھے اور عبادت سے فارغ ہوکر جب بارگاہ قاضی الحاجات میں دست بدعا ہوتو اپنی دعاؤں کو اول آخر درود پاک سے مزین کرے یقیناً دعائیں مقبول ہوں گی۔ یعنی عبادت کی قبولیت کا درومدار حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر ہے۔

خدائے پاک نے اپنی بے شمار نعمتیں اور رحمتیں انسان کو عطا کی ہیں اور ہر نعمت پر شکر لازم ہے، قرآن حکیم نے نعمت پر شکر گزاری کا حکم دیا ہے، واما بنعمة ربک فحدث اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کیا کرو (کنز الایمان) اور نعمتوں کا چرچا کرنا ہی اس کی شکر گزاری ہے، قرآن حکیم نے ایک دوسری جگہ حکم دیا ہے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فل یفرحو خیر مما یجمعون (ترجمہ) اے محبوب تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت پر چاہئے کہ خوشی کریں۔ وہ ان کے سب دھن ودولت سے بہتر ہے (کنز الایمان) حضور سید عالم صلی اللہ

"دیبا سرائے سنبھل مرادآباد یوپی

تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک تمام انبیاء ورسل اولین وآخرین بلکہ ساری مخلوقات الٰہیہ کیلئے رحمت ہے اس سلسلہ میں قرآن حکمی کا ارشاد ہے'' **وما ارسلنک الا رحمة للعلمین**'' اے محبوب ہم نے آپ کونہیں بھیجا مگر ساری کائنات کیلئے رحمت بنا کر۔ (کنزالایمان)

جو ذات پاک ساری کائنات کیلئے رحمت ہو اور سب سے عظیم رحمت قرآن حکیم نے اس سمت بھی نشاندہی کی ہے **لقد من اللہ علیٰ المومنین اذ بعث فیھم رسولا** (ترجمہ) اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا (کنزالایمان) صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت پاک کی تفسیر فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت پاک نعمت عظیمہ ہے کیونکہ خلق کی پیدائش جہل وعدم درایت وقلت فہم ونقصان عقل پر ہے تو اللہ تعالیٰ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق میں مبعوث فرما کر انہیں گمراہی سے رہائی دی بینائی عطا فرما کر جہل سے نکالا اور آپ کے طفیل راہ راست کی ہدایت فرمائی اور بے شمار نعمتیں عطا کیں۔

(کنزالایمان)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک فضل الٰہی بھی ہے اور رحمت الٰہی بھی'' **النھجة السویہ** '' میں آیا ہے کہ آقائے کائنات کا نام پاک فضل اللہ ہے اس پر وجیہ نے یہ استدلال پیش کیا ہے'' **ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الا قلیلاً** '' (ترجمہ) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم شیطان کی پیروی کرتے۔

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ نہ ہوتی تو پوری دنیا عدل وانصاف، حق و صداقت، اخوت ومساوات، جود وکرم اور امن وآشتی کے عظیم سرمایہ سے محروم ہوتی جب تک انسان آپ کے دامن کرم سے وابستہ رہے گا ایمان وعمل خیر وفلاح کی روشنی میں سانسیں لیتا رہے گا مومن کے لئے سب سے عظیم دولت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ کی وسلم کی ذات گرامی ہے۔ پھر یہ کہ جس تاریخ سعید میں اس ذات پاک نے اپنے قدم ناز سے اس جہان ناپائیدار کو دارالقرار بنایا ایک مومن کے نزدیک اس دن سے بڑھ کر خوشی ومسرت سرور وانبساط کا اور کون سا دن ہوسکتا ہے اس دل اور اس زبان پر اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہے جو ولادت پاک کی تاریخ میں اظہار مسرت کو فعل عبث قرار دیتی ہے جب کہ دوسری قومیں بھی اپنے مذہبی پیشواؤں کی تاریخ ولادت پر خوشی ومسرت کا اظہار کرتی ہیں۔

ہم اس رسول کی تاریخ ولادت مناتے ہیں جس کے فضائل ومناقب، خصائل وشمائل تمام کتب آسمانی وصحائف ربانی میں موجود ہیں جس کی آمد کی بشارت تمام انبیا ورسل نے دی جس کا ذکر پاک ہر زمانے میں امراء وسلاطین کے درباروں میں کسی نہ کسی صورت میں ہوتا رہا جس کے طفیل رب کائنات نے کائنات کی تخلیق فرمائی، چاند نے چاندنی اور سورج نے ضیاء پائی۔

میلاد پاک سنت کبریا، سنت انبیاء، سنت صحابہ، سنت سلف صالحین وائمہ مجتہدین ہے رضی اللہ عنہم اجمعین جو شخص میلاد پاک کا اہتمام کرتا ہے بے حساب خیرات وبرکات کا

مستحق ہوتا ہے جہاں یہ محفل پاک سجائی جاتی ہے وہاں مسلسل انوار وتجلیات کی بارشیں ہوا کرتی ہیں اور مکین سے لیکر سامعین تک حرق وغرق محیط وبا بغض وحسد جیسے مہلک آفات وبلیات سے محفوظ ومامون رہتے ہیں۔

بشارت میلاد پاک

ابو نعیم بطریق شہر بن حوشب اور ابن عساکر بطریق مسیب بن رافع وغیرہ کعب احبار کی ایک روایت نقل فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا میرے باپ اعلم علمائے تورات تھے اللہ نے جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا وہ اپنے علم سے کوئی شی مجھ سے نہ چھپاتے جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے بلا کر کہا اے میرے بیٹے تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی شی تم سے نہ چھپائی مگر ہاں میں نے دو ورق روک رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جن کی بعثت کا زمانہ قریب آپہنچا ہے میں نے اس اندیشے سے ان دو ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی کھڑا ہو اور تو اس کی پیروی کرلے یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے اس میں وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگا دی ہے تم ابھی ان سے تعارض نہ کرنا نہ انہیں دیکھنا جب وہ نبی جلوہ فرما ہو اگر اللہ تمہارا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ انتقال فرما گئے۔ ہم ان کے کفن ودفن سے فارغ ہوئے مجھے ان دو ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا میں نے طاق کھولا اور ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں ان میں لکھا ہے "محمد رسول الله خاتم النبين لا نبی بعده مولوده بمكة ومهاجره بطيبة "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں سب انبیاء کے خاتم ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی ولادت مکہ میں ہوئی اور ان کی ہجرت مدینے کی طرف۔ (ختم نبوت)

مقوقش شاہ مصر کے دربار میں ذکر ولادت

واقدی وابو نعیم نے ایک طویل حدیث نقل کی ہیں جو مقوقش بادشاہ کی ملاقات کے سلسلہ میں ہے جس کی روایت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے کہ جب ہم نے اس نصرانی بادشاہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وتصدیق سنی اس کے پاس سے وہ کلام سن کر اٹھے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ذلیل وخوار کردیا ہم نے کہا سلاطین عجم ان کی تصدیق کرتے اور ان سے ڈرتے ہیں حالانکہ ان سے ان کا کوئی رشتہ وعلاقہ نہیں اور ہم تو ان کے رشتہ دار اور ہمسایہ ہیں وہ ہمارے گھر ہمیں دین کی طرف بلانے آئے اور ہم ابھی ان کے پیرو نہ ہوئے پھر میں اسکندریہ میں ٹھہرا اور کوئی گرجا کوئی پادری قبطی خواہ رومی نہیں چھوڑا جہاں جاکر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت جو اپنی کتاب میں پاتے ہیں نہ پوچھے اس میں ایک پادری قبطی جو سب سے بڑا مجتہد تھا اس سے ہم نے پوچھا "هل بقي احد من الانبياء" کیا نبیوں میں سے کوئی باقی رہا وہ بولا **نعم هو آخر الانبياء ليس بينه وبين عيسى نبي قد امر عيسى باتباعه وهو نبي الامي العربي اسمه احمد،** ہاں ایک نبی باقی ہے وہ سب انبیاء کے پیچھے ہیں ان کے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بیچ کوئی نبی نہیں ان کا نام پاک

احمد ہے پھر ان کے حلیہ شریفہ اور دیگر فضائل لطیفہ بیان کئے حضرت مغیرہ نے فرمایا اور بیان کریخص بما لم یخص به الانبیاء قبله كان نبی بعث الیٰ قومه وبعث الیٰ الناس كافة، انہیں وہ خصائص عطا ہوں گے جو کسی نبی کو نہ ملے ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا اور وہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں گے حضرت مغیرہ فرماتے ہیں میں نے یہ سب باتیں خوب یاد رکھیں اور وہاں سے واپس آ کر اسلام لایا۔ (مسئلہ ختم نبوت)

میلاد پاک پر خاص تارے کا طلوع

حضرت ابو نعیم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں انہوں نے کہا میں سات سال کا تھا ایک دن پچھلی رات کو وہ سخت آواز آئی کہ ایسی جلد پہنچتی ہوئی آواز میں میں نے کبھی نہ سنی تھی کیا دیکھتا ہوں کہ مدینے کے ایک بلند ٹیلے پر ایک یہودی ہاتھ میں آگ کا شعلہ لئے چیخ رہا ہے لوگ اسکی آواز پر جمع ہوئے وہ بولا هذا کوکب احمد قد طلع هذا کوکب احمد قد طلع هٰذا کوکب لایطلع الا بالنبوة ولم یبق من الانبیاء الا احمد (ترجمہ) یہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ستارے نے طلوع کیا یہ ستارہ کسی نبی ہی کی پیدائش پر طلوع ہوتا ہے اور اب نبیوں میں سوائے احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی باقی نہیں۔ (ختم نبوت)

اہل مدینہ کو بشارت میلاد پاک

حضرت زیاد بن لبید روایت کرتے ہیں کہ میں مدینہ میں ایک ٹیلے پر تھا ناگاہ ایک آواز سنی کوئی کہنے والا کہتا ہے یا اهل یثرب قد ذهب والله نبوت بنی اسرائیل هذا نجم قد طلع بمولد احمد وهو نبی الآخر الانبیاء ومهاجره الیٰ یثرب (ترجمہ) اے اہل مدینہ خدا کی قسم بنی اسرائیل سے نبوت گئی احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ستارہ طلوع ہوا وہ سب سے پچھلے نبی ہیں مدینے کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ (ختم نبوت)

کتب آسمانی وصحائف ربانی میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل جمیلہ وخصائص حمیدہ کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں علمائے سابقہ آپ کا میلاد پاک علوئے مرتبت اور اوصاف عظیمہ کا خطبہ پڑھتے رہے اور آپ کی تشریف آوری کی بشارت بڑے ہی فرحت ومسرت کے ساتھ اپنے متوسلین ومصاحبین میں کرتے رہے امام واقدی وابونعیم، حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں "قال کنا یهود فینا کانو یذکرون نبیاً یبعث بمکة اسمه احمد ویبق من الانبیاء هو فی کتبنا الحدیث" (ترجمہ) میرے بچپن میں یہود ہم میں ایک نبی کا ذکر کیا کرتے جو مکہ میں مبعوث ہوں گے ان کا نام پاک احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوگا ان کے بعد کوئی نبی باقی نہیں وہ ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک کی بے شمار آیتوں سے میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ کا تشریحی ثبوت ملتا ہے اللہ عزوجل کا فرمان ہے "لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف

الرحیم ’’(ترجمہ) بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جو تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ (کنزالایمان)

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا (ترجمہ) بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا ’’ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق‘‘ (ترجمہ) وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا قرآن حکیم کی ان آیتوں میں میلاد پاک کی جو شرطیں ہیں وہ ساری شرطیں پائی جاتی ہیں حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان آیتوں کو اگر امام جماعت میں تلاوت کرتا ہے تو عین حالت نماز میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد پاک ہوتا ہے وہ مزید تشریح فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے مجمع بھی ہے قیام بھی اور رسول کے اوصاف وکمالات کا ذکر بھی آپ نے کلمۂ طیبہ سے بھی میلاد پاک کا ثبوت پیش کیا ہے۔ (جاء الحق، ص ۲۲۱)

میلاد پاک سنت کبریا ہے

میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اہتمام والتزام سب سے پہلے خود اللہ عزوجل نے عالم ارواح میں انبیاء ورسول کی روحوں کے درمیان فرمایا قرآن حکیم میں بڑی صراحت کے ساتھ اس کا بیان آیا ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الخ (ترجمہ) اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب وحکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتاب کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرو[ر] اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر می[را] بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا تو فرما[یا] ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہو[ں] میں ہوں۔ (کنزالایمان)

میلاد پاک سنت انبیاء

سارے انبیائے کرام ورسولان عظام علیہم السلام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت آپ کے فضائل وکمالات آپ کے مقام ومنصب کی خبریں اپنی اپنی امتوں کو دی ہیں جس کے باعث ساری کائنات آپ کی آمد کی منتظر رہی مدارج النبوۃ میں آیا ہے کہ سارے پیغمبرو[ں] نے اپنی اپنی امتوں کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبریں دیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا ذکر قرآن حکیم نے کیا ہے ’’ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد‘‘ میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نا[م] پاک احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے) فرق ہمارے میلاد او[ر] ان کے میلاد میں صرف اتنا ہے کہ انہوں نے کہا وہ تشریف لائیں گے اور ہم کہتے ہیں کہ وہ تشریف لا چکے۔ (جاء الحق)

میلاد پاک سنت نبوی ہے خود حضور سید عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کی محفل میں ممبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت پاک اور اپنے اوصاف بیان فرمائے حضرت عباس رضی اللہ عن[ہ] روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا شاید حضور صل[ی]

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسل پاک پر طعن کرتے ہیں "فقام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر فقال من انا" پس کھڑے ہو گئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر پوچھا بتاؤ میں کون ہوں صحابہ نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہترین مخلوق سے کیا پھر ان کے دو حصے کئے عرب اور عجم ہم کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا پھر عرب کے چند قبیلے کئے ہم کو ان کے بہتر قریش میں سے کیا پھر قریش کے چند خاندان بنائے ہم کو ان میں سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم سے کیا۔

(مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب فضائل سید المرسلین، فصل ثانی)

ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پیر کے دن روزے کے سلسلہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ فیہ ولدت وفیہ انزل علی اسی روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (مسلم شریف) حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ میلاد پاک کے روز دن بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے میلاد پاک کے سلسلہ میں بے شمار حدیثیں آئی ہیں یہاں تک کہ حضرت امام ترمذی نے اپنی کتاب الجامع الترمذی میں میلاد پاک کا باب متعین فرمایا ہے مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے کہ "قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساخبرکم اول امری انا دعوت ابراھیم وبشارت عیسیٰ رویائی امی التی رأت حین وضعتنی وقد خرج بھا نور اضاء لھا منہ قصور الشام" فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میں حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی خوشی خبری اور میں اپنی والدہ کا چشم دید منظر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان کے جسم مبارک سے ایک ایسا نور نکلا کہ جس کی روشنی میں ملک شام کے محلات نظر آ گئے۔ (مشکوٰۃ شریف)

میلاد پاک سنت ملائکہ ہے

مواہب لدینہ، مدارج النبوۃ وغیرہ میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی شب ملائکہ نے حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے در دولت پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور صبح قیامت تک جاری رہے گا۔ فرشتے ستر ہزار صبح اور ستر ہزار شام در اقدس پر صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نغمہ سراں ہیں:

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام
یوں بندگی زلف و رخ آٹھوں پہر کی ہے

میلاد پاک سنت خلفائے رسول ہے

حضرت اجابن حجر ہیتمی نے النعمۃ الکبریٰ علی العالم میں لکھتے ہیں کہ قال ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ من انفق درھما مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان رفیقی فی الجنۃ (ترجمہ) جو شخص میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرأت پر ایک درہم خرچ کرے گا وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کا قول ہے من عظم مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقد احیاء الاسلام (ترجمہ) جس شخص نے میلاد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کی تحقیق کہ اس نے اسلام کو زندہ کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے "من انفق درھماً علیٰ قرأت مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکانما شھد غزوۃ بدر وحنین " جس شخص نے میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک درہم خرچ کیا گویا وہ غزوۂ بدر وحنین میں حاضر رہا مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "من عظم مولد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکان سببا لقرأت لایخرج من الدنیا الا باالایمان ویدخل الجنۃ بغیر حساب " جو شخص میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کرے اور اس کی قرأت کا سبب بنے وہ دنیا سے نہیں جائے گا مگر ایمان کے ساتھ اور بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (النعمۃ الکبریٰ)

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ پاکستان نے خلفائے رسول کے ان مذکورہ اقوال کو غیر مستند قرار دیا ہے لیکن حقیر نے ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ و کے قول کو راجح قرار دیا ہے اس لئے کہ انہوں نے غیر مستند ہونے پر کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے اور پھر یہ کہ صاحب نعمۃ الکبریٰ کی شان یقیناً ارفع واعلیٰ ہے۔

میلاد پاک سنت تابعین ہے

میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق تابعین عظام وائمہ ذوی الاحترام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ارشادات وفرمودات بے شمار ہیں اگر شرح وبسط کے ساتھ نقل کیا جائے تو مضمون طویل تر ہوجائے گا۔ اس لئے بڑے اختصار کے ساتھ ہم ان عظیم شخصیات کے خیالات ونظریات پیش کرتے ہیں حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ترجمہ، جو شخص میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے برادری کو جمع کرے کھانا تیار کرے نیک کام کرے اور سبب بن جائے میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پڑھنے کا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اٹھائے گا، اور وہ جنت نعیم میں رہے گا۔ (النعمۃ الکبریٰ)

میلاد پاک سنت سلف صالحین ہے

حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس نے کھانا تیار کیا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرأت کے لئے اور اپنی برادری کو جمع کرے چراغاں کرے نیا لباس زیب تن کرے، بخور جلائے، عطر لگائے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کیلئے تو اللہ عزوجل قیامت کے روز پیغمبروں کی پہلی جماعت کے ساتھ اس کا حشر فرمائے گا اور وہ اعلیٰ علیین میں رہے گا۔ (النعمۃ الکبریٰ)

حضرت ملا علی قاری مورد الراوی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں "الازال اھل السلام یحتملوا فی کل سنۃ جدیدۃ یعتنون بقرأت مولود الکریمہ ویظھر علیھم من برکاتہ کل فضل عظیم" اہل اسلام ہمیشہ سے جلسہ کا انعقاد کرتے اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد پاک پڑھتے ہیں اور ان کے برکات سے ہر فضل عظیم

ظاہر ہوتا ہے ان عبارات سے تین باتوں کا علم ہوا پہلی یہ کہ مشرق ومغرب کے مسلمان اس کو اچھا سمجھ کر اہتمام کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اکابر علماء ، فقہا، محدثین، مفسرین و صوفیائے کاملین نے اس کو اچھا سمجھا ہے جیسے امام سیوطی، علامہ ابن حجر ہیتمی ، امام سخاوی ابن جوزی، حافظ ابن حجر عسقلانی، ابن عساکر، امام واقدی وغیرہم تیسرے یہ کہ میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن مرادوں کا پورا ہونا مقاصد کا برآنا حاصل ہوتا ہے۔ (جاء الحق)

اخبار الاخیار صفحہ ۲۲۴، پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اے میرے اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جو تیرے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں میرے تمام اعمال فساد نیت کا شکار ہیں البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل محض تیری عنایت سے اس قابل اور لائق التفات ہے وہ یہ کہ مجلس میلاد پاک کے موقع پر کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی وانکساری اور محبت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا ہوں اے اللہ وہ کونسا مقام ہے جہاں میلاد پاک سے بڑھ کر تیری طرف سے خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہے اے ارحم الراحمین مجھے اس کا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود وسلام پڑھے اور اس کے ذریعہ سے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوگی۔ (اخبار الاخیار)

میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام عبادات پر فضیلت وبرتری حاصل ہے اس لئے کہ ساری عبادتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے ملی ہیں یہ اور بات ہے کہ جو عبادتیں فرائض میں داخل ہیں اس کے چھوڑنے پر سخت عذاب وعتاب ہے لیکن ترک میلاد پر کوئی گناہ نہیں بلکہ یہ اہل اسلام کی نمایاں خصوصیت اور علامت ہے بعض علماء نے شب قدر سے شب ولادت کو افضل قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ شب قدر کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے لیکن شب ولادت سید الملائکہ والمرسلین رونق افروز عالم ہوئے اور یہ حقیقت ہے کہ شب قدر میں یہ فضیلت نہیں آسکتی دوسری دلیل یہ ہے کہ شب قدر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اور شب ولادت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی جس کی وجہ سے شب قدر کو فضیلت حاصل ہوئی اور ظاہر ہے کہ جو چیز ذات سے متعلق ہو وہ افضل ہے بنسبت اس چیز کہ جو عطا کی گئی ہے تیسری دلیل یہ ہے کہ شب قدر کی فضیلت صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے متعلق ہے دوسری امت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور شب ولادت تمام موجودات کے لئے نعمت عظمیٰ ہے اللہ مسلمانوں کو محفل میلاد کے انعقاد کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی دولت سے مالا ل فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین۔

پیغامات

شہزادۂ صدر الشریعہ محدث کبیر حضرت مولینا مفتی ضیاء المصطفیٰ امجدی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

محبّ گرامی قدر مولینا رحمت اللہ صدیقی ....

امید کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے،

بحمدہ تعالیٰ قلت فرصت کے باوجود، آپ کا رسالہ پیغام رضا ممبئی پڑھتا ہوں اور سکون محسوس کرتا ہوں...... آپ نہ صرف قابل مبارک باد ہیں بلکہ آپ کا کارنامہ قابل تقلید بھی ہے کہ آج کے پر خطر ماحول میں آپ اپنی تمام تر صلاحیتیں اعلیٰ حضرت اور اپنے اسلاف کے مسلک ومذہب کے تحفظ پر صرف کر رہے ہیں۔ میں آپ کی ہمت وجرائت وحمایت حق کو تہ دل سے تحسین وآفریں پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ رب قدیر آپ کے اس قلمی جہاد کو قبول فرمائے اور آپ کو غیبی تائیدات سے نوازتا رہے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سبھی لوگ جانتے ہیں کہ موجودہ عالمی سیاست ہوس اقتدار، حصول زر اور شہرت کے گرد رقص کرتی ہے۔ کذب و نفاق، مکر وفریب میں جو جتنا ماہر ہو وہ اتنا ہی کامیاب سیاسی لیڈر ہے اس سیاست کا مذہب اور علمائے مذہب سے کوئی تعلق نہیں لیکن سیاسی چونکا چوند سے متاثر ہو کر کچھ علما ایسی سیاست میں ملوث ہو گئے۔ یہیں تک معاملہ رہتا تو زیادہ نقصان دہ نہ ہوتا مگر لوگوں نے اپنے سیاسی مفاد کے پیش نظر دین اور احکام دین میں تغیر وتبدل شروع کردی جب انھیں اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا تو یہ لوگ اصلاح کیا قبول کرتے اپنی بے راہ روی میں اور پختہ ہو گئے۔ اس پس منظر میں جو حقائق میری نظر میں ہیں اس کی ایک اجمالی کیفیت قلم بند کرتا ہوں۔

اللہ رب العزت نے جن بندوں کو اپنے احسان خاص سے نوازا ہے انھیں کا راستہ صراط مستقیم ہے، ان کی راہ سے روگردانی یا ان محبوبوں کو تنقید کا نشانہ بنانا جہاں محرومی کا سبب ہے وہیں موجب گمرہی بھی ہے۔ رب قدیر نے مجدد دین وملت تاجدار اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کو عظمت ومقبولیت میں جو امتیاز وخصوصیت عطا فرمائی ہے اس کا اعتراف ان کے اکابر معاصرین نے بھی کیا ہے حتی کہ حرمین شریفین کے اکابر نے انھیں آیۃ من آیات رب العلمین ومعجزۃ من معجزات سید المرسلینکیا القاب سے بھی یاد کیا ہے اور ان کی محبت

بانی وسربراہ جامعہ امجدیہ گھوسی

کو حقانیت کی دلیل میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح ماضی قریب کے جن اکابر کی عظمت و بزرگی کا چرچا آج کے عوام و خواص میں ہے وہ سب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے گردیدہ اور ان کے مسلک کے حامی تھے اور انھوں نے اعلیٰ حضرت کی کسی روش سے روگردانی گوارہ نہ فرمائی۔ مگر اب ہمارے ہی کچھ افراد گمراہوں کے لٹریچر اور ان کی مصاحبت سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنے بزرگوں کی پسند وناپسند سے بے نیاز ہو کر اپنی مذہبی خصوصیات کو بھی پس پشت ڈال چکے ہیں۔ یہ لوگ آخرت کی فکر سے آزاد ہو کر ہوس جاہ وشہرت اور حرص مال و دولت کے جزوی یا کلی طور پر شکار ہو گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون آخر ان لوگوں کی توجہ اس طرف کون مبذول کرائے کہ کتاب وسنت کی صریح نصوص میں بد مذہبوں سے احتراز واجتناب کی سخت تاکید کیوں فرمائی گئی ہے؟

اسی بنیاد پر یہ لوگ اعلیٰ حضرت اور اکابر اہلسنت پر تنقید کرتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ عوام کا اعتماد اعلیحضرت سے اٹھ جائے۔ اور انھیں ادعائے حقانیت کے ساتھ قلادۂ حقانیت سے آزادی بھی حاصل رہے۔

سب سے زیادہ افسوس ناک حادثہ تو یہ ہے کہ بعض وہ افراد جن کے ہاتھوں میں منصب افتاء کا قلم ہے وہ قوم کے دینی نفع ونقصان کا موازنہ کئے بغیر علی الاطلاق یہ فتوی صادر فرما دیتے ہیں کہ سنیوں کے مفاد کی خاطر بد مذہبوں کی مخلوط تنظیموں میں شریک ہونا یا ان کے ساتھ مخلوط تنظیم بنانا جائز ومستحسن ہے۔ یہ حضرات یہ غور نہ کر سکے کہ سنی عوام کے دینی تصلب پر اس عمل کا کتنا ناخوش گوار اثر مرتب ہوگا۔ کاش ان حضرات نے اپنے فتووں سے پہلے کی بنی ہوئی مخلوط تنظیموں کی کارگردگی کا جائزہ لے لیا ہوتا کہ ان تنظیموں سے سنیوں کو کتنے منافع حاصل ہوئے۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ کئی سنی بد مذہب ہو گئے یا بد مذہبوں کی دوستی کو جائز ماننے لگے۔ اور یہ بھی ہوا کہ بد مذہبوں نے سنیوں کی جمعیت کے سہارے اپنا الو سیدھا کر لیا۔ کم از کم اس غلط نظریہ کے حامیوں کو یہ سوچ لینا چاہئے کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں ندوہ جیسی مخلوط تنظیم سے اعلیحضرت کیساتھ تمام زعمائے اہل سنت نے کیوں اعلان مقاطعہ اور اظہار بیزاری کیا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

رب قدیر سے میں دعا کرتا ہوں کہ رشد وہدایت کی راہ پر تمام اہل سنت کو مستحکم فرمائے اور اسلاف کے طریقہ پر منظم فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین وسلم

فقیر ضیاء المصطفیٰ امجدی

بانی وسربراہ جامعہ امجدیہ

گھوسی

۳؍رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

حضرت مولانا محمد مفتی امان الرب رضوی

اہلسنّت و جماعت کا تعارف مسلک اعلیحضرت یا بریلوی سے کرنا تقاضائے وقت کے عین مطابق ہے۔جس طرح معتزلہ،عنادیہ، لا ادریہ فرق باطلہ نے اہلسنت و جماعت کے عقائد و افکار،شعار وضروریات میں بیجا حذف و اضافہ،کترو بیونت اوتلبیس وفساد کا ایسا اودھم مچایا کہ اہلسنت کے اصل عقائد ونظریات بالکل گنجلک ہو گئے۔گمرہیت وآزادروی کی عام وباسی پھوٹ پڑی مگر یداللہ علی الجماعۃ کا اعزاز اس طرح ظاہر ہوا کہ حضرت ابوالحسن اشعری وامام ابومنصور ماتریدی نے تائید غیبی ونصرت خداوندی سے عقائد اہلسنت کو روشن و واضح فرمایا،پھر جملہ مسلمانان اہلسنت کو اشعری کہتے یا ماتریدی،اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اشعری یا ماتریدی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔جو اسلام کے عقائد ونظریات کے مددگار وامین ہیں۔اس دور کے بدمذہب ان دونوں نسبتوں کے طفیل اپنی چالیں فیل ہوتے ہوئے دیکھا تو یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ دین تو اسلام ہے یہ اشعری کیا ہے اور ماتریدی کیا ہے؟ اس کے جواب اس دور کے اجلۂ علمائے کرام نے وہی دیے ہیں جو آج کے متعصبین کو مسلک اعلی حضرت کہنے والے جواب دیتے ہیں،چنانچہ خیر الاذکیا،حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب اپنی تحقیقی کتاب ''حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن،، میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

بعض بد مذہبوں نے کہا کہ دین تو صرف اسلام ہے پھر اشعری و ماتریدی کی طرف نسبت کیسی؟ تو ابن سبکی نے اعتراض ذکر کئے بغیر اس کا جواب دیا،فرمایا امام ابوالحسن نے نہ کوئی نئی بات گڑھی اور نہ کوئی الگ مذہب ایجاد کیا وہ تو فقط مذاہب سلف کو ثابت کرنے والے اور اس مذہب کی حمایت کرنے والے تھے،جس پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تھے اور اسی اعتبار سے ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ وہ سلف کے طریقہ پر کمر بستہ ہوئے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور دلائل و براہین قائم کئے۔اس لئے ان کی اقتدا کرنے والے اور دلائل میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے کو اشعری کہا جاتا ہے''

''اسی طرح ماترید سمرقند میں ایک محلّہ ہے سمعانی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ماتریدی کی طرف نسبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے اشعری کی طرف نسبت کرنا یعنی دلائل میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے ماتریدی کہا جاتا ہے۔وہ کسی نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنے والے نہیں تھے بلکہ وہ دین حنیف اور سنت سنیہ کے مددگار اور نئے نئے فرقوں کا رد

کرنے والے تھے'' (ص ۱۵۳/۱۵۴)

مسلک اعلی حضرت اور بریلوی کہنے کا یہی مطلب ہے کہ ہم اہلسنت و جماعت دلائل میں اعلی حضرت کے نقش قدم پر چلتے ہیں جس طرح ماترید جگہ کا نام ہے اور تمام اہلسنت ماتریدی کہتے ہیں چاہے وہ کہیں کے ہوں جب اس پر اعتراض نہیں تو بریلوی کہنے پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ نسبت جو ہے اعلی حضرت بریلوی کی اقتدا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا دور حاضر میں مسلک اعلی حضرت اور بریلوی دونوں کا استعمال لازم وضروری ہے، جیسا کہ ماتریدی اور اشعری کا استعمال ماضی میں لازم و ضروری تھا۔ جو لوگ مسلک اعلی حضرت اور لفظ بریلوی کہنے پر مشتبہ ہیں اور ان کے استعمال پر مناظرانہ ومجادلانہ انداز فکر اپنائے ہوئے ہیں ان کے لئے یہ تحریر پیغام عمل بھی ہے اور راہ عمل بھی۔

محمد امان الرب رضوی

دار العلوم منائیہ گونڈہ یوپی

۲۰/دسمبر ۲۰۰۹ء

حضرت مولانا مفتی حسن منظر قدیری

پیغام رضا،، کے کچھ شمارے، احباب کی وساطت سے مجھے گھر پر ملے میرے لئے جن کا مطالعہ بے حد مسرت افزاء تھا۔ ابھی چند دن قبل میں الجامعۃ الرضویہ کلیان ممبئی پہونچا تو اس ادارہ کے موسس حضرت علامہ و مولانا مسعود رضا قادری صاحب نے طلبہ کے تقریری مقابلہ کی سالانہ اختتامی تقریب بھی رکھ دی جن میں علماء و اہل قلم شریک ہوئے خصوصاً ڈاکٹر شمس مصباحی سلمہ و محبّ ذی وقار حضرت علامہ و مولانا رحمت اللہ صدیقی ''پیغا رضا'' کے مدیر جن سے میں غائبانہ متعارف تھا اور آج ملاقات سے شرفیاب ہوا۔ دوران گفتگو موصوف نے پیغام رضا کیلئے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، مولانا موصوف کے حکم کو میں نے اپنی سعادت جانا۔

''پیغام رضا،، اردو ادب کا ایک بیش بہا مجلّہ بھی ہے اور امام احمد رضا قدس سرہ کا پیغام بھی ہے۔ یہ پیغام سارے مسلمانوں کیلئے اور بالخصوص ان افراد انسانی کیلئے جو ارباب علم و اہل قلم ہونے کے باوجود اپنے دلوں میں ''مسلک رضا،، سے کدورت رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا کے رشحات قلم، اہل سنت و جماعت کیلئے ایک سرمایۂ لازوال ہے اور ان کے نقوش تحریر چراغ ہدایت ہے۔ چاہے یہ متاع سخن عقیدہ کے متعلق ہو یا یہ نقوش قلم مراسم اہل سنت کا بیان ہوں ہر لحاظ سے امام احمد رضا کی ذات گرامی مرکز اہل سنت و مرجع اہل علم و دانش ہے، اور یہ بھی حقیقت ہیکہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی حیات میں تجدید احیائے دین فرما کر ہماری رہنمائی فرمائی ہے ورنہ گمراہی کے اندھیرے میں نہ جانیہ ہم کہاں بھٹکتے رہتے؟ یہ ان کا کرم ہے کہ انہوں نے برے عقیدوں اور غلط رسوم سے اجتناب کرنے کا شعور بخشا اور ایک خط امتیاز قائم فرمایا، عقیدہ کی طہارت اور مراسم کی پاکیزگی عطا فرمائی اور بدعات و خرافات سے دور رہنے کی آگہی بخشی۔ یہ رضا ہی کی دین ہے کہ آج ہم باطل فرقوں سے بالکل ممتاز ہیں اور صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ انہیں ساری چیزوں کو ہم مسلک اعلیٰ حضرت سے تعبیر کرتے ہیں جو حقیقت اور حق ہے۔

آج مسلک رضا کے خلاف اندھیروں کے بے سر زمزمے، بے باک طوفانوں اور بے ڈھنگے گیتوں کا جواب حضرت علامہ و مولانا رحمت اللہ صدیقی ''پیغام رضا،، میں علم و ادب کے جواہر پاروں، فکر و نظر کے شہ پاروں اور حق آشنا قلم کے خوبصورت نغموں سے دے رہیں اور انشاء اللہ دیتے رہیں گے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

حسن منظر قدیری

نزیل الجامعۃ الرضویہ کلیان مطابق ۲۰ رجولائی ۲۰۰۹ء

حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین قادری

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ‘ کی روحانی تربیت حضور سیدنا شاہ آل رسول احمدی میاں علیہ الرحمہ کے زیر سایہ مارہرہ شریف میں ہوئی۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی علمی وروحانی شوکت واقبال کا شہرہ پورے اکناف عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ مارہرہ شریف میں جو چراغ دعوت وارشاد روشن ہے اس میں کالپی شریف کا تیل جل رہا ہے۔ گویا اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی نہ صرف چشم وچراغ خاندان برکات ہیں بلکہ فیضان کالپی کا دوسرا نام امام احمد رضا ہے۔ یہی وجہ ہے کی کالپی، بلگرام اور مارہرہ مطہرہ کی پاکباز شخصیات نے اپنے اس مرید صادق اور خلیفۂ اجل کو اپنی بے پناہ محبتوں اور عنایتوں سے نوازا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس مرید سعید کے دم قدم سے جہان سنیت میں اجالا ہے، اس علمی وآفاقی ذات نے اپنے آقاؤں سے ملے ایمان وعقیدے کے چمکتے آئینے پر جمے غبار کو بڑی خوش اسلوبی اور جانفشانی سے صاف کیا اور آج انہیں جانفشانیوں کا صلہ ہے کہ اس شفاف آئینے میں ایمان کا چہرہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے، اکابر علماء ومشائخ نے انہیں بے لوث کاوشوں کو مسلک اعلیحضرت کا نام دیا ہے اور یہ اکابرین مارہرہ وکالپی کا محبوب وپسندیدہ نعرہ ہے۔ اس لئے اس نعرے کا تسلسل ٹوٹنا نہیں چاہئے۔

میں خانقاہ محمدیہ کالپی شریف وخانقاہ سلطانیہ چوڑا شریف کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے ”پیغام رضا“ کے حوالے سے ایوان سنیت تک اپنی بات اور اپنا پیغام پہونچانا چاہتا ہوں کہ مارہرہ وبریلی ہماری عظیم امانتیں ہیں ان کے دامن عظمت وردائے تقدس پر اگر دھول جھونکنے کی کوشش کی گئی تو اسے برداشت نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ان دونوں خانقاہوں سے سنیت کا وقار قائم ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت ایک عظیم سچائی ہے اس سچائی کو سینے سے لگائے رکھئے اور یہی راہ نجات اور صراط مستقیم ہے اور اسی میں دارین کی بھلائی کا راز پنہاں ہے، جو لوگ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو حرف تنقید بنا رہے ہیں وہ اپنی تباہی کو دعوت دے رہے ہیں، اس سے پہلے بھی کچھ لوگ مسلک اعلیٰ حضرت کو حرف تنقید بنا چکے ہیں ان کا حشر سب کے سامنے ہے، رب کائنات ہم سب کو اپنے اسلاف کی ڈگر پہ چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

جماعت اہلسنت زندہ باد۔ مسلک اعلیٰ حضرت پائندہ باد۔

فقط

دعاؤں کا طالب

فقیر سید غیاث الدین قادری

سجادہ نشین خانقاہ محمدیہ کالپی شریف وخانقاہ سلطانیہ چوڑا شریف

سجادہ نشین خانقاہ محمدیہ کالپی شریف

حضرت مولانا سید شاہ اویس مصطفیٰ قادری

اعلیٰ حضرامام احمد رضا حنفی، قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والاصفات یقیناً، حتماً تاریک راہوں میں بھٹکنے والوں کیلئے چراغ منزل ہے اور انشاء اللہ رہے گی. آپ کی ذات اللہ کریم اور حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں محبوب ومقبول ہے. آپ نے عالم اسلام کی عموماً اور مسلمانان برصغیر ھند پاک کی خصوصاً نا خدائی کا جو فریضہ انجام دیا ہے اور عشق رسول ﷺ کی تشہیر وتبلیغ میں جو سعی مسلسل کی ہے اس کی مثال دور دور تک نظر نہیں آتی آپ کی اقتدا میں امن و عافیت اور دارین کی سلامتی ہے۔ آپ کی تعلیمات، ارشادات، وپیغامات میں اسلام کے صاف ستھرے چہرے کو بہتر طریقے سے دیکھا جا سکتا ہے، آپ نے اسلام کے چہرے پہ کسی طرح کے داغ دھبے کو دیکھنا کبھی قبول نہیں کیا، آپ کی ذات اپنوں کیلئے سائبان رحمت تھی اور حق سے انحراف کرنے والوں کیلئے شمشیر حیدری آپ نے ناموس رسالت سے الجھنے والواں کو کبھی معاف نہیں کیا، آپ کے قلم نے احکام شرع کے نفاذ میں اپنے اور غیر کی کبھی تمیز نہیں کی، تاجدار بغداد حضور سیدنا غوث پاک کا دست کرم ہر وقت آپ کے سر پہ سایۂ فگن رہا. سلسلہ قادریہ کی ترویج میں آپ کے تجدیدی رول سے انکار بہت مشکل ہے. آپ صرف نشۂ قادریت ہی سے سرشار نہیں تھے بلکہ دوسرے سلاسل (سلسلہ چشتیہ، نقشبندیہ اور سہرودیہ) کے احترام وعقیدت کا چراغ بھی آپ کے دل میں پورے طور پر روشن تھا. اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ مذاھب اربعہ اور سلاسل اربعہ کا نچوڑ مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

ہم اہل سنت وجماعت، حنفی المذہب ہیں، ملکی حالات کو دیکھتے ہوئے کچھ باطل جماعتوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے اپنی پیشانی پر اہل سنت وجماعت کا لیبل چسپاں کرلیا بلکہ قادری، چشتی، نقشبندی، اور سہروردی، سے خود کو متعارف کرانے لگیں ایسے حالات میں صحیح حنفی اور صحیح سنی کی شناخت کا مسئلہ شدت سے محسوس کیا جانے لگا تو اس وقت کے علماء ومشائخ نے انتہائی غور وخوض کے بعد مسلک اعلیٰ حضرت کا انتخاب فرمایا، اب وہی سنیت وحنفیت قابل قبول ہوگی جس پر مسلک اعلیٰ حضرت کی مہر لگی ہو. یہ بات ذہن میں رہے کہ اعلیٰ حضرت حنفی تھے اور تا حیات حنفیت کے فروغ میں مصروف رہے۔ اس لئے ہم اسی حنفیت کے پابند ہیں جس کی ترویج وتشہیر میں اعلیٰ حضرت نے اپنا خون وجگر جلایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی حیات کا ہر ورق ہمارے لئے قابل احترام ولائق تعظیم ہے۔ آپ

سجادہ نشین خانقاہ قادریہ چشتیہ بلگرام شریف

نے ہمارے ایمان وعقیدے کو باطل کی ہر آمیزش سے بچایا ہے میں فاتح بلگرام حضور سیدنا میر محمد صغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جد اعلیٰ سادات بلگرام ومارہرہ کی مسند سجادگی سے پورے وثوق کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ دارین میں عافیت اسی کونصیب ہوگی جو مسلک اعلیٰ حضرت کا سختی کے ساتھ پابند ہوگا اور جو مسلک اعلیٰ حضرت سے اپنے دل میں کدر رکھے گا وہ ان شاء اللہ دنیا وآخرت میں ذلیل و خوار ہوگا۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح اعلیٰ حضرت سے جڑے رہنے کی مضبوط کڑی ہے۔ اس کے ٹوٹنے کے بعد آزاد خیالی کی سرحدیں شروع ہوجاتی ہیں جس کا ادنیٰ زرر روحانی دستگیری کا ختم ہوجانا ہے۔ ہمارے مریدین متوسلین اور معتقدین ہماری اس تحریر کو اپنے لئے راہ عمل بھی بنائیں اور پیغام عمل بھی۔

رب کائنات ہم غربائے اہلسنت کو مسلک اعلیٰ حضرت پہ قائم ودائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فقط

والسلام

فقیر سید اویس مصطفیٰ قادری

سجادہ نشین خانقاہ محمدیہ چشتیہ بلگرام شریف

۲۳ر محرم الحرام ر۱۰ر جنوری ۲۰۱۰

حضرت مولانا مفتی سید اولاد رسول قدسی

مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی اللہ کا محبوب وپسندیدہ دین ہے،قرآن حکیم اور احادیث سے اس کی بھرپور توثیق ہوتی ہے،اس سلسلے میں فرمان الٰہی ہے۔ان الدین عند الله الا سلام۔ بےشک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

عہد صحابہ کے بعد جب اسلام کے نام پر باطل فرقے وجود میں آئے اور وہ اسلامی اقدار وروایات کے لئے خطرہ بن گئے تو اہل حق کو باطل سے ممتاز کرنے کے لئے اہل سنت وجماعت کی اصطلاح سامنے آئی۔اس اصطلاح کے سامنے آجانے کے بعد اہل حق اسی سے متعارف ہونے لگے اور یہ اصطلاح اہل حق کی علامت سمجھی جانے لگی .اس اصطلاح کے بانی حضور سیدنا ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالی عنہ ہیں اشعری اور ماتریدی بھی اہل سنت وجماعت ہی کے ہم معنی ہے علامتی اعتبار سے .آج بھی دنیا میں اہل حق اشعری وماتریدی کا استعمال کرتے ہیں .عرب دنیا میں یہ دونوں اصطلاحیں بکثرت بولی جاتی ہیں۔عرب دنیا میں اہل سنت وجماعت خود کو صوفی سے بھی متعارف کراتے ہیں .جس طرح برصغیر ہندوپاک میں اہل حق کو بریلوی کہا جاتا ہے .اسی طرح عرب دنیا میں اہل حق کو صوفی کہا جاتا ہے .یعنی اہل حق مختلف زمانوں میں مختلف علامتوں سے پہچانے گئے ہیں۔اہل حق کی اصطلاحیں سامنے آتی رہی ہیں اگر کوئی اہل حق پر گمرھی کا لیبل لگاتا ہے تو اہل حق کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی حقانیت کو واضح انداز میں ثابت کرے نہ یہ کہ اپنے علامتی نشان ھی سے دست بردار ہو جائے .ایسے شخص کو آبادی میں رہنے کا حق ھی نہیں ہے۔

تاریخ شاھد ہے کہ دنیا میں جب بھی اعتزال، انتداد اور گمرہیت کی تیز وتند آندھیاں چلی ہیں تو اللہ تبارک وتعالی نے ان آندھیوں کا رخ موڑنے کے لئے اور حق کو واضح وغالب کرنے کے لئے اپنے محبوب بندوں کو بھجتا رہا ہے، یہی نظام قدرت ہے اور قیامت تک یہی نظام جاری رہے گا چنانچہ جب یزیدیت نے سر اٹھایا تو حسین ابن علی رضی اللہ عنھما کو بھیجا گیا، جب اعتزال نے سر اٹھایا تو حضرت ابوالحسن اشعری وامام ابومنصور ماتریدی کو بھیجا گیا، جب دین الٰہی کے نام پر اکبر نے اسلام کی شبیہ کو خراب کرنے کی کوشش کی تو مجدد الف ثانی کو بھیجا گیا، اور جب وہابیت ودیوبندیت اور اس کی ذیلی شاخیں اسلامی معمولات ومراسم پر حملہ آور ہوئیں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو بھیجا گیا۔

اعلی حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں اسلام کے نام پر بکثرت فرقے اور جماعتیں برساتی مینڈک کی طرح ابھر آئی تھیں۔ اعلی حضرت نے سب کو بے نقاب کیا اوران کی اسلام مخالف حرکتوں کو ہر طرح سے طشت از بام کر دیا۔ پھر بھی باطل جماعتیں اپنے نام بدل بدل کر اہل حق کو دھوکا دینے لگیں تو علماء اہل سنت نے باطل کی ریشہ دوانیوں سے اہل حق کو بچانے اورممتاز کرنے لئے مسلک اعلیٰحضرت کی اصطلاح کو وجود بخشا،

اصطلاح مسلک اعلی حضرت علماء مشائخ کا انتخاب بھی ہے اور اتفاق بھی، اس اصطلاح کورواج دینا اور اسے سینے سے لگا کر رکھنا وقت اور حالات کا اہم تقاضا ہے، جب تک لوگ مسلک اعلی حضرت کے اصول پر عمل کرتے رہیں گے بد مذہبیت وگمرھیت ان کے قریب نہ آنے پائے گئی۔ جو جماعت اہل سنت کا خیر خواہ ہوگا وہ اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت سے احتراز نہ کرے گا اسی لئے مکہ مکرمہ کے موقر عالم دین حضرت سید محمد علوی مالکی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

" نحن نمعرفه بتصنيفاته وتا ليفاته حبه علاته السنة وبغضه علامته البد عة "

"یعنی امام احمد رضا بریلوی سے ان کی تصنیفات وتالیفات کے مطالعہ کے ذریعہ ہم لوگ اچھی طرح واقف ہیں کہ ان کی محبت سنت کی علامت اوران سے بغض بدعت کی علامت ہے۔" (پیغام رضا خصوصی شمارص ۱۵۵ر مارچ ۲۰۰۷)

رب کائنات ہم اہل سنت و جماعت کومسلک اعلی حضرت سے جڑے رہنے اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات، ارشادات وپیغامات کو زیادہ سے زیادہ وعام وتام کرنے کی توفیق بخشے آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

غدائے کوچۂ حبیب

اولادرسول قدسی

۲۷ دسمبر ۲۰۱۰

جانشین مفسر اعظم ہند حضرت مولانا منان رضا منانی صاحب

حقیقت میں ہم اہلسنت و جماعت ہیں، ہمارے آبا و اجداد تا حیات مراسم اہلسنت و معمولات اہلسنت کی ترویج و تبلیغ کرتے رہے اور خانوادۂ رضویہ آج بھی اپنے اجداد کے طریقۂ حسنہ کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے اور اپنی طاقت کے مطابق معمولات اہلسنّت پر عمل بھی کرتا ہے۔ اور دوسروں کو عمل کی دعوت بھی دیتا ہے لیکن ہمارے جد کریم رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشق صادق بلکہ عشاق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی آل رسول نے مراسم اہلسنّت کی حفاظت وصیانت میں جو قائدانہ رول ادا کیا اسے دیکھتے ہوئے مذہبی دنیا میں ہمارا تعارف بریلوی سے ہونے لگا یہ نام درحقیقت عقیدت کی پیداوار نہیں ہے لیکن اب یہ نام عقیدت اور حقیقت سے جڑ گیا ہے کہ، بعض لوگوں نے یہ نام دے کر ہمیں اسلام سے منحرف فرقہ قرار دینے کی کوشش کی اور بڑے پیمانے پر اس کی تشہیر بھی کی گئی اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے اور جاری رہے گا اس سلسلے میں ہماری مخالفت کوئی اثر نہیں دکھا پائے گی یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جو لوگ معمولات اہلسنت کے سختی کے ساتھ پابند ہیں انہیں کو بریلوی کہا جاتا ہے اور سچ یہ ہے کہ حق کہا جاتا ہے جو لوگ اس لفظ کی مخالفت میں اپنی توانائی صرف کر رہے ہیں انہیں اپنی توانائی کو دین کے دوسرے امور پر لگانے کی ضرورت ہے، دین کے اور بھی بہت سارے مسائل ہیں جو توجہ طلب ہیں۔

میں خانوادۂ رضویہ کا ایک فرد ہونے کے ناطے ذمہ داران جماعت اہلسنت و حامیان مسلک اعلیٰ حضرت سے اپیل کرتا ہوں کہ اس وقت جماعتی اتحاد پر خصوصی توجہ دی جائے فروعی مسائل کو اٹھانا اور غیر ضروری مسائل کو اہمیت دینا حالات کے منافی ہے جو لوگ روٹھے ہوئے ہیں انہیں منایا جائے جو لوگ جماعتی دھارے سے الگ ہونے کی کوشش کر رہے ہیں انہیں جماعت سے جوڑنے کی معقول راہیں تلاش کی جائیں، دور حاضر میں اعلیٰ حضرت کے فکر کی اہمیت کیا ہے بتایا جائے، عصری دانش گاہوں تک اپنی آواز پہنچائی جائے۔ کیا اعلیٰ حضرت کی فکر سے دوری ہماری جماعتی شناخت پر اثر انداز نہ ہوگی؟ اس سے الگ ہو کر ہم اپنا مذہبی تشخص بچا پائیں گے۔ اس طرح کے اور بھی بہت سارے چیختے ہوئے سوالات ہیں جو بہت سارے ملی درد رکھنے والوں کے ذہنوں میں پرورش پا رہے ہیں وقت اور حالات اکابر علما و مشائخ کو آواز دے رہے ہیں کہ وہ اپنی خلوت گاہوں سے باہر آئیں اور جماعت کے ٹوٹتے، کپکپاتے وجود کو سہارا دیں۔ اگر غور و فکر کرنے میں تاخیر ہوئی تو یقین جانئے کیا سے کیا ہو جائے گا۔ بھیڑیئے تاک میں ہیں اہلسنت کی بھولی بھیڑوں کو درندوں کے حملوں سے بچائیں۔ اعلیٰ حضرت کے لگائے ہوئے گلشن پر پھر برا وقت آن پڑا ہے۔ اگر یہ گلشن تباہ ہو گیا تو آنے والی نسلیں ہمیں کسی قیمت پہ معاف نہیں کریں گی۔

ہمیں یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ پیغام رضا ممبئی بہت دنوں سے اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترجمانی کے فرائض سرفروشانہ انداز میں انجام دے رہا ہے۔ رب کائنات رفقائے ادارہ کے بازوؤں میں فولادی قوت عطا فرمائے اور اس کی اشاعت کے تسلسل کے لئے معقول سبیل پیدا فرمادے آمین۔

کوچۂ رضا کا جاروب کش

فقیر منان رضا منانی

بانی و سربراہ جامعہ نوریہ بریلی شریف

حضرت مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب حبیبی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبقری، آفاقی اور عالمی شخصیت کے مالک تھے۔ان کی ولادت بریلی شریف کی سرزمین پر ہوئی، انہوں نے اپنے والد ماجد کے زیر سایہ تعلیم وتربیت کے مراحل طے کئے اور بعض علوم دوسرے اساتذہ سے بھی حاصل کئے کچھ علوم خداداد ذہن اور مطالعہ سے خود بھی حاصل کئے اور تیرہ سال ۱۰ ر ماہ ۵ ر دن کی قلیل مدت میں تمام مروجہ علوم د فنون سے فراغ پایا اسی سال مسند افتاء وارشاد پر بٹھا دیے گئے، ان کے حالات زندگی کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا سراپا علم، عمل اور عشق کے خمیر سے تیار ہوا تھا۔ وہ ساری زندگی علم کی ترویج، عمل کی تبلیغ اور عشق کی تشہیر کرتے رہے۔ان کی تالیفات وتصنیفات میں معلومات وتحقیقات کا جو جوہر گرانمایہ ملتا ہے اس کی مثال سے صدیاں خالی ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تباہ حال، پریشان حال اور منتشر مسلم معاشرے کو منظم اور مربوط کیا ہے، انہوں نے تابناک مسلم معاشرے کا قابل عمل اشاریہ بھی تیار کیا ہے۔انہوں نے زندگی کے تمام شعبوں کیلئے رہنما اصول بھی چھوڑے ہیں، انہوں نے مصائب ومشکلات سے نمٹنے کی راہیں بھی بتائی ہیں، وہ تاحیات قوم مسلم کی فیروزمندی کے لیے جد وجہد کرتے رہے ان کی جد وجہد ہی کا نتیجہ ہے کی آج برصغیر ھند وپاک کا مسلم معاشرہ اپنی شناخت کیساتھ زندہ ہے۔ انہوں نے رشد وہدایت کے جو چراغ روشن کئے ہیں ان چراغوں کی لو تیز کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام متحد ہوکر کرنا ہوگا، ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم ذاتی مفاد اور گروھی عصبیت کے شکار ہیں۔ہمیں ذاتی مفاد اور گروھی عصبیت کے حصار سے باہر آنا ہوگا، خانقاہیں اور درسگاہیں اپنی آپسی دوریاں کم کریں اور اعلیٰ حضرت نے جو چراغ مصطفوی روشن کیا ہے اس چراغ کو ہر گھر کی دہلیز پہ روشن کریں تاکہ شرار بولہبی کا دنیا سے خاتمہ ہوجائے۔

خانقاہِ قادریہ، رضویہ، حبیبیہ، دھام نگر شریف کا خانقاہِ عالیہ، قادریہ، رضویہ بریلی شریف سے بڑا گہرا رشتہ ہے، ہمارے آقائے نعمت مرشد گرامی حضور مجاہد ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ خانقاہِ عالیہ، قادریہ، رضویہ کے ایک پر جوش سپاہی کے طور پر خود کو پیش کیا۔فکر رضا، تحریک رضا اور مشن رضا کی تبلیغ وترویج ہی ان کی حیات کا مطلوب ومقصود تھا، آپ رئیس ہی نہیں بلکہ رئیس اعظم اڑیسہ تھے

متولی وسجادہ نشیں خانقاہ قادریہ، رضویہ، حبیبیہ دھام نگر شریف (اڑیسہ)

مسلک رضا کے نور سے دلوں کو روشن کرنے کے لیے آپ نے اپنی پوری ریاست وامارت کو قربان کر دیا۔قدرت کی جانب سے آپ کو قربانی کا بے پناہ جذبہ میسر آیا تھا۔ماضی قریب کی اکابر شخصیات میں ہر شخصیت اپنا جدا گانہ مقام رکھتی ہے۔ہم اپنے اکابر کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتے ہیں اور ان کے قدموں کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ تصور کرتے ہیں لیکن ان میں حضور مجاہد ملت کے مخصوص امتیازات ہیں،آپ نے حق کے سامنے باطل کو کبھی سر بلند ہونے نہیں دیا،طاقت کے سامنے جھک جانا یہ انسان کی مجبوری ہے۔بڑے بڑے صاحب کروفر طاقت کے آگے مصلحت کا خول اڑھ لیتے ہیں مگر حضور مجاہد ملت نے طاقت کے آگے کبھی جھکنا نہیں سیکھا تھا،انہوں نے اپنے ملک ہی میں نہیں بلکہ دیار غیر میں بیٹھ کر مسلک رضا کے نفاذ کے لیے جس جرأت وہمت کا مظاہرہ کیا ہے وہ تاریخ کا ایک نا قابل فراموش باب ہے،ان کے سینے میں مذہب ومسلک کا جو درد تھا اس درد نے انہیں کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ان میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ درد بانٹتے نہیں تھے بلکہ درد خرید تے تھے،وہ تا حیات اعلیٰ حضرت مسلک اعلیٰ حضرت اور فکر اعلیحضرت کی ترویج میں ہمہ تن مصروف رہے،اللہ تعالیٰ بطفیل حبیب اعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں ان کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے،آمین۔

''پیغام رضا'' اعلیٰ حضرت،مسلک اعلیٰ حضرت کی خوب تر جمانی کر رہا ہے۔سمت سفر درست اور قابل تقلید ہے اس لیے ہم خانقاہ قادریہ،رضویہ،حبیبیہ کے مریدین،متوسلین،معتقدین سے اپیل کرتے ہیں کہ ''پیغام رضا'' کا مطالعہ کریں،عمل کریں اور اس نیک تحریک کو آگے بڑھانے میں پر خلوص تعاون کریں ہماری نیک دعائیں اور پر خلوص تمنائیں پیغام رضا کے ساتھ ہیں۔

فقط

فقیر سید غلام محمد حبیبی

سجادہ نشین ومتولی خانقاہ حبیبیہ رضویہ دھام نگر شریف

۱۷ر جولائی ۲۰۰۹ء

پروفیسر انجم کمالی

اسلام دنیا کی ایک عظیم سچائی ہے، اس عظیم سچائی سے الجھنے کی ہر زمانے میں کوششیں ہوئی ہیں خود عہد رسالت وعہد صحابہ میں منافقین، مشرکین، اور منکرین کی جماعتیں تھیں جن کی ہر وقت کوشش رہتی کہ شجر اسلام کی بڑھتی اور پھیلتی شاخوں کو مسل دیا جائے۔ لیکن درسگاہ نبوت ورسالت سے تربیت یافتہ صحابہ کی جماعت نے باطل کے ناپاک ارادوں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا۔ صحابہ کی جماعت نے اپنے مال، اپنی جان اور اپنے خون سے اسلامی اقدار وروایات کے چمن کو لالہ زار بنائے رکھا؛ صحابہ کرام کو بارگاہ رسالت سے جو امانتیں ملی تھیں ان امانتوں کو انہوں نے دوسروں تک پہنچایا۔ ان کے انداز ترسیل میں اتنی کشش تھی کہ جو ان کے قرب کی لذت پاتا وہ اپنا دل ان پاکباز شخصیات کے قدموں میں ڈال دیتا، یہی وجہ ہے کہ اسلام برقی لہروں کی طرح پھیلتا گیا اور بہت کم مدت میں دنیا کا بیشتر حصہ اسلامی قلم رو میں شامل ہو گیا۔

صحابہ کرام نے قربانی کا جو جذبہ اور دعوت وارشاد کی جو راہیں متعین کی تھیں ان کے پس رو مبلغین و مصلحین امت ان راہوں سے ہٹے اور نہ انہیں مسدود ہونے دیا۔ وقتی طور پر رکاوٹیں آئیں اور الجھنوں کا غبار گہرا ہوا لیکن جذبات کی طلاطم خیزی میں کبھی کوئی فرق نہ آیا، کربلا آزمائش کا معیار ہوتا ہے. کربلا کی سرزمین پر اسلامی جاں فروشوں کے سروں کو اچھلتے ہوئے تو دیکھا گیا ہے لیکن سروں کو خم ہوتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا کرب وبلا سے گزرنے والوں نے اپنی کائنات کو لٹا دی ہے لیکن اسلاف سے ملی ہوئی امانتوں میں کبھی کسی قسم کی خیانتوں کو قبول نہیں کیا۔

اسلامی اقدار وروایات کو تحفظ دینے والوں کا ایک طویل سلسلہ ہے اسی سلسلے کی ایک اہم اور نمایاں کڑی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ذات گرامی ہے آپ کو اپنے اسلاف سے جو امانتیں ملی تھیں انھیں بہتر طور سمجھا پر اور انہیں درپیش خطرات سے بچانے کی پائیدار راہیں متعین کیں، آپ کا پورا وجود عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نشے میں سرشار تھا اور آپ پوری دنیا کو اسی عشق کا بیمار دیکھنا چاہتے تھے، عشق رسول ہی میں دارین کی فیروزمندیوں کا راز پنہاں ہے. بارگاہ رسالت میں آپ کی وارفتگی کو دیکھتے ہوئے آپ کے عہد کے علماو مشائخ نے آپ کی ذات کو معیار سنیت قرار دے دیا اس طرح مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح سامنے آئی. مسلک اعلیٰ حضرت ہماری جماعتی شناخت ہے اس شناختی نشان کو بچائے رکھنا ہمارا ملی واخلاقی فریضہ ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت حق وباطل کے درمیان نشان امتیاز ہے اور انشاء اللہ یہ امتیاز قیامت تک قائم رہے گا! اب جو اس امتیازی نشان کو مٹانے کی کوشش کرے گا اسے کسی قیمت پر جماعت اہل سنت کا خیر خواہ نہیں کہا جائے گا.

ہماری دعا ہے کہ رب کائنات ہمیں مسلک اعلیٰ حضرت کے سایۂ رحمت میں زندگی گزارنے کی توفیق بخشے اور پیغام رضا کی ٹیم کو ہمہ دم تازہ دم رکھے تاکہ سچائیوں کا دم گھٹنے نہ پائے آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

پوکھریرا سیتامڑھی بہار

حضرت مولانا محمد امام الدین قادری

فخر رضویت نازش فکر وفن محب گرامی وقار مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب قبلہ

سلام ومسنون

بعد تحیت وسلام، عرض تحریر یہ ہے کہ آپ کی کاوشیں دن بدن اللہ کے فضل سے اور حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فیضان کر
سے ترقی کی راہوں پر گامزن ہیں جس کی تابندہ مثالیں نظروں کے سامنے ہیں کہ معاندین، مخالفین اور حاسدین مسلک اعلیٰ حضرت
ایسے روپوش ہوئے کہ ابھی تک کچھ نہ جواب دے سکے اور انشاء اللہ نہ رہتی دنیا تک جواب دینے کی جرأت کر پائیں گے۔

پیغام رضا کے قارئین سے معلوم ہوا کہ بعض ناعاقبت اندیش طلباء اور علماء آپ کو سب وشتم کر رہے ہیں اور باعث تفریق اہلسنّت
وجماعت کہہ رہے ہیں۔ خیر یہ سلسلہ تو ہمیشہ سے چلتا رہا ہے اور آئندہ بھی چلتا رہے گا کہ حق کی مخالفت ہر دور میں کی گئی ہے اور رہ
بات سب وشتم کی تو ہر زمانے میں صدائے حق بلند کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی ناروا سلوک کیا گیا ہے اور کیا جاتا رہے گا۔ لیکن ہزار
سلام ان پاکبازوں کی ہمت وشجاعت کو جن کی حق بیانی میں ذرہ برابر بھی کبھی جنبش نہیں آئی اور وہ اسی آب وتاب کے ساتھ ابر حق بن
کر برستے رہے۔ لہٰذا آپ سے مخلصانہ عرض ہے کہ آپ قطعی گیدڑ کی بھبھکیوں سے کبیدہ خاطر نہ ہوں اور نہ یہ محسوس کریں کہ آپ اس
میدان میں یکہ وتنہا ہیں، بلکہ آپ کے ساتھ بزرگوں کے فیوض وبرکات اور علمائے حق کی جماعت شانہ بشانہ ہے، آپ اسی برق
رفتاری کے ساتھ اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں۔

آپ کو یہ خوش خبری دے دوں کہ عرب دنیا میں بریلویہ کے تعلق سے جو فضا اغیار نے بنا رکھی ہے اور حق جماعت کے اوپر جھوٹ
کی ایسی دبیز چادر ڈال دی ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ حق باطل ہے اور باطل حق ہے اسی لیے تو کسی نے کہا ہے کہ کسی بات کو سچ ثابت کرنے
کے لئے اتنی کثرت سے جھوٹ بولو کہ لوگ اسے سچ سمجھنے لگیں۔ دیوبندی وہابی قوم کا یہی حال ہے اور انہوں نے اس حربہ کو اپنا تشخص
ہی بنا رکھا ہے اور اسی وجہ سے وہ ہمیں ہر جہت سے بدنام کرنے کی ناکام سعی میں دن ورات مصروف ہیں، خواہ وہ کتابوں یا تقریروں یا
انٹرنیٹ کے توسط سے ہو، لیکن ہمارے اسلاف کرام الحمد اللہ ہر جہت سے جواب دیئے ہیں اور دیتے رہیں گے۔ اب ہم انٹرنیٹ کی
دنیا سے دور نہیں ہیں جب تک تھے تب تک تو دشمنوں نے اس کا

خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور ہماری شبیہ کو انٹرنیٹ کی دنیا میں بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔خاص کر عربی زبان والی سائٹس پہ تو ہمیں محض ایک گمراہ فرقہ سے متعارف کرا یا گیا ہے۔لیکن دیر آید درست آید،ہم چند ساتھیوں نے مل جل کر ایک ویب سائٹ WWW. ALBARELWIA-COM کے نام سے لانچ کئے ہیں جو عربی اور انگلش زبان میں ہے جس میں بریلویہ کا حقیقی تعارف اور اس کا پس منظر مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے اور جو بھی اعتراضات ہیں ان کا مفصل جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے اور علمائے اہلسنت کے عقیدہ پر مشتمل کتابوں کی ڈاؤنلوڈنگ کا بھی مفت انتظام ہے۔جو اس میدان کے خلاء کو حتی الامکان پر کر رہا ہے اور طالب حق،دیانتدار و منصف مزاجوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔اور بریلویہ کے متعلق پھیلائے گئے پروپگنڈہ کی عقدہ کشائی کر رہا ہے۔لہٰذا اب ضرورت ہے کہ اس ویب سایٹ کی لنک LINK کو زیادہ مذہبی سے زیادہ دنیا میں پھیلایا جائے تا کہ سالوں کی کمیوں کو مہینوں میں سمیٹا جا سکے۔آپ ہماری کاوشوں کو سائٹ پہ بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آپ کو بدنظروں کی بدنظری سے بچائے اور مسلک اعلیٰحضرت کی ترویج و اشاعت کی خوب خوب توفیق بخشے۔آمین ثم آمین۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

(محمد امام الدین قادری جامعہ ازہر شریف قاہرۃ مصر)
Email: Md Imamuddin Quadri Yahoo.com
Website: WWW.ALBARELWAIA.COM

حضرت ومولانا محمد مسعود رضا قادری

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہ ہو گا کہ برصغیر ہندو پاک میں آج جو سنت کی فصلیں لہلہاتی ہوئی نظر آرہی ہیں یہ اعلیٰ حضرت امام سنت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کی بے لوث قربانیوں کا نتیجہ ہے، آپ نے آخری سانس تک اپنے ناموس کی پرواہ کیے بغیر ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وصیانت میں کوئی کسر نہیں چھوڑ، آپ نے باطل کے ہر حملے کا ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ اس کا ہر وار نا کام ہو کر رہ گیا، آج کیا صبح قیامت تک آپ کی دینی ملی اور علمی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس حقیقت سے وہی انکار کریگا جس کا ذھنی توازن یا تو برقرار نہ ہو یا اس کے سینے میں میں تعصب وحسد کی آگ سلگ رہی ہو۔

اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد زریں سے لیکر عہد حاضر تک کے تمام اکابر علما مشائخ نے نہ صرف یہ کہ آپ کے احسانات کا بصمیم قلب اعتراف کیا بلکہ آپ کے نقوش قدم پر چلنا اپنے لئے مایۂ افتخار اور بقائے ایمان کا ضامن سمجھا اور اپنے مریدین، معتقدین اور متوسلین کو تادم حیات مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے رہے۔ اگر کوئی بدعقیدہ یا بد مذہب اعلیٰ حضرت کی ذات یا ان کے مسلک ومشرت پر شب خون مارنے کی کوشش کرے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ بلکہ حیرت اس بات پہ ہےکہ آج اپنے کہے جانے والے لوگ آپ کی ذات اور آپکے مسلک ومشرب کو نشانہ بنانے پر آمادہ ہیں۔

تاریخ میں اس بات کی بکثرت شہادت ملتی ہے کہ جب کسی نے گھر کا بھیدی لنکا ڈھانے کا روپ اختیار کیا ہے یا بلفظ دیگر اپنوں میں رھکر نفاق کے بیج بونے کی ناپاک کوشش کی ہے تو اسے ہمارے اسلاف نے کبھی نہیں بخشا بلکہ اس کا شدت سے تعاقب کیا اور اس کے ناپاک حربوں کو کبھی کامیاب نہ ہونے دیا، ہمارے اسلاف نے فسادی عناصر کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے یہ نہیں دیکھا کہ فسادی کون ہے؟ اپنا یا بیگانہ، چونکہ فسادی عناصر دین وایمان کے لئے پوائزن ہوتے ہیں جو پورے معاشرے کو زہر آلود کرنے کی کوشش میں ہمہ وقت مصروف ہوتے ہیں مصلحین امت کو ہر وقت ان پر کڑی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ بنا بنایا ماحول لمحوں میں خراب ہو جاتا ہے اور برسوں کی محنت دیکھتے ہی دیکھتے برباد ہو جاتی ہے ہمارے

اسلاف نے اور ماضی قریب کے اکابر وعلماء ومشائخ نے جماعت اہلسنت کی وتعمیر وترقی اور اس کی ترویج واشاعت میں جو

قربانیاں پیش کی ہیں اسے وقتی اور جذباتی فیصلے کا نام دیا جارہا ہے نتیجہ کے طور پر جماعت کا اتحاد ٹوٹ رہا ہے اور اس کی چادر عظمت کے تار و پود بکھر رہے ہیں ایسے نازک حالات میں صرف پیغام رضا ہے جو صدائے احتجاج بلند کر رہا ہے اس کے ساتھ ملک کے دوسرے اخبار و رسائل بھی مذہبی ذمہ داری کا احساس کرتے تو فتنہ پرور عناصر کے لئے ملک کی زمین تنگ ہو جاتی، عہد حاضر کے بعض علماء مشائخ بھی ساحل پر تماشائی بنے کھڑے ہیں نہ جانے وہ کس وقت کا انتظار کر رہے ہیں اور انہیں اپنی ذمہ داریوں کا کب احساس ہوگا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کر سر دے پٹکوں چل رے مولیٰ والی ہے

یہ سچ ہے کہ اس وقت پیغام رضا نہ ہوتا تو ایک سچائی مشکوک ہو جاتی آپ نے ایک سچائی کے چہرے پہ دھول ڈالنے کی کوشش کو ناکام بنا دیا ہے، یقیناً آپ نے تاریخی جرات و ہمت کا ثبوت دیا ہے۔آپ اپنے حوصلے کو جوان رکھیں اللہ کی رحمت اور بزرگوں کا فیضان آپ کی دستگیری کرتا رہے گا:

سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے

ہم خدائے قادر قیوم سے دعا گو ہیں کہ وہ اپنی تائیدات سے آپ کو نوازے اور پیغام رضا کے سلسلۂ اشاعت کو جاری رہنے کی معقول سبیل پیدا فرمادے .احباب ادارہ سے سلام عرض کریں۔

محمد مسعود رضا قادری

الجامعۃ الرضویہ بیل بازار کلیا ممبئی مہاراشٹر۔

قاضی شہر بنارس مفتی غلام یٰسین مصاحی رضوی سے ایک ملاقات

مولانا انیس عالم سیوانی

قاضی شہر بنارس، خلیفہ حضورمفتی اعظم ہند، حضرت مولانا مفتی حافظ غلام یٰسین صاحب رضوی مصباحی بن حافظ محمد یوسف صاحب سربراہ مرکز الثقافۃ السنیہ والادارۃ الشریعہ ہی ۶۳/۱۷ تلبھنڈ یشورپارک بنارس سے مولانا انیس عالم سیوانی نے جماعت اہل سنت کے سلگتے مسائل پربات کی۔ ذیل میں قارئین پیغام رضا ممبئی کے افادہ کے لئے مولاناسیوانی کے سوالات اور قاضی شہر بنارس کے جوابات ہم پیش کررہے ہیں۔ ——رحمت اللہ صدیقی

حضرت علامہ مولانامفتی غلام یٰسین صاحب رضوی قاضی شہر بنارس کی پیدائش ۹/ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۸ء بنارس میں ہوئی، آپ نے مکمل تعلیم الجامعۃ الحمیدیہ الرضویہ بنارس میں حاصل کی، آپ کی کوششوں سے حضرت علامہ سیدسلیمان بھاگلپوری اورحضرت علامہ قاضی شمس الدین رضوی جعفری جونپوری جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں بحیثیت اساتذہ تشریف لائے۔ ان اکابراساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا۔ ۱۹۵۸ء میں جامعہ حمیدیہ سے فراغت کے بعد جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لیااورایک سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۹ء میں فراغت حاصل کی، آپ کے رفقائے درس میں ابتدا سے اخیرتک جامع معقول ومنقول شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ حضرت علامہ مولانا عبدالشکور صاحب قبلہ اورمولانا ڈاکٹرشکیل گھوسوی جب کہ اساتذہ میں حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی، علامہ حافظ عبد الرؤف محدث بلیاوی علامہ قاضی محمد شفیع، مولانا خادم رسول علیہم الرحمۃ اوربحرالعلوم مفتی عبد المنان اعظمی محدث مبارکپوری صاحب ہیں۔

قاضی شہر بنارس نے ۱۹۶۰ء میں حفظ قرآن کا آغاز

کیااور اسی سال مکمل کرلیا۔ چالیس سال تک تراویح میں ختم قرآن فرمایا، تیس سال تک ساڑی کے کاروبار سے منسلک رہے، بنارس اوراطراف و جوانب میں تقریباً بیس دینی ادارے قائم کئے جو خدمت دین انجام دے رہے ہیں۔ اور بحمد للہ ان اداروں سے مسلک اعلیٰ حضرت کی بحسن وخوبی اشاعت ہورہی ہے۔ تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت سے سرفراز ہوئے اور مرشد کی جانب سے خلافت سے نوازے گئے، فی الحال مرکز الثقافۃ السنیہ والادارۃ الشرعیہ سے آپ کی سرپرستی میں افتاء وقضا کی دینی، شرعی اور مسلکی ذمہ داریاں بحسن تمام انجام دی جارہی ہیں، اللہ تعالیٰ علمائے اہل سنت کا سایہ ہم سب پر تادیر قائم رکھے اور مسلک اعلیٰ حضرت کا خادم بنائے آمین انیس عالم سیوانی لکھنؤ۔

سوال: کیا اعلیٰ حضرت تکفیر قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبٹھوی، اشرف علی تھانوی اور مرزا غلام احمد قادیانی میں منفرد ہیں؟

جواب: نہیں ایسا نہیں ہے۔ اس قسم کی بے سروپا باتیں صلح کلی قسم کے لوگ کیا کرتے ہیں یا پھر جن لوگوں نے فتاویٰ ''حسام الحرمین'' کا مطالعہ نہیں کیا ہے وہ کیا کرتے ہیں، مذکورہ علمائے دیابنہ و وہابیہ کی تکفیر کی تصدیق حرمین شریفین کے علما کے علاوہ ہند و پاک کے اکابر علما اور مشائخ نے کی ہے، جن میں کچھوچھہ شریف، بدایوں شریف، مارہرہ شریف اور اجمیر شریف کے اکابر قابل ذکر ہیں۔ جن لوگوں نے دیوبندی علما کی کفریات کے باوجود تکفیر سے احتراز کیا ان میں فرنگی محل، پھلواری شریف بہار اور جامعہ اشرفیہ کے سابق مدرس ظفر ادیبی مبارکپوری ہیں۔ جنہوں نے ''حسام الحرمین'' کی تصدیق نہیں کی اسی سبب سے انہیں جامعہ اشرفیہ سے الگ ہونا پڑا بلکہ یوں کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ پوری جماعت اہل سنت سے الگ ہونا پڑا اور زندہ رہتے ہوئے بھی زندہ دل لوگوں سے دور رہنا پڑا اور اسی حال میں اس دنیا سے گئے۔

اعلیٰ حضرت کے فتوے کی تصدیق نہ کرکے فرنگی محل فرنگیت اور پھلواری بد مذہبیت کا شکار ہوگیا۔ اس سے بڑا جھوٹا اور مکار کون ہوگا جو یہ کہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے فتوی تکفیر دیابنہ میں منفرد ہیں۔ کیا اس کے سامنے ظفر ادیبی کا حشر نہیں ہے یا علمائے حرمین شریفین کی تصدیقات نہیں ہیں؟

ایک عرصہ گذر گیا، علمائے دیوبند پوری طاقت اور زور صرف کرنے کے باوجود اپنے اکابر کے دامن سے کفر کا داغ نہ مٹا سکے آخر آج ان مستند مرتد وہابیہ کے حمایتی کہاں سے آگئے؟

سوال: علامہ فضل حق خیرآبادی نے بابائے وہابیہ اسماعیل دہلوی کی تکفیر کی اور اعلیٰ حضرت نے دہلوی کی تکفیر سے کف لسان فرمایا، اعلیٰ حضرت کے کف لسان کو دلیل بنا کر کیا اکابرین دیوبند کی تکفیر سے توقف کیا جاسکتا؟ اسی طرح اگر کوئی ''حسام الحرمین'' کی تائید نہ کرے تو کیا برائی ہے؟

جواب: علامہ فضل حق خیرآبادی اور اسماعیل دہلوی کا زمانہ ایک ہے، علامہ خیرآبادی نے بحث ومناظرہ کے ذریعہ اتمام حجت کیا اور پھر دہلوی کی تکفیر کی، دہلوی نے اپنی بدنام زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں انبیاء اور اولیا، ملائکہ کی شان میں نہایت درجہ کی گستاخیاں کیں، جس کا احساس اسے بھی تھا اور اس کی جماعت کے لوگوں کو بھی ہے اس لئے اس زمانے

کے بہت سارے علما ومفتیان کرام نے اسمعیل دہلوی کا رد لکھا، اوراس کی تکفیر کی، تقریریں کیں، مناظرہ کیا، علامہ خیرآبادی ان کے علاوہ بہت سارے مفتیان کرام نے فتوی کفر دیا۔

رہا یہ کہ اعلیٰ حضرت نے تکفیر دہلوی سے کف لسان کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے بھی اسماعیل دہلوی کی کفری عبارتوں کی نشاندہی کی اوراپنی کتاب ''تمہید الایمان'' میں جا بجا لکھا کہ دہلوی کی عبارتوں پرمتعدد وجوہ سے کفرلازم آتا ہے۔مگر دہلوی کی توبہ کی خبرمشہور ہوگئی تھی اس سبب سے احتیاطاً فاضل بریلوی نے کفرکلامی سے توقف کیا۔

لیکن اگر کوئی دہلوی کی تکفیر کرتا ہے علامہ فضل حق خیرآبادی اوراس دور کے مفتیان کرام کی اتباع میں تو اسے فاضل بریلوی نے منع بھی نہیں کیا اس لئے کہ اس کی عبارات کفریہ اس کی تکفیر کے لئے کافی ہیں، اعلیٰ حضرت کا یہی کف لسان تمام بدنہاد، متعصب ذہن مولویوں کے لئے جواب ہے جو کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے بات بات پرکفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے توقف کو دلیل بنا کر دیابنہ کی تکفیر سے منہ پھیرنا بدمذہبیت اور صلح کلیت کی دلیل ہے، اعلیٰ حضرت نے احتیاطاً کفرکلامی سے کف لسان کیا ہے اس لئے کہ دہلوی کی توبہ مشہور ہوچکی تھی اگرچہ غلط تھی لیکن اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اورمرزائے قادیان نے اپنی کفری عبارتوں سے توبہ نہیں کیا، سچی توبہ تو دوران کی جھوٹی توبہ کی بھی کوئی خبرنہیں بلکہ مذکورہ ملاعنہ خمسہ نے اپنی زندگی میں خود منہ زوری کی اوراپنی کفریات کوصحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اوران کے پیروکار آج بھی اپنے کفرپراوراپنے اسلاف کے کفرپرپردہ ڈالنے میں لگے ہیں۔

آج اگرکوئی دہلوی کے مسئلہ کولے کر''حسام الحرمین'' کی تصدیق سے انحراف کرتا ہے تو ہرگز ہرگز وہ سنی نہیں ہے بلکہ بدمذہب، گمراہ اور بددین ہے۔۔

سوال: کیا اعلیٰ حضرت کو ماننا ضروری ہے؟ اگرکوئی نہ مانے تو وہ اہل سنت سے خارج ہوگا؟

جواب: سوال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کو نہ ماننے کی آخرکیا وجہ ہے، جومسائل آپ نے بیان فرمائے ہیں انہیں کیا وہ صحیح نہیں مانتا ہے۔ اگرصحیح مانتا ہے تو یہی ماننا ہے اوراگراعلیٰ حضرت کے بیان کردہ عقائد وافکار کا مخالف ہے تو ضرور وہ بدمذہب اورخارج اہل سنت ہے۔

عرب وعجم کے علما نے تصریح فرمائی ہے کہ اس زمانے میں اہل حق کی پہچان امام احمد رضا کی ذات ہے، ان کا موافق اورمحبت کرنے والا اہل ایمان سے ہوگا اورمخالف بدمذہب گمراہ ہوگا، اس لئے کہ اعلیٰ حضرت نے وہی کیا جو اللہ ورسول کا فرمان ہے، آپ نے جن کا تعاقب کیا وہ خداو رسول کے دشمن ہیں۔

سوال: کوئی اگر یہ کہے کہ ہمیں بریلی کے اعلیٰ حضرت کی ضرورت نہیں آپ اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب: جس کو اعلیٰ حضرت کی ضرورت نہیں ہم اسے کہیں گے کہ ہم سنیوں کو اس کی ضرورت نہیں، یہ وہی کہہ سکتا ہے جو اعلیٰ حضرت سے بڑا ہو یا وہ کہے گا جو حاسد ومعاند ہوگا، زیادہ طویل گفتگو نہ کرکے اس کا سب سے مناسب جواب یہ ہے

کہ جب اعلیٰ حضرت اپنے پیرو مرشد خاتم الاکابر حضرت سید ی آل رسول احمدی مار ہروی سے بیعت ہوئے اس کے بعد سیدی آل رسول احمدی نے فرمایا کہ بڑی فکر تھی کہ اللہ کے ہاں کیا جواب دوں گا اب اطمینان ہو گیا اگر بروز حشر خدا نے پوچھا کہ آل رسول دنیا سے کیا لائے ہو تو کہہ دوں گا احمد رضا لایا ہوں۔ حضرت آل رسول احمدی فرمائیں کہ بروز محشر احمد رضا کو پیش کروں گا اب اگر کوئی کہے کہ ہمیں ضرورت نہیں ہے تو اسے خود اپنا احتساب کرنا چاہئے کہ وہ کس خانے میں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نہ وہ رضوی ہوسکتا ہے نہ امجدی نہ اشرفی اور برکاتی تو ہو ہی نہیں سکتا۔

سوال: کیا یہ درست ہے کہ اب سنی دیوبندی اختلافات کو بھول کر کلمہ اور اسلام کے نام پر سب کو متحد ہو جانا چاہئے؟

جواب: ہرگز نہیں بد مذہب و ہابیہ دیابنہ اپنے کفریات کے سبب کافر و مرتد اور یہود و ہنود و نصاریٰ سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

ان کے ساتھ اتحاد کی بات وہی کرے گا جو ان میں سے ہی ہوگا، یہ خیال کسی صحیح العقیدہ کے ذہن و فکر میں آ ہی نہیں سکتا۔

دیوبندیوں وہابیوں سے اتحاد کرنا ہندوؤں کے ساتھ ملنے جلنے سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں درحقیقت وہ سنی نہیں ہیں اور ایسے لوگ گویا کہ کفر و ایمان میں اتحاد چاہتے ہیں اور یہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مومن و کافر میں میل ہوسکتا ہے اس لئے کہ جنتی اور جہنمی دونوں نہ یکساں ہوسکتے ہیں نہ یکجا، پھر حدیث میں فرمایا گیا میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی اور وہ جنتی گروہ اہل سنت و جماعت ہے۔

سوال: میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفر و ایمان کو ملانا یا عقائد باطلہ کو تسلیم کرنا بلکہ مشترکہ مسائل میں ایک رائے پر متفق ہونا؟

جواب: قرآن پاک میں آیا ہے **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین**، نصیحت ملنے کے بعد ظالم قوموں کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں مطلقاً منع کیا گیا ہے، پھر اہل علم و دانش جانتے ہیں کہ جب کبھی ہمارے لوگوں نے دیوبندیوں، وہابیوں، شیعوں سے اتحاد کیا ہے تو اس میں سنیوں اور سنیت دونون کا نقصان ہوا ہے اس کی زندہ مثالیں ندوہ تحریک اور مسلم پرسنل لاء بورڈ ہیں۔ آج یہ دونوں تحریکیں خالص دیوبندیت اور وہابیت کی مشینری کے طور پر کام کر رہی ہیں۔ چند مہینے پہلے کی بات ہے دہلی جامع مسجد کے امام مولانا احمد بخاری نے رویت ہلال کے مسئلے پر ایک اجلاس کیا تھا جس میں مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے شرکت کی، بنام سنی مرکز الثقافۃ السنیہ کے سربراہ شیخ ابوبکر شافعی کیرالہ، قاری محمد میاں مظہری دہلی، مولانا یٰسین اختر صاحب مصباحی دہلی مذکورہ میٹنگ میں شریک ہوئے۔ لیکن اخباری بیان سے لگا کہ جیسے یہ حضرات کسی جماعت کے نمائندے کے طور پر نہیں بلکہ عام سامعین کی طرح شریک ہوئے اور پورا اجلاس دیوبند اور ندوہ کا نمائندہ اجلاس ثابت ہوا، دیوبندی اور تمام بد مذہب گروپ اپنے منصوبہ بند جلسوں اور پروگراموں میں کسی ایک دو شخص کو بنام سنی شرکت کرا کر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ پروگرام سں تمام مسلمانوں کے ہیں جیسا کہ پرسنل لاء بورڈ میں یٰسین علی عثمانی بدایونی کی شرکت۔

سوال: کیا ہر جگہ اعلیٰ حضرت کا نام لینا یا حوالہ دینا ضروری

ہے، اعلیٰ حضرت سے پہلے بہت سے مشائخ گذرے ہیں آخر کیا وجہ ہے کہ آج اعلیٰ حضرت کے بغیر سنی غیر سنی کے امتیاز میں لوگوں کو دشواری ہورہی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے؟

جواب: ہر دور کے الگ الگ مسائل ہوتے ہیں، سب سے پہلے اسلام کا مرکز مکہ مکرمہ بنا لیکن کافروں کے ظلم و جبر سے تنگ آکر بحکم الٰہی نبی نے اور آپ کے اصحاب نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمایا تو اسلام کا مرکز مدینہ منورہ بنا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد تک مدینہ اسلام کی راجدھانی رہا لیکن حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں کوفہ اسلام کا مرکز اور دار الخلافہ بنا، اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ بغداد مقدس، اجمیر، دہلی، کچھوچہ، خیرآباد، فرنگی محل، رامپور ہوتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی کے دور میں بریلی ہم اہل سنت کا مرکز بنا اور آج بھی ہے، اسی طرح وارثین انبیاء، خلفائے راشدین پھر امام حسن وحسین، غوث اعظم، خواجہ غریب نواز، شیخ محقق دہلوی، مجدد الف ثانی کے ذریعہ حق پہنچانا گیا آج اعلیٰ حضرت کے ذریعہ پہنچانا جارہا ہے، یہ ایسا نشان ہے کہ اس میں کسی ملاوٹ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس وجہ سے بعض حاسدین و معاندین اور صلح کلی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی سے جان چھڑانا چاہ رہے ہیں لیکن اس کوشش میں وہ کامیاب نہیں ہوں گے، اسی لئے بصراحت قائد اہل سنت تلمیذ حافظ ملت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے فرمایا ”بریلوی اہل سنت کا علامتی نشان ہے، اور کیوں نہ ہو یہ نشانی تو امام اعظم ابو حنیفہ اور غوث اعظم شیخ جیلانی کی طرف سے ہے:

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

سوال: آج کل مسلک اعلیٰ حضرت کے نعرے پر اعتراض بعض اپنے لوگ کررہے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اس نعرہ سے دوسری خانقاہوں کے لوگ ہم سے قریب نہیں ہو پارہے ہیں اور اس سے اہلسنت کا دائرہ سمٹ رہا ہے، اس سلسلے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے دل میں جب کسی کے لئے عداوت پیدا ہوجاتی ہے تو پھر وہ نئے نئے حیلے بہانے تلاش کرتا ہے، اس نعرے سے بھی اختلاف وہی لوگ کررہے ہیں جو لوگ اعلیٰ حضرت کی مقبولیت سے چڑھے ہوئے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ بریلی، مارہرہ اور ہمارے تقریباً تمام مدارس اور جلسوں میں یہ نعرہ لگتا رہا، اکابر علماء کے سامنے لیکن کسی کے خیال میں یہ بات نہ آئی کہ اس سے سنیت گھٹ رہی ہے بلکہ یہی سمجھا گیا کہ یہ نعرہ بھی اشاعت سنیت اور تبلیغ مسلک کے لئے بہترین ذریعہ ہے۔ اس نعرے سے کچھ خانقاہیں اور آج کل کے کچھ نو مولود مصباحی مولوی اور جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے بعض اساتذہ مخالف نظر آرہے ہیں اور ان کا اس نعرے کی مخالفت کرنا کدورت کی بنا پر ہے۔ ان پہ مرکزیت کا بخار چڑھا ہوا ہے مرکز کی فکر میں وہ مسلسل جماعتی وحدت کے خلاف کام کررہے ہیں اس سلسلے میں گفتگو ہم بعد میں کریں گے اور جو کہتا ہے کہ اس سے جماعت اہلسنّت کا دائرہ سمٹ رہا ہے وہ پاگل وحشی اور دیوانہ ہے وہ اپنے دماغ کا علاج کرائے۔

سوال: اعلیٰ حضرت نے تالیفات وتصنیفات کی شکل میں

ہتھیار تو بہت تیار کئے لیکن سپاہی نہیں پیدا کیئے، اس رائے سے کہاں تک آپ اتفاق کرتے ہیں؟

جواب: اعلیٰ حضرت نے کتابیں تولکھیں ہی ساتھ ہی اس وقت کے لحاظ سے علما کی بہت بڑی جماعت بھی پیدا کی۔ آج بہت سارے مدرسے اوردار العلوم چل رہے ہیں۔ کنبہ پروری کا بازارگرم ہے۔ بزرگوں پہ تنقید کوتحقیق کا نام دیا جارہا ہے اسلاف بیزاری کے جراثیم طلبہ کے ذہنوں ڈالا جارہا ہے انہیں اپنے بڑوں کی بارگاہ میں جری بنایا جارہا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اعلیٰ حجرت سپاہی تیار نہیں کیئے وہ علم عقل دونوں سے محروم ہے اس کی اس بولیمیں طوفان چھپا ہے وہ رضا دشمنی میں اندھا ہوگیا ہے، اس نے اعلیٰ حضرت کو نہ پڑھا ہے نہ سنا ہے، اعلیٰ حضرت نے سپاہی تیار نہیں کیئے تو ہے کوئی جوکوئی مدرسہ پیش کرے ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا، مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا، مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، صدرالشریعہ، مولانا امجدعلی، صدرالا فاضل مولانا سیدنعیم الدین مرادآبادی، مولانا سیدسلیمان اشرف بہاری، محدث اعظم کچھوچھوی، شیر بیشۂ اہلسنّت مولانا حشمت علی وغیرہم کی مثال پیش کرے، بھیڑ بکریوں کی تعداد بڑھنے سے شیروں کی طاقت وعظمت اوراہمیت پرکچھ فرق نہیں پڑتا۔

سوال: دعوت اسلامی کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب: دعوت اسلامی کا اشتہار واعلان تو تبلیغیوں کی طرح خوش نما اور دیندارانہ ہے، مگر اس جماعت کے بیشتر مبلغ دین سے بہت دور ہیں، باتیں تو یہ سنت کی کرتے ہیں مگر ان کی سنت صرف ہری پگڑی اور چار چھ اضافی جیب والے کرتا، پاجامہ ومسواک میں محدود ہے، ان کی نظر میں سنت کا یا فرض کا کوئی مطلب نہیں ہے یہ تو صرف اس سنت کو ادا کرتے ہیں جیسے مولانا الیاس پاکستانی کرتے ہیں، خصوصاً ہندوستان میں دعوت اسلامی کے مبلغین مولانا الیاس صاحب کے لئے مرید ڈھونڈنے کا کام کرتے ہیں، یہ عقل سے کوڑے اور حقیقت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

صحیح تو یہ ہے کہ جوشخص جس قدر اس جماعت سے قریب ہوتا ہے، اتنا ہی وہ علما سے دور ہوتا ہے بلکہ جماعت اہلسنّت کی عام روایت سے دور ہوتا ہے، یہ ایک جاہلوں کی جماعت ہے، اس سے قربت میں دینی علمی نقصان اور حمایت وتائید میں ملت کا خسارہ ہے، اس کے حامی یا تو بے پڑھے لکھے ہیں یا پھر نادان دوست، علما کو دعوت وتبلیغ کا کام کرنا چاہئے، جودین سے بے خبر اور نابلد ہے وہ دوسروں کو دین کیا سکھائے گا، ہری پگڑی یا سفید پگڑی ان کا یونیفارم ہے، مطلقاً عمامہ باندھنا سنت ہے کسی رنگ کی کوئی قید نہیں، اور آج کل یہ علما کی علامت ہے اس لئے جاہلوں کو زیب نہیں دیتا۔

عموماً مبلغین کی حالت یہ ہے کہ پگڑی باندھ لیا تو پھر وہ اپنے آپ کو امام غزالی سے کم نہیں سمجھتے اور ان کی نظر میں اگر اسلام باقی ہے تو ان جاہل پگڑی والوں کے سبب، یہ اپنے جلسوں میں علما کو نہیں مدعو کرتے لیکن ان کی حتی المقدور یہ کوشش ہوتی ہے کہ علما کے جلسوں میں یہ اپنا میٹھا میٹھا بیان کریں، ہری یا سفید پگڑی والے سنی اماموں کو پریشان کرتے ہیں، اگر کوئی امام ہری پگڑی نہیں باندھتا یا ان کی اپنی حدیث فیضان سنت نمازوں کے بعد نہیں پڑھتا تو یہ لوگ اس امام میں کمیاں اور خامیاں بیان کر کے عوام میں فتنہ پیدا

کرتے ہیں۔ مولانا الیاس پاکستانی کے معتقد وقتاً فوقتاً خواب دیکھتے ہیں کہ امیر صاحب کو مجدد بنادیا گیا آج کل خبر آرہی ہے کہ غوث پاک کے وہ نائب بن گئے ہیں۔ اس زمانے میں ان سے بڑا کوئی ولی نہیں، اس سے پہلے بھی کئی بار مجدد بننے کے لئے جناب نے کوششیں فرمائیں لیکن ناکامی ہاتھ آئی، ان کے معتقدین نے مجدد کا غوغا شروع کیا تو بعض علماء پاکستان نے دریافت کیا کہ امیر موصوف کی علمی حیثیت کیا ہے؟ آخر کس بنا پر مجدد بننا چاہتے ہیں تو آپ نے اشرفیہ مبارکپور سے شائع ہونے والے رسالہ اشرفیہ میں اپنا بیان دیا کہ "درجہ آٹھ کا طالب علم ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں" جو لوگ حمایت کر رہے ہیں کسی ذاتی منفعت کے سبب اور بعض لوگوں نے تو عہد کرلیا ہے کہ بریلی جدھر رہے گا ہمیں اسکی مخالفت کرنی ہے۔

پانچ سو برس پیشتر شاہ نعمت اللہ نے اپنی پیش گوئی میں فرمایا تھا کہ آخری زمانے میں جہلا اپنے سر پر دستار باندھیں گے، یہ اتفاق ہے کہ ہمارے ایک رشتہ دار پاکستان سے مولوی الیاس صاحب کا دستور دعوت اسلامی لائے جس میں لکھا ہے کہ ہمارے اسٹیج سے بدمذہبیوں کا رد نہیں کیا جائے گا۔ ظاہر ہے یہ بات کوئی جاہل کہے گا یا بدمذہب صلح کلی اس لئے کہ رد تو فرض ہے تاکہ اہل حق اور باطل کے مابین امتیاز ہوسکے۔ لیکن ان کو تو میٹھے میٹھے، ہرے ہرے اور مدنی مدنی کے الفاظ بولنے سے فرصت نہیں ہے۔

سوال: آج کے فارغین کے اندر آزاد خیالی پیدا ہورہی ہے آخر اس کا سبب کیا ہے؟

جواب: آدمی جس سے دین حاصل کر رہا ہے اس کو دیکھے کہ اعتقادی، اخلاقی اور عملی طور پر وہ کیسا ہے، عموماً یہ چیزیں طلبہ کے اندر اساتذہ سے منتقل ہوتی ہیں۔ طلبہ اساتذہ کا اثر قبول کرتے ہیں اگر اساتذہ آزاد خیالی کی حوصلہ افزائی کریں گے تو ظاہر ہے کہ وہ باتیں سادہ لوح طلبہ کے ذہن پر منقش ہوں گی۔

سوال: مرکز کا کیا مطلب ہے کیا مرکز کے لئے کسی بڑے ادارے کا ہونا ضروری ہے؟

جواب: ہندوستان میں دو مراکز ہیں ایک اہل ایمان کا مرکز وہ بریلی شریف ہے' دوسرا اہل کفر کا مرکز وہ دیوبند ہے۔ بریلی اور دیوبند کی مرکزیت دارالعلوم منظر اسلام اور دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ بریلی کی مرکزیت امام احمد رضا کی شخصیت اور خدمات کے سبب سے ہے اور دیوبند کی مرکزیت نانوتوی، گنگوہی، تھانوی وغیرہ کے سبب سے ہے اور یہ ہر سمجھدار آدمی جانتا ہے۔

اگر کسی بڑے ادارے یا عمارت کے سبب مرکزیت کا تعین ہوتا تو علی گڑھ کو ہونا چاہئے اس لئے کہ وہاں مسلم یونیورسٹی ہے یا دہلی کو ہونا چاہئے اس لئے کہ وہاں جامعہ ملیہ ہے اور اگر بڑے مدرسے کو مرکز ہونا چاہئے تو پھر مرکز الثقافۃ السنیہ کیرالہ ہے، اگر خانقاہ کو مرکز ہونا چاہئے تو پھر اجمیر شریف ہے۔

سوال: زکوۃ وفطرہ کی رقم کالج اور انگریزی اسکولوں میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زکوۃ وفطرہ کے مصارف کا ذکر قرآن میں صاف صاف آیا ہے اور ہمارے علما نے اس کی کتب فقہیہ میں تصریح بھی فرمادی ہے، فقہا نے واضح کردیا ہے کہ زکوۃ و فطرہ کی رقم صرف ان مدارس اہل سنت کو دینا جائز ہے جہاں

دین کی تعلیم دی جاتی ہو اور بچے کھاتے ہوں اور ان پیسوں کے اصل مستحق غربا، مساکین اور مدارس اسلامیہ کے طلبا ہیں، ان رقومات کا استعمال انگریزی اسکولوں کے لئے کرنا ناجائز ہے اور کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔

سوال: جماعت اہل سنت میں آج شدید اختلاف رونما ہو چکا ہے اس کا سبب کیا ہے؟

جواب: اہل سنت سواد اعظم اتنی بڑی جماعت ہے کہ اس میں اختلافات اعتقادی نہیں ہیں بلکہ فروعی ہیں۔ ہاں یہ ضرور قابل مذمت ہے کہ آج کل کچھ مولویوں نے اپنے ہی بزرگوں، اسلاف اور خصوصاً اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند سے اختلاف کا ذہن دے رہے ہیں ان کی اس فکر کے پس پشت کوئی بڑا طوفان چھپا ہے، میں وقت آنے پر اس طوفان کے چہرے سے نقاب اٹھانے کی کوشش کروں گا اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند کی تحقیقات سے اختلاف کی صورت میں جماعت اہلسنّت مسائل کا شکار ہوجائے گی بعض مولویوں پر اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم بننے کا بھوت سوار ہے وہ یہ سوچتے ہیں کہ جب تک مذکورہ شخصیات کی تحقیقات سے اختلاف نہیں کی جائے گا کوئی ہمیں اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم تسلیم نہ کہے گا۔ ان کے اس خیال کو پاگل پن کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ آواز بھی جامعہ اشرفیہ مبارکپور ہی سے اٹھی ہے اشرفیہ کے بعض نمائندوں پر صلح کلیت حاوی ہوچکی ہے اور وہ پورے ادارہ کو اسی رنگ میں رنگ دینا چاہتے ہیں ابھی کچھ سال پہلے مولوی ادریس بستوی کا راشٹریہ سہارا میں ایک بیان آیا تھا کہ دوسرے عقائد کے ائمہ مثلاً دیوبندی، وہابی کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں کوئی شرعی مباحت نہیں ہے بلکہ پڑھنا چاہئے اس سے آپسی بھائی چارے میں اضافہ ہوگا یہ انتہائی افسوس ناک بیان ہے اس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔

سوال: پیغام رضا ممبئی کے ذریعہ قارئین کو آپ کیا پیغام دیں گے؟

جواب: سب سے پہلے تو میں پیغام رضا کے مدیر مولانا رحمت اللہ صدیقی اور ان کے جملہ رفقا کو مبارکباد دینا چاہوں گا کہ فتنہ وفساد اور فرقہ بندی اور گروہی عصبیت کے ماحول میں آپ لوگ پیغام رضا کی شکل میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور سرکار مفتی اعظم اور بریلی کا پیغام نشر کررہے ہیں، بعض رسائل سنیت کے نام پر جماعت میں انتشار پیدا کررہے ہیں اور اپنے بزرگوں کی تنقیص میں لگے ہوئے ہیں۔ پیغام رضا بروقت اور برمحل ان کا علمی اور اخلاقی تعاقب کررہا ہے۔ میں کہوں گا کہ ہمارے علماء، طلبہ پیغام رضا کو سنجیدگی سے پڑھیں انہیں پیغام رضا کے سطر سطر سے عشق رسالت کی خوشبو کا احساس ہوگا اور ہر ہر قدم پر امام احمد رضا کی محبت کے جلوے نظر آئیں گے۔

آپ پیغام رضا خود خریدیں اور دوسروں کو بھی اس کا خریدار بنائیں۔ بلاشبہ پیغام رضا مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان اور سنیت کا پاسبان ونگہبان ہے، انتشار پسندی اور شرانگیزی کے ماحول میں پیغام رضا محبت واتحاد کا پیغام ہے۔ سنیت اور حقانیت کا صحیح تعارف اور امتیاز اس دور میں اعلیٰ حضرت اور بریلی سے ہوتا ہے اس لئے اس سے اختلاف جماعت کے لئے فتنہ انگریزی کے سوا کچھ نہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت ضرورت، اہمیت اور افادیت

حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ رضوی قادری

برصغیر میں اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر بہت کچھ لکھا گیا، محققین و اصحاب قلم مسلسل لکھ رہے ہیں، علماء اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد ان کی طرف مائل و متوجہ ہے، مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ علوم وفنون کے وہ بحر بیکراں ہیں جسکی گہرائی و گیرائی کا ابھی تک اندازہ نہ ہوسکا، وہ فضل و کمال کے ایسے کوہ گراں ہیں جس کی بلندی تک بڑے بڑے کوہ پیا کی بھی رسائی نہ ہوسکی، ان کی ہیبت و جلال سے کج کلاہان زمانہ حواس باختہ ہوگئے، ان کے برق رفتار و بے باک قلم کی طاقت و توانائی سے اہل حق اور فرقہائے باطلہ کے درمیان تفریق و امتیاز پیدا ہوگیا، وہ مرد حق آگاہ تھے ان کے فکر و تدبر سے بدعقیدگی و بد مذہبی کا وہ ناسور ختم ہوگیا جو ملت کو اندر سے کھوکھلا کررہا تھا۔

انہوں نے اسلامیان ہند کے عقیدہ و ایمان کی نازک وقت میں حفاظت فرمائی، انہیں غیروں کے ہاتھوں بکنے سے بچایا، وہ سچے عاشق رسول تھے انہوں نے خوش عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول کی شمع روشن و فروزاں کی، اپنے تجدیدی کارناموں، فکری بصیرت و دانائی اور دینی خدمات سے انہوں نے معاصرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، ان کی علمی تحقیقات و تصانیف اور سرعت تحریر کو دیکھ کر عرب و عجم کے علماء و فضلاء حیران و ششدر رہ گئے۔

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جو لوگ انگریز کے کاسہ لیس و ریزہ خوار تھے وہ ان کا حق نمک ادا کرنے کے لئے ان کی بولی بولنے لگے اور استعماری قوتوں کو آقایان نعمت مان کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے، انگریز نے اسلام مخالف تحریک اور افتراق بین المسلمین کے لئے جن ایماں فروش ٹولیوں کو اپنا آلہ کار بنایا ان کے بدنصیب ہاتھوں سے شیرازۂ ملت تار تار ہونے لگا، انگریز کے بوئے ہوئے زہر آلود بیج سے جو پودا نکلا ایماں فروش جماعت نے اسے پروان چڑھایا، اس کی نگہبانی کی پھر اس کے زیر سایہ رہ کر انہوں نے ایسی خفیہ سازش و تدبیر کی جس سے ملت کو وہ نقصان پہنچا جس کی تلافی ممکن نہیں۔ وہ یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ عظمت رسول پر بھی حملہ کرنے سے باز نہ رہے، راسخ العقیدہ مسلمانوں کے دلوں سے انہوں نے احترام و تکریم رسول اور اسلاف و اکابر کا ادب نکال دینے کی بھرپور کوشش کی، رسول کونین ﷺ کی شان اقدس میں نازیبا کلمات کہے، توہین و تنقیص اور گستاخیوں سے بھری ہوئی کتابیں لکھیں، بزرگوں کے

تصرفات اوران سے توسل و استمداد کا انکار کیا، انہوں نے مکرودغا کا جو جال بچھایا تھا اس سے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے مگر ملت کا اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہوگیا، وحدت و سالمیت مجروح و متاثر ہوگئی مسلمان فرقوں میں بٹ گئے، ایک گھر دوسرے گھر سے جدا ہوگیا۔ ایسے نازک حالات اور خوفناک وقت میں جو مرد مجاہد سینہ سپر ہوکر سامنے آیا وہ بریلی کی مسند ارشاد و ہدایت پر بیٹھنے والے ''اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی'' تھے بلکہ قدرت نے انہیں باطل قوتوں، استعماری طاقتوں کا مقابلہ کرنے اور ان کے ہفوات و خرافات کا جواب دینے کے لئے مجدد بنا کر بھیجا۔ انہوں نے خداداد صلاحیت و استعداد سے ایماں فروشوں کی تمام عیاریوں کو طشت از بام کردیا، ان کے مکروہ چہروں کو بے نقاب کیا اور دنیا کو بتادیا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی شان رفیع میں ادنی سی توہین و تنقیص کرے وہ ہمارا نہیں، وہ غیروں کا آلہ کار تو ہوسکتا ہے مگر اسلام اور مسلمانوں کا وفادار نہیں ہوسکتا۔ وفادار امتی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے نبی کے ایک بال پر جان دینے کو تیار ہوجائے۔ بلکہ غدار اور وفادار کی یہ شناخت بتائی گئی ہے کہ جو اپنے نبی کی شان گھٹائے وہ غدار ہے اور جو نبی کی عزت و توقیر میں مرمٹے وہ وفادار ہے۔ زمانہ جانتا ہے کہ وفادار کون ہے اور غدار کون۔ جو اپنے نبی کی حیات و پیغمبری میں توہین و تنقیص کے پہلو تلاش کرے وہ تاریخ کا سب سے بڑا غدار ہے اور جو عشاق نبی ہیں وہی اصحاب باوفا ہیں، امام احمد رضا بریلوی بھی ایک باوفا عاشق رسول تھے ان کا عشق و عقیدت مشہور زمانہ ہے۔

تاریخ کی شاہراہ پر یہ بات جلی حرفوں سے لکھی ہوئی ہے کہ امام احمد رضا ہی وہ باکمال شخصیت ہیں۔ جن کی مساعی جمیلہ سے چودھویں صدی ہجری میں گستاخان رسول کے بدنما چہرے بے نقاب ہوئے، ان کی افترا پردازیوں اور عیاریوں کا پردہ فاش ہوا، اہل حق اور اہل بدعت کے درمیان خط امتیاز کھینچا گیا، صحیح العقیدہ اور بدعقیدہ مسلمانوں کی شناخت و پہنچان ہوئی، شان مصطفیٰ ﷺ میں توہین و بے ادبی کرنے والوں کو حکم شرع کے مطابق کافر و مرتد کہا گیا۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا یہی وہ کارنامہ ہے۔ جو ان کے دیگر کارناموں پر بھاری ہے گوکہ ان کا ہر ایک وصف ممتاز و نمایاں ہے مگر وہ اسی وصف سے زیادہ مشہور و متعارف ہوئے، یہی ان کی تجدیدی خدمات و کارناموں کا اہم باب ہے۔

انگریز کی کوکھ سے جنم لینے والا ایماں فروش فرقہ یہ چاہتا تھا کہ ہم مسلمانوں میں گھل مل کر رہیں، ہم اپنا کام کرتے رہیں اور ہمیں کوئی پہچان نہ سکے اس لئے وہ حنفی بھی بنے رہے اور بظاہر سنی بھی، مگر امام احمد رضا بریلوی نے اپنے عشق و ایمان کے حوالے سے جو پیغام، ملت کے نام نشر کیا تھا اس کا داعیہ اور اثر یہی تھا کہ تمام فرقہائے باطلہ، اہل سنت و جماعت سے الگ ہوگئے، ان کے تعفن و تکدر سے ملت پاک ہوگئی۔ اس جرأت مندانہ اقدام کے صلے میں اہل حق نے متفقہ طور پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو ''مجدد'' اور اپنا امام و مقتدا مانا ان کی مرکزیت و علمی برتری بھی تسلیم کی گئی چونکہ ملت اس وقت لامرکزیت کی شکار تھی کوئی ایسا نہ تھا جس سے ذہنوں کے اضطراب کو سکون ملتا، کوئی چشمہ شیریں ایسا نہ تھا جس سے پیاسی دنیا کو تسکین و شادابی ملتی، بچہ پیدا ہونے کے بعد آغوش مادر میں راحت

پاتا ہے، دھوپ کی تمازت میں انسان سایہ دار درخت تلاش کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح ملت اسلامیہ کا شیرازہ جو مدتوں بکھرا رہا اسے کسی ایسے مرکز کی تلاش تھی جو اسکے درد و کرب کا علاج کرتا، جب امام احمد رضا بریلوی کی علمی گونج سنائی دی اور ان کے تجدیدی کارنامے سامنے آئے تو پورا برصغیر ان کے گرد جمع ہوگیا اور سب نے متفقہ طور پر ان کی مرکزیت اور علمی خدمات کو تسلیم کیا۔ ان کا فیضان علم و کرم ایسا برسا کہ زمانہ آج تک سیراب ہو رہا ہے۔ یہ قدرت کا عظیم انعام و احسان ہے کہ اس نے امام احمد رضا کے ذریعہ سے ان تمام کثافتوں کو دور کر دیا جو ملت اسلامیہ کو برسوں سے کمزور کر رہی تھیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جن باطل فرقوں کا رد بلیغ فرمایا ان میں وہابی، دیوبندی، قادیانی، رافضی وغیرہ سر فہرست تھے۔ انہیں ان کے کیفر کردار تک پہنچانے اور ہر موڑ پر ان کی سرکوبی کے باوجود یہ نئے نام اور نئے روپ سے ابھرتے رہے جب کہ ان باطل فرقوں اور اہل سنت و جماعت کے درمیان واضح امتیاز ہو چکا تھا، ان کے عقائد باطلہ طشت از بام ہو گئے تھے، ان پر حکم کفر وارتداد لگایا جا چکا تھا، پھر بھی وہ خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے کمال بے حیائی سے اپنے کو حنفی اور سنی کہلاتے رہے، جو لوگ ان کے ناپاک عزائم و دام تزویر سے واقف و آگاہ نہ تھے وہ ان کی عیاریوں کے شکار ہو گئے۔ مبتدعین کی اس روش سے ملت اسلامیہ کے مقتدر علماء متفکر و رنجیدہ ہوئے کہ معرکۂ حق و باطل سر ہونے کے باوجود وہ کامیابی نہیں مل رہی ہے جس کی توقع کی جا رہی تھی علمائے حق یہ سوچتے تھے کہ ایمان فروشوں کو دودھ سے مکھی کی طرح پھینک دیا گیا پھر بھی وہ نام اور لیبل کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اور تقاضائے وقت کے لحاظ سے اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی کے معاصر علمائے حق نے اہل سنت و جماعت کے لئے لفظ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ایجاد کیا تاکہ فرقہائے باطلہ سنی مسلمانوں کو مزید دھوکا نہ دے سکیں پھر آہستہ آہستہ یہ لفظ اہلسنّت و جماعت کے درمیان ایسا رائج ہوگیا کہ سنیت کا دوسرا نام ہی ''مسلک اعلیٰ حضرت'' پڑ گیا۔

جیسے عہد صحابہ و تابعین اور ان کے بعد اہل اسلام بنام مسلمان جانے جاتے تھے مگر جب قدر و جبر اور اعتزال وغیرہ کا فتنہ پیدا ہوا اور وہ بھی اپنے کو مسلمان سمجھتے تھے تو اہل حق نے ان سے تفریق و امتیاز کے لئے ''اہل سنت و جماعت'' کا لفظ ایجاد کیا جس سے قدریہ و جبریہ اور معتزلہ وغیرہ چھٹ گئے۔ ٹھیک اسی طرح جب ہندوستان کے فرقہائے باطلہ دعوئے حنفیت وسنیت میں اہل سنت و جماعت کے اندر گھل مل گئے تو سنیت کے تحفظ و تشخص کے لئے لفظ ''مسلک اعلیٰحضرت'' کو رواج دیا گیا جس سے تمام فرقہائے باطلہ، اہلسنّت و جماعت سے الگ ہو گئے۔ اس سے ان کے مکروہ عزائم کو پامال کر دیا گیا۔

ان کا سب سے بڑا دھوکا یہی تھا کہ وہ مذہب حنفی پر عمل اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کرتے تھے، ان کے فکر و عمل کے اس تضاد و تخالف سے ملت کراہ اٹھی۔ مگر مسلک اعلیٰ حضرت کی ایجاد وقت کی اہم ضرورت اور وقت کا عین تقاضا تھا اگر بروقت اس کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہوتی تو غیروں کے اختلاط اور بدعقیدگی کے تعفن سے مسلمانوں کو بچانا مشکل ہو جاتا۔

اس موڑ پر ہم امام احمد رضا بریلوی کو تحسین وعقیدت کا ڈھیروں خراج پیش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی سعی پیہم سے آج دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوگیا۔ اہل ایمان اب چہروں سے پہنچان لیتے ہیں کہ یہ وفادار رسول کا چہرہ ہے اور وہ غدار رسول کا، کیونکہ وفادار کے چہرے میں نورانیت وطمانیت ہوتی ہے اور غدار کے چہرے چمک وتابش سے معریٰ، بے رونق اور داغدار ہوتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی کی یہ کاوش جہاں یاد رکھنے کی قابل ہے وہیں وقت کے وہ جلیل القدر علمائے دین بھی ہدیۂ تبریک وتحسین کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے مسلک اعلیٰحضرت کو قدم قدم پر فروغ واستحکام بخشا اور اپنے کردار وعمل سے اس کی تائید وحمایت کی، اپنے متوسلین ومعتقدین کو اس پر گامزن وثابت قدم رکھنے کی تاکید وتلقین فرمائی۔

مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت جب تھی تب تھی اب اس کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ کہے کہ اب وقت، حالات، تقاضے، تمدن اور انسانی مزاج بدل گئے ہیں، سائنسی ایجادات کے عروج وارتقاء کا دور آگیا ہے، یا مسلک اعلیٰ حضرت پر غیروں کے بے جا اعتراضات اور غلط رنگ پاشی سے متاثر ہوکر کوئی اسے کہنا چھوڑ دے بلکہ کہنے والوں کو نشانۂ ملامت اور ہدف تنقید بنائے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پاگل کتوں کے بھونکنے سے سورج کا کچھ نہیں ہوتا، یا جو سورج کی طرف تھوکتا ہے وہ خود اسی کے منہ پر پڑتا ہے مگر سورج کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس سے بڑا فرومایہ کون جو سورج کو چراغ دکھائے۔ جسکے دل میں مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف فتور یا اکابر مخالف جذبہ پیدا ہوا ہے ہم ایسے شخص کو یہ پیغام فکر وعمل دینا چاہتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت جس طرح کل تھی یوں ہی اس کی ضرورت آج بھی ہے۔ اس سے جس بات کا امتیاز پہلے مقصود تھا وہ اب بھی ہے۔ جب تک معاندین اور اہل باطل کی ریشہ دوانیاں رہیں گی مسلک اعلیٰ حضرت سے اہل حق کو تقویت وروشنی ملتی رہے گی۔

جب کہ آج کا ماڈرن دور پہلے کے اعتبار سے عقیدہ و عمل میں زیادہ بگڑا ہوا ہے، مرکزیت فنا ہورہی ہے۔ مغربیت کی اندھی تقلید سے ایمان و اسلام کے تعلق سے غفلت و بے توجہی نظر آرہی ہے، جرائم کی کثرت ہے، محیر العقول ایجادات نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو چھین لیا ہے، بدعملی کے راستے سے بدعقیدگی داخل ہورہی ہے، بعض تعلیم گاہوں اور دانش کدوں میں بدعقیدگی کے اسباق داخل نصاب ہیں، قلوب واذہان سے رسول اللہ ﷺ کے احترام وتکریم کا جذبہ نکالنے کے اسباب بنائے گئے ہیں، اسلاف واکابر کی روایت کو پارینہ اور فرسودہ سمجھا جارہا ہے۔ غرض صلح کلیت اور مذہب بیزاری کے اس پرفتن دور میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت واہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کے فروغ واستحکام کی صورتیں تلاش کی جاتیں مگر اسکی راہیں مسدود کی جارہی ہیں، اس پر قدغن لگایا جاتا ہے۔ جس معنی اور جس ضرورت کی بناء پر مسلک اعلیٰ حضرت کا رواج ہوا اس معنی کے لحاظ سے جب تک دنیا میں ایک شخص بھی اہل حق سے باقی رہے گا اس کی ضرورت و اہمیت باقی رہے گی۔ کیونکہ یہ کوئی نیا اور خود ساختہ مسلک و مشن نہیں بلکہ یہ اہل سنت و جماعت کی دوسری تعبیر ہے۔ اہل سنت و جماعت کے جتنے مبادیات و مقتضیات اور

معتقدات و مسائل ہیں وہی ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت ان سب کا ناشر وحامی اور موید ہے ان سے کوئی سر منہ منحرف نہیں ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کے کئی نام ہوں ہر نام سے وہی چیز مراد ہو۔

جیسے ہمارے ملک کو ہندوستان، بھارت، انڈیا سب کہا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ انڈیا سے کوئی اور ملک مراد ہو اور بھارت سے کوئی اور، یوں ہی مسلک اعلیٰ حضرت بولنے سے اہل سنت و جماعت ہی مراد ہوتے ہیں کوئی اور مسلک و مذہب مقصود نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کہنے سے عرفی طور پر بھی اہل سنت و جماعت اور حنفی ہی مراد ہوتے ہیں۔ کوئی نیا فرقہ یا نئی تحریک مراد نہیں ہوتی۔

غرض مسلک اعلیٰ حضرت'' وما انا علیه و اصحابی'' کی سچی تعبیر وتفسیر ہے۔ کیا کوئی اس میں خلاف سنیت کسی بات کی نشاندہی کرسکتا ہے یا کوئی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ یہ بات اعلیٰ حضرت کی ایجاد و اختراع یا خود ساختہ ہے سنیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے؟ بلکہ امام احمد رضا بریلوی نے تو مراسم اسلامیہ کو قوت و استدلال کی زبان عطا فرمائی ہے۔ بعض نو پید مسائل کا شرعی حل پیش فرمایا ہے۔

جو لوگ کبر و نخوت کی بناء پر یا ''پدرم سلطان بود'' کے زعم میں یہ کہتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کوئی چیز نہیں یا مسلک اعلیٰ حضرت کہنا بو العجبی ہے، یا یہ پانچواں مسلک کہاں سے آگیا جب کہ مسالک صرف چار ہیں۔ یہ آوازیں اگر صرف غیروں کی طرف سے اٹھتیں تو صبر و شکیب کا پیمانہ لبریز نہ ہوتا مگر حیرت یہ ہے کہ یہی باتیں غیروں کیساتھ وہ بھی کہتے ہیں جنہیں ہم اپنا سمجھتے ہیں۔

غیروں کے لئے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہماری عداوت و دشمنی میں ایسا کہتے ہیں ارے جو رسول اللہ کا نہ ہوسکا وہ ہمارا ہمدرد و بہی خواہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مگر اپنوں کیلئے اسکے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کیخلاف یہ پروپیگنڈہ صرف مخالف عناصر کو ہوا دینے یا اپنی پھیکی دکانیں چمکانے کے لئے کیا جارہا ہے۔ کاش اس پر آشوب دور میں وہ اس کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے اور حقائق وشواہد کے اجالے میں ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو ایسا ہرگز نہ کہتے نہ اس کی مخالفت و مقابلے پر کمر بستہ رہتے۔ یاد رکھو کہ آج مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت یا اسے بے بنیاد و کمزور ثابت کرنا مذہب حق کی مخالفت اور مسلک حق سے بغاوت ہے۔ جذبہ مخالفت کے مضمرات میں کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ''حدثاء الاسنان'' کا کوئی نیا فتنہ ہے؟

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد واستنباط سے علم فقہ کو مدون کیا، قرآن و حدیث سے مسائل استخراج کئے، امت مسلمہ کیلئے عملی میدان میں آسانیاں فراہم کیں اور دین متین کی بے مثال اور باوقار خدمت انجام دی اس کے باوجود ''مسلک امام اعظم'' نہیں کہا جاتا، لوگ صدیوں سے ان کی تقلید و پیروی کرتے آئے ہیں مگر مسلک امام اعظم نہیں کہتے۔ پھر کیا سبب ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کہنے کا رواج ہوا کیا اعلیٰ حضرت نے امام اعظم ابوحنیفہ کے برابر دینی و علمی کارنامہ انجام دیا ہے؟ جب کہ اعلیٰ حضرت مجتہد نہیں مقلد ہیں، مسلک اعلی حضرت کہنے سے اعلیحضرت کا رتبہ امام اعظم سے بڑھ کر معلوم ہوتا ہے۔

ان باتوں کا جواب بھی وہی ہے کہ اگر اس دور میں ''مسلک امام اعظم'' کہا جاتا تو اہلسنّت و جماعت اور دیوبندی وغیرہ کے درمیان فرق و امتیاز نہ ہوتا، مسلک اعلیٰ حضرت کہنے سے جو تمیز و تفریق مقصود ہے وہ مسلک امام اعظم کہنے سے حاصل نہ ہوتی کیونکہ بعض فرقہائے باطلہ بھی اپنے آپ کو حنفی اور امام اعظم کے مقلد و پیرو کہلاتے ہیں۔ مسلک امام اعظم نہ کہنے سے اس کا انکار یا جذبۂ مخالفت سمجھ میں نہیں آتا۔ کسی چیز کا حق و درست ہونا اور بات ہے اور اسے رائج و استعمال نہ کرنا اور بات۔ بلکہ جس طرح اہل سنت و جماعت کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ یوں ہی اگر یہ کہا جائے کہ مسلک امام اعظم کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے تو بیجا نہ ہوگا۔

یہ حق ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ وعقائد کے اصول و کلیات اور مسائل شرعیہ کی توضیحات و تشریحات قرآن وحدیث اور شرعی دلائل سے پیش کی ہیں، امت پر امام اعظم کا عظیم احسان ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد و معتقد تھے انہوں نے پچاس سال سے زائد عرصے تک مذہب حنفی ہی کے مطابق لکھا اور ایسا لکھا کہ علم وتحقیق کے نایاب و نادر لعل و گوہر لٹا دیئے جن کی چمک و تابش سے علمی دنیا آج تک استفادہ اور راہ عمل متعین کر رہی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان کی تحقیقات میں ایسی علمی گہرائی و گیرائی موجود ہے جسے صرف علما ہی سمجھ سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کئی دہائیوں سے علماء و محققین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی علمی تحقیقات و باقیات پر کام کر رہے ہیں اور ان نوادرات کو جدید تقاضوں کے مطابق عصری اسلوب میں پیش کر رہے ہیں تاکہ ان سے عوام وخواص سب استفادہ کر سکیں۔ اس نوعیت سے ان پر قابل ذکر کام ہوا اور روز بروز مزید اضافہ ہو رہا ہے مگر مدت کے حساب سے جتنا کام ہونا چاہئے وہ ابھی تک کماحقہ نہیں ہوا، نہ جانے ان کے باقیات و نوادرات اور فکری زاویوں کو سمیٹنے میں محققین کو اور کتنا عرصہ لگے گا۔ انہوں نے مختصر سے عرصے میں جو علمی اور تجدیدی کارنامے انجام دیئے ہیں انہیں کوئی انجمن یا کوئی بڑا ادارہ برسوں میں انجام نہیں دے سکتا۔ ان حیرت انگیز چیزوں کو دیکھ کر واقعی یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ وہ قدرت کے عظیم انعام اور معجزات رسول کونین ﷺ میں سے ایک معجزہ تھے۔ انہوں نے جو کام کیا وہ خلوص وللہیت کے ساتھ کیا، انہوں نے بریلی کی مسند رشد وہدایت سے جو آواز دی وہ انفس و آفاق میں سنائی دی، اس کے اثر و نفوذ سے معاندین و مبتدعین کا زہرہ پانی ہوگیا، اہل حق میں نیا ولولہ پیدا ہوا، کیونکہ اس آواز میں صدیق کا خلوص، عمر کا رعب، عثمان کا دبدبہ اور علی کا جوش تھا۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جو بھی کیا وہ اتباع رسول کے ساتھ صحابہ و تابعین اور اسلاف وائمہ کی تقلید و پیروی میں کیا، ان کے اندر اگرچہ اجتہاد و استنباط کی بھرپور صلاحیت و استعداد موجود تھی مگر انہوں نے ہمیشہ اپنے امام کی تقلید کی اس سے سرمو انحراف نہ کیا نہ تقلید کے خلاف کبھی کوئی بات کی۔ اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جنہوں نے اپنے امام کے خلاف زندگی بھر کوئی قدم نہیں اٹھایا وہ کوئی نیا مسلک و مشن کیونکر ایجاد و اختراع کرتے۔ ایسی صورت میں اگر غیروں سے امتیاز کے لئے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کہا جائے تو کون سا ستم ہے؟

یہاں سے مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت واہمیت آفتاب نیمروز کی طرح عیاں ہوجاتی ہے یوں ہی حالات اور عہد حاضر کے تقاضوں کے پیش نظراس کی افادیت سے بھی انکارنہیں کیاجاسکتا۔ اسکی اہم افادیت یہ ہے کہ اس نام کی برکت یارعب سے دشمنان دین سنیوں کے قریب نہیں آتے، یہ لفظ ان کے لئے دھاردار ہتھیار سے زیادہ کارگر ہے۔ جیسے شیطان کو بھگانے کے لئے لاحول پڑھنا موثر ہے۔ یوں ہی بد مذہبوں اور بدعقیدوں کو برطرف کرنے کیلئے مسلک اعلیٰ حضرت کہنا اثر انگیز ہے۔

حالات گواہ ہیں کہ جن لوگوں نے اس کی افادیت و واقعیت پرحرف زنی کی وہ یا توسنیت سے کٹ گئے یا صلح کل ہوگئے۔ اپنے ایمان واسلام کی حفاظت و صیانت کیلئے اسلاف واکابر اور علمائے حق کی تائید وحمایت ضروری ہے۔ ورنہ اگرانہیں کونشانۂ تنقید و ملامت بنایاجائے تو پھر سرمایۂ ایمان و یقین ہاتھ سے جانے میں دیرنہیں لگے گی۔ علمائے حق پرطعن وتشنیع کے راستے سے ہی وہابیت و دیوبندیت آئی کیونکہ بارگاہ الوہیت، دربار رسالت اور اسلاف واولیاء کی شانوں میں بےادبی اور گستاخی کرنے والی جماعت کا نام ہی وہابی اور دیوبندی ہے۔ ان کی نشریات اٹھاکر دیکھئے تو اس سچائی کا آپ کواندازہ ہوجائے گا کہ انہوں نے کیسی کیسی دلدوز توہین وگستاخیاں کی ہیں۔ وہ لوگ انبیاء واولیاء سے استمداد و استعانت کے قائل نہیں، علم غیب مصطفیٰ ﷺ اور اختیارات مصطفیٰ ﷺ کے منکر ہیں۔ نبی کواپنی طرح بشر یا بڑا بھائی کے مثل کہیں، نبی کومردہ تصور کریں۔ (معاذ اللہ) ان کے عقائد باطلہ ہی کے سبب سے علمائے حرمین طیبین نے ان پرکفر وارتداد کا فتویٰ صادر فرمایا اورانہیں اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے یہ حکم سنایا ہے کہ من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر (درمختار اول، ص ۲۵۶ کتاب الجہاد باب المرتد) یعنی جوان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ کوئی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ چودہویں صدی ہجری میں مرتدین زمانہ کے ان عقائد باطلہ کوطشت ازبام و آشکارا کرنے والا سوائے امام احمد رضا کے کون ہے؟ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان مرتدین اور خوش عقیدہ مسلمانوں کے درمیان فرق کرنے والے اور ملت کواس کا شعور دینے والے امام احمد رضا بریلوی ہیں اوراب سنیوں کواس پرگامزن رکھنے والی قوت کا نام ہے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' اس کی اس سے بڑی افادیت کیا ہوسکتی ہے کہ اس پر چلنے والوں کے قریب بدعقیدگی وبدمذہبی کبھی نہ آئی گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس کی تائید وحمایت سے اپنے دین وایمان کی حفاظت ہوگی۔

ایمان واسلام اوراہل سنت و جماعت کے جو معتقدات و مقتضیات ہیں وہی تو مسلک اعلیٰ حضرت کے منشور ہیں۔ اس کی اشاعت وترقی عین مذہب اسلام اوراہلسنّت و جماعت کی اشاعت وترقی ہے۔ چودھویں صدی ہجری میں اگرامام احمد رضا بریلوی کا وجود نہ ہوتا تو یہ دین کے ڈاکو، متاع ایمان کے رہزن اہل اسلام کاتشخص مجروح کردیتے، انگریزی استعمار کے ہاتھوں انہیں ارزاں قیمت پرفروخت کردیتے۔ امام احمد رضا نے ان کے متاع دین وایمان کا سودا ہونے نہ دیا، اپنا سب کچھ قربان کرکے ان کی حفاظت کاسامان کیا، اسی طرح ان کے وصال کے بعد اگر 'مسلک اعلیٰ حضرت' کی اصطلاح رواج نہ پاتی توسنیت کی بقاخطرے میں پڑ جاتی۔ کام سے تو نام

ہوتا ہی ہے مگر کبھی کبھی نام سے بھی بڑا کام ہوجاتا ہے، اس سے سنیت کا کام ہوا سنیوں کا نام ہوا۔

دنیائے سنیت کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ چودھویں صدی ہجری میں سنیت کی صحیح پہچان امام احمد رضا بریلوی نے بتائی، سنیوں کا تشخص وقار مٹنے سے بچایا، سرمایۂ اسلاف اور خانقاہوں کی حفاظت کا سامان فراہم کیا، خانقاہوں میں جو مسند نشیں تھے ان کے قرار واقعی مقام و مرتبے سے دنیا کو آگاہ کیا، خانقاہوں میں ریاضت و مجاہدہ کرنے والے صوفیہ کو دعوت فکر دی، معاصر علمائے کو اچھے اور مناسب آداب و القاب دیئے، عوام کو ان کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دی، سنیت کے نام سے جو لوگ متعارف تھے انہیں قریب کرنے کی کوشش فرمائی۔ یہ سب انہوں نے بے لوث اور خلوص و للّٰہیت کے ساتھ کیا اور سب سے بڑی چیز یہ کہ انہوں نے حفاظت سنیت کے لئے تصانیف کی شکل میں جو علمی اثاثہ دیا وہ رہتی دنیا تک زندۂ جاوید اور عظیم یادگار رہے گا۔ مگر یہ وقت کی عجب ستم ظریفی ہے کہ جو محسن و مقتدا تھے ان کے احسانات کو بھلا دیا گیا، انہوں نے نازک اور زبوں حالی کے وقت جن کی حفاظت کی تھی وہ آج ان کے آمادۂ بغاوت ہوگئے، انہوں نے جنہیں اپنے ہاتھوں سے سہارا دے کر ہمکنا پھر چلنا سکھایا تھا جب وہ آگے بڑھنے کے قابل ہوئے تو ان کے نقش قدم سے ہٹ گئے، ان سے اختلاف کیا اور انہیں آنکھیں دکھانے لگے:

ہم نے دی تھی زباں جن پتھروں کو
وہ بولنے لگے تو ہمیں پر برس پڑے

اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت نے بنام سنیت تمام خانقاہوں اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا تھا، جب تک اجتماعیت رہی دنیا نے ہماری شوکت وقوت کو تسلیم کیا، ہماری طرف کسی کو نگاہ غلط سے دیکھنے کی مجال نہ تھی مگر جب سے حاسدین کے ذہن وفکر میں یہ بات آئی کہ ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘ پانچواں مسلک ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے‘‘ تو ہمارا وقار مجروح و متاثر ہوگیا، ہمارا تشخص بگڑنے لگا، ملی وحدت میں خوفناک ناسور پیدا ہوا پھر

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مسلک اعلیٰ حضرت سے دوری کا نقصان یہ ہوا کہ ملت کی شیرازہ بندی تو بکھر ہی گئی ہماری بعض خانقاہیں بھی غیروں کے دست تصرف میں چلی گئیں۔ جہاں پر تصوف و طریقت کی اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی وہاں اب شرک و بدعت کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ جہاں انبیاء و اولیاء اور ائمہ ومشائخ کے ادب داں پیدا ہوتے تھے وہاں سے اب اسلامی شخصیات کے گستاخوں کی جماعت نکلتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج بھی اگر سنیت کے نام پر مسلک اعلیٰ حضرت کا پرچم لے کر اٹھیں تو خانقاہوں پر ہمارا تسلط و قبضہ ہوسکتا ہے، غیروں کے دلوں پر ہم اپنی عظمت وشوکت کا جھنڈا نصب کرسکتے ہیں، خانقاہوں کے پردے سے آج بھی جنید و بایزید جیسے خدا رسیدہ افراد نکل سکتے ہیں۔ گو ہمارے پاس کھنکتے ہوئے ریال اور چمکتے ہوئے ڈالر کی دولت نہیں لیکن اگر دولت عشق و ایمان سلامت ہے تو ہمارا ماضی کا کھویا ہوا وقار بحال ہوسکتا ہے۔

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی یہ افادیت کیا کچھ کم تھی؟ اہل حق کے نزدیک آج بھی اس کی افادیت مسلم ہے جذبۂ بغاوت اگر نہیں ہے تو اس سے انکار کی کوئی

وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ وقت کے بڑے بڑے جلیل القدر علما و مشائخ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی رائج شدہ اصطلاح کو درست قرار دیا، اسے نجات و سلامتی کا راستہ سمجھا، اسے سنیت کی علامت و پہچان بتایا، ایسا نہیں ہے کہ ان علما نے عقیدت میں ڈوب کر ایسا کہایا لکھا وہ اسکی اہمیت و افادیت کو بخوبی سمجھتے اور جانتے تھے۔ جن علما کی نظروں میں مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت واضح و آشکارا تھی ان میں سے اکثر علماء نے اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی کو قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا وہ اعلیٰ حضرت کی مرکزیت کو بھی تسلیم کرتے تھے اور ان کی علمی عظمت و برتری کو بھی، جس داعیہ کی بنا پر مسلک اعلیٰحضرت کہا جانے لگا تھا وہ اس کی صداقت و حقانیت کو بھی جانتے تھے۔ جن اکابر علماء و مشائخ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی واقعیت و سچائی کو تسلیم کیا ہے ان کے بعض اقوال و اسماء یہ ہیں۔

✪ میرا مسلک شریعت و طریقت میں وہی ہے، جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔

حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں

✪ دین اسلام و مذہب اسلام کا سچا خلاصہ مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

شیر بیشۂ اہل سنت مولانا مفتی حشمت علی خان صاحب

✪ میں مسلک اہل سنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی

✪ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کا مسلک بالکل حق اور جو ان کے طریقے پر ہے وہی ٹھیک ہے۔

ملک العلماء مولانا مفتی ظفر الدین بہاری

✪ فقیر کا اور فقیر کے آباء و اجداد کا وہی مسلک ہے جو مسلک، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے۔

ابو البرکات مولانا مفتی سید احمد قادری

✪ اعلیٰ حضرت کے مسلک و تحقیقات میں کس کا زہرہ ہے جو جرأت لب کشائی کر سکے۔

مولانا مفتی مظہر اللہ نقشبندی، مفتی اعظم دہلی

✪ وہ میرا مرید نہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ہے۔

مولانا مفتی احمد سعید کاظمی

✪ مذہب حق اہلسنت جسکا معیار اس زمانے میں حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تصانیف ہیں۔

مولانا سید شاہ مصباح الحسن چشتی

✪ میرا جو مرید مسلک اعلیٰ حضرت سے ذرا بھی ہٹ جائے تو میں اس کی بیعت سے بیزار ہوں۔

احسن العلماء مولانا مفتی سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن

✪ مسلک اعلیٰ حضرت واقعۃً مسلک اہل سنت و جماعت کا دوسرا نام ہے۔

تاج الشریعہ مولانا مفتی اختر رضا خان ازہری

✪ سارے فرقہائے باطلہ کے مقابلے میں اپنی دینی و جماعتی شناخت کے لئے ہمارے پاس بریلوی یا مسلک اعلیٰ حضرت سے زیادہ جامع کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے۔

رئیس القلم علامہ ارشد القادری

یاد رکھو یہ وہی علماء ہیں جنہیں سواد اعظم اہل سنت کی طاقت و آبرو سمجھا جاتا ہے اگر ان کے کردار و عمل پر رائے زنی یا انگشت نمائی کی جائے گی تو سواد اعظم اہل سنت کے پاس مسلکی ایقان و اذعان کا کونسا سرمایہ رہ جائے گا گویا کہ انہیں

بے وقعت و بے وزن ثابت کرنا اپنا ہی گھر کھودنے کے مترادف ہے۔ وہ انسان بڑا نادان و کمتر سمجھا جاتا ہے جو اپنے اکابر کی ہڈیوں پر اپنی ہوس کا تاج محل تعمیر کرنا چاہتا ہو، تاریخ ایسے شخص کو معاف نہیں کرے گی۔

آخر میں عرض یہ ہے کہ حقائق و شواہد کے اجالوں کے باوجود اگر کوئی مسلک اعلیٰحضرت کو چھوڑ کر ذہنی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو وہ ان اقوال علماء کو دیکھ کر شاہراہ عمل متعین کر سکتا ہے۔ یہ علما مذہب حق کے ترجمان یعنی مسلک اعلیٰحضرت کے محافظ و پاسبان ہیں انہوں نے آخری دم تک مسلک اعلیٰحضرت کے فروغ و ترقی میں سعی بلیغ فرمائی، اس کی ترویج و اشاعت کو منشور حیات قرار دیا مشربی تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہو کر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ علما بھی علم و فضل کے درخشندہ آفتاب و ماہتاب ہیں، مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے ان کے اقوال و فرامین آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، آنے والی نسلوں کیلئے یہ ایک دستور حیات اور لائحہ عمل ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ نہ شرعی طور پر مسلک اعلیٰ حضرت کہنے میں کوئی قباحت وممانعت ہے۔ نہ عرفی طور پر کوئی خرابی، بلکہ یہ کہنا وقت کی اہم ضرورت اور وقت کا عین تقاضا ہے تاکہ اپنے کو سنی حنفی کہلانے والے مبتدعین و بدعقیدے، اہلسنت و جماعت سے علیحدہ رہیں اور سنیوں کا تشخص و امتیاز قائم و برقرار رہے۔ یاد رکھو جس قوم کا امتیازی نشان و شعار مٹ جاتا ہے تاریخ کے صفحات سے اسکا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے۔ اور وہ قوم دوسروں کی دست نگر و محتاج ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں میں جب تک اسلامی رجحان و تشخص باقی رہا وہ دور سے پہچانے جاتے رہے ان کا وقار و وزن بحال رہا ان کی ہیبت و خوف سے زمانہ کانپتا رہا اور ان کے دشمن لرزہ براندام رہے۔ مگر جب سے انہوں نے اسلامی لبادہ اتار کر غیروں کا طرز عمل اپنایا، اپنی مذہبی نشانیوں کو کھودیا، شکل وصورت بدل دی تو دشمنوں کے دلوں سے ان کا رعب وجلال نکل گیا اور وہ مغلوب و مرعوب ہو گئے پھر جو ان کے دشمن و بد خواہ تھے وہی ان کی تقدیر کا فیصلہ کرنے لگے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنے عہد میں مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا، خود کو مضبوط و خود کفیل کرنے کی تدابیر بتائیں۔ فروغ دین و مذہب کیلئے موثر و مفید تجاویز پیش کیں کمزوروں کو سہارا دینا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ انہوں نے سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے اپنی بصیرت و دانائی سے مسلمانوں کے ہاتھ مضبوط و مستحکم کئے انہیں اسیر قسمت ہونے سے بچایا۔ یہی وجہ ہے کہ دلوں کے آفاق پر آج بھی ان کی حکمرانی ہے۔ علمی دنیا کیلئے ان کا وجود ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ دنیا کو آج امام احمد رضا کی ضرورت ہے ان کا نام سنیت وحقانیت کی ضمانت ان کا پیغام وقت کی آواز ہے۔ ہمارے فکر و خیال میں وہ ہم سے تو قریب ہیں ہی ہمیں ان سے قریب ہونے کی ضرورت ہے۔ دین و ایمان کے رہزنوں، مبتدعین زمانہ اور گستاخان رسول کو اپنے سے دور رکھنے کے لئے امام احمد رضا کا نام مثل منتر ہے اور اپنوں کو متحرک و بیدار اور راہ حق پر گامزن و ثابت قدم رکھنے کے لئے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ ایک موثر تدبیر ہے۔

مذہب اہل سنت پابندہ باد
مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد

❁❁❁

امام احمد رضا اور علوم عقلیہ

حضرت مولانا مفتی شبیر حسن رضوی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات جامع کمالات ومجموع الصفات ہے موصوف گرامی کی ذات بابرکات عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں ان کے علم و عرفاں سے دنیائے سنیت وعالم اسلام کا گوشہ گوشہ روشن ومنور ہے ارباب علم ودانش واصحاب تحقیق نے مختلف جہات سے قوم کے سامنے اس نادر روزگار ہستی کو پیش کیا مگر حق تعارف کما حقہ اب تک ادا نہ ہوسکا اس نابغۂ روزگار شخصیت کو جس علم میں جس جہت وحیثیت سے بھی دیکھا جائے وہ اس حیثیت وجہت سے اس فن میں امام ہی نہیں بلکہ امام الائمہ معلوم ہوتے ہیں مفسر کی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو بلا شبہ وہ رئیس المفسرین فی العصر نظر آتے ہیں اس فن میں امام موصوف کی گیارہ کتابیں ہیں (ماہنامہ المیزان امام احمد رضا نمبر) اور محدث کی جہت سے پرکھا جائے تو وقت کے امام بخاری ومسلم دکھائی دیتے ہیں۔ حدیث واصول حدیث میں امام موصوف کی ترپن کتابیں ملیں گی (ماخوذ از فہرست امام احمد رضا نمبر) علم تصوف کے اعتبار سے معلوم کیا جائے تو گروہ بزم صوفیاء کی شمع فروزاں نظر آتے ہیں سچ فرمایا حضرت علامہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کہ

ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہلِ طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرخیل جمعِ اولیاء تم ہو

تصوف واخلاق واذکار میں امام موصوف کی تصانیف وحواشی ملا کر انیس کتابیں ملیں گی (از امام احمد رضا نمبر) فقہی حیثیت سے دیکھا جائے تو اپنے وقت کے امام اعظم دکھائی دیتے ہیں فقہی بصیرت وذہانت کا یہ عالم تھا کہ بعض علماء نے یہاں تک فرمایا اور سچ فرمایا کہ امام احمد رضا اگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں ہوتے تو ان کے صاحبان کرام سے ہوتے اس باب میں امام موصوف کی کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے اس کی شہادت کے لئے فتاویٰ رضویہ شریف کی جلد اول ہی کافی ووافی ہے، ہزارہا ایسے مسائل شرعیہ دینیہ ہیں جو ان کی فقہی بصیرت کاملہ وذہانت صافیہ کے آئینہ دار ہیں۔ ادب ونحو وصرف ولغت کے لحاظ سے انہیں دیکھئے تو وقت کے امام النحو والصرف ادیب اریب نظر آتے ہیں۔ آٹھ برس کی مبارک عمر میں نحو کی مشہور کتاب ہدایۃ النحو، کی شرح بزبان عربی تحریر فرمائی ہے ان ابواب میں امام موصوف کی بارہ کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں (ماخوذ از امام احمد رضا نمبر) نعت گوئی وشعر وشاعری

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ روناہی، فیض آباد (یوپی)

کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نعت گوئی میں حسان الوقت نظر آتے ہیں جس کے لئے ان کا دیوان اور عربی و فارسی اور اردو کے بہت سے دیگر کلام شاہد عدل ہیں ان کے قصیدۂ نونیہ کا یہ عربی شعر کتنا فصیح و بلیغ ہے۔

خالق کل الوریٰ ربک لاغیرہ

نورک کل الوریٰ غیرک لم لیس لن

اور علوم عقلیہ کے اعتبار سے جب انہیں دیکھا جاتا ہے تو جملہ علوم عقلیہ میں امام الکل فی الکل نظر آتے ہیں علوم ریاضیہ ہندسیہ میں تو اتنا بلند مقام تھا کہ صدہا قواعد وضوابط امام موصوف نے خود ایجاد فرمائے ہیں کہ اقلیدس بھی اگر دیکھے تو محو حیرت ہو جائے امام موصوف خود کتاب مستطاب "الکلمۃ الملہمہ" کے صفحہ ٦ پہ رقمطراز ہیں فقیر کا درس بحمدہ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا اس کے بعد چند سال تک طلبا کو پڑھایا فلسفۂ جدیدہ سے تو کوئی تعلق ہی نہ تھا علوم ریاضیہ و ہندسیہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع تفریق ضرب، تقسیم کے چار قاعدے کہ بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے اور صرف شکل اول تحریر اقلیدس کی وبس، جس دن یہ شکل حضرت اقدس حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے پڑھی، اور اس کی تقریر حضور میں کی ارشاد فرمایا تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو ان علوم کو خود حاصل کرلو گے، اللہ عزوجل اپنے مقبول بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے حسب ارشاد سامی بعونہ تعالیٰ فقیر نے حساب و جبر و مقابلہ ولوگارثم وعلم مربعات وعلم مثلث کروی وعلم ہیئت قدیمہ وہیأت جدیدہ، وزیجات وارثماطیقی وغیرہا من تصنیفات فائقہ وتحریرات رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کئے۔ تحدثا بنعمۃ اللہ تعالیٰ، یہ بحمد اللہ تعالیٰ اس ارشاد اقدس کی تصدیق تھی کہ ان کو خود حل کرلو گے، فلسفۂ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درس نظامی اعلیٰ حضرت قدس سرہ الشریف سے پڑھی اور چند روز طلباء کو پڑھائی مگر بحمد اللہ تعالیٰ روز اول سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی سرکار ابد قرار بارگاہ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ سے دو اس خادم ہیچکارہ کے سپرد ہوئیں افتاء اور رد وہابیہ انہوں نے مشغلہ تدریس بھی چھیڑایا اور آج پینتالیس برس سے زائد ہوئے کہ بحمد اللہ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رخ نہ کیا نہ اس کی کسی کتاب کو کھول کر دیکھا اب اخیر عمر میں سرکار نے اپنے کرم بے پایاں کا صدقہ بندۂ عاجز سے یہ خدمت لی کہ دونوں فلسفوں کا رد کرنے اور ان کی قباحتوں شناعتوں، حماقتوں، ضلالتوں پر اپنے دینی بھائیوں طلبۂ علم کو اطلاع دے ناظرین والاتمکین اہل انصاف ودین سے امید ہے کہ حسب عادت متفلسفہ ثم ولانسلم وانکار واضحات وتشکیک بے ثبات فارغ مجادلات کو کام میں نہ لائیں۔ ان کے اجلہ اکابر ماہرین ابن سینا سے جونپوری مصنف شمس بازغہ تک کون ایسا گزرا ہے جس پر ہمیشہ رد وطرد نہ ہوتے رہے فلسفۂ مزخرفہ کا شیوہ ہی یہ ہے کہ

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

رفت ومنزل بدیگرے پرداخت

یہ چند اوراق تو اس کے قلم کے ہیں جس نے ابتدا ہی سے فلسفہ کو سخت مکروہ جانا اور صرف دو چار کتابیں درس میں

پڑھ کر دو ایک بار پڑھا کر جو چھوڑا تو پینتالیس سال سے زائد ہوئے کہ اس کا نام نہ لیا لغو وفضول ابحاث کی حاجت نہیں بنگاہ ایمانی اصل مقاصد کو دیکھئے اگر حق پایئے تو ابن سینا اور اس کے احزاب کی بات زبردستی بنانے کی ضرورت نہیں" وبالله العصمة والله بقول الحق وهويهدى السبيل وحسبنا الله ونعم الوكيل" اس کی تقریب یوں ہوئی، ۸؍صفر ۳۸ھ ولد اعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین بہاری اعلیٰ مدرس عالیہ شہسرام جعلہ اللہ کاسمہ نے ایک سوال بھیجا کہ امریکہ کے کسی مہندس نے دعویٰ کیا ہے کہ ۱۷؍دسمبر ۱۹۱۹ء کو اجتماع سیارات کے سبب آفتاب میں اتنا بڑا داغ پڑے گا کہ اس کے باعث زلزلے آئیں گے طوفان شدید آئے گا ممالک برباد کردیئے جائیں گے یہ ہوگا وہ ہوگا غرض قیامت کا نمونہ بتایا تھا یہ صحیح ہے یا غلط اس کا جواب چند ورق پر دے دیا گیا کہ یہ محض اباطیل بے اصل ہیں نہ وہ اجتماع سیارات اس تاریخ کو ہوگا جس کا وہ مدعی ہے نہ جاذبیت کوئی حقیقت رکھتی ہے اس کی ضمن میں بعض دلائل رد حرکت زمین کے لکھے جب انہیں طویل ہوتے دیکھا جدا کر لئے اور فلسفۂ جدیدہ میں بعونہ تعالیٰ کامل وکافل کتاب فوز مبین لکھی اس کی تذئیل نے رد فلسفۂ قدیمہ کی تقریب کی جسے اس سے جدا کر کے بحمدہٖ تعالیٰ یہ کتاب "الكلمة الملهمة" تیار ہوئی والحمد للہ رب العالمین، امام موصوف کی تصانیف منیفہ علوم عقلیہ میں تقریباً بانوے تک پہنچتی ہے فہرستوں میں کچھ اختلاف نظر آتا ہے بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم عقلیہ میں امام موصوف کی تصانیف اٹھتر ہیں اور ماہنامہ المیز ان امام احمد رضا نمبر کی فہرست کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں تصانیف بانوے ہیں، صحیح تعداد جو بھی ہو وہ بہت زیادہ ہیں اور ان سب علوم میں آپ کی جملہ تصانیف وتالیفات وحواشی آپ کے تبحر وجامعیت پر شاہد عدل ہیں اور حضرت ملک العلماء علامہ مولانا ظفر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان نے حیات اعلیٰ حضرت میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت کو اتنے کثیر علوم کا جامع بنایا کہ آپ نے پچاس فنون میں تصنیفات فرمائیں اور شیر بیشۂ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت علامہ مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے ترجمان اہلسنت، میں تحریر فرمایا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات مبارکہ ایک ہزار سے زائد ہیں، اور امام اہلسنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ارشادات جمیلہ وجلیلہ اور حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے حیات اعلیٰ حضرت میں تبصرے سے واضح ہوجاتا ہے کہ امام موصوف کے حواشی دیگر مصنفین کے متون وشروح وحواشی سے ماخوذ نہیں ہیں بلکہ خود آپ کے افادات واضافات ہیں" وذالک فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم"

تیری شانِ عالمانہ نے یہ ثابت کردیا
تجھ کو زیبا ہے امامت سیدی احمد رضا

امام موصوف کو علوم عقلیہ میں کس قدر دستگاہ کامل اور مہارت تامہ حاصل تھی اس کا اندازہ ان کی نادر وبے نظیر تصانیف کے مطالعہ سے اہل نظر وفکر وصاحب بصیرت کو ہی ہوسکتا ہے جو آپ نے ان علوم میں ارقام فرمائی ہیں اور تحقیقات انیقہ وتدقیقات بدیعہ کے جواہر پیش فرمائے ہیں یہ تھا امام احمد رضا قدس سرہ کا اجمالی تعارف اور ان کی ظاہری

زندگی کا مختصر خاکہ جو ہدیۂ ناظرین کیا گیا اگر ان کی حیات عدیم المثال وفقید النظیر کے تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث کی جائے اور ان کی جملہ خدمات کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا کہ

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو
عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صورت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو
جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیاء تم ہو
ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرخیل جمع اولیاء تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکنافِ عالم میں
امامِ اہلِ سنت نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

چوں کہ حقیر فقیر گدائے باب رضا گو امام موصوف کی ذات مجمع الصفات پر منطقی وفلسفی حیثیت سے کچھ روشنی ڈالنا اور ان کا قدرے تعارف مقصود ہے اس لئے آئندہ صفحات میں علم منطق وفلسفہ کے بعض اہم مسائل پر امام الکل فی الکل کی تحقیقات نادرہ کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

اگر امام موصوف کی بارگاہ عالی جاہ میں یہ حقیر نذرانہ قبول ہوگیا تو یہی میری قسمت کی معراج ہوگی، انشاء اللہ۔

منطق وفلسفہ میں امام موصوف کو اس درجہ کمال تبحر حاصل تھا کہ منطق وفلسفہ ہی سے مناطقہ وفلاسفہ کے اکثر اصول مخترعہ واصطلاحات مزخرفہ کو باطل فرمایا، درس نظامیہ میں جو کتب منطق داخل نصاب تھیں اور ہیں ان کتب میں علم کی تعریفات جو کی گئی ہیں وہ پانچ یا چھ تعریفات ہیں کسی نے ''حصول صورۃ الشی فی العقل'' کو علم کہا ہے کسی نے ''الصورۃ الحاصلہ من الشئ عند العقل'' کو علم کہا ہے کسی نے ''الحاضر عند المدرک'' کو علم کہا ہے کہ کسی نے ''الاضافۃ الحاصلۃ بین العالم والمعلوم'' کو علم کہا ہے اور کسی نے علم کی تعریف یوں کی ہے کہ ''قبول النفس لتلک الصورۃ'' کو علم کہتے ہیں اور شئی کی صورت کے ذہن وعقل میں حاصل ہونے کے بعد ایک انجلائی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے حالت ادراکیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی حالت ادراکیہ کو بعض لوگوں نے علم کہا ہے ان سب تعریفات میں کیا خرابیاں وخامیاں ہیں کتنے ایرادات ہیں علامہ فضل امام، صاحب مرقات کے پوتے علامہ عبدالحق علیہما الرحمہ نے شرح مرقات میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اس فقیر نے بھی پہلی پانچ تعریفوں کی کچھ خرابیاں وخامیاں اپنی تالیف امام احمد رضا اور علوم عقلیہ میں ذکر کی ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ علم کے جتنے معانی بیان کئے گئے ہیں کوئی بھی نقص وایراد سے خالی نہیں ہر ایک معنیٰ وتعریف پر کسی نہ کسی طرح سے ایراد واعتراض وارد ہوتا ہے یہ تو ان تعریفات ومعانی کا حال ہے کہ جن پر فلاسفہ ومناطقہ کو اعتماد ہے اور ان کے نزدیک دائر وسائر ومشہور ومعروف ہیں پھر غیر مشہور معانی کا کیا حال ہوگا؟ اسی سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں، مگر محقق وقت امام احمد رضا قدس سرہ نے جو علم کی تعریف کی ہے اتنی جامع ومانع ہے کہ کسی قسم کا کوئی نقض واعتراض نہیں وارد ہوتا ہے اور مناطقہ کا یہ اختلاف کہ علم حصول صورت کا نام ہے یا

زوال صورت کا نام ہے اس بارے میں بھی امام موصوف کی بیان کردہ تعریف قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے اب آیئے ایک سوال کے جواب میں امام کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے:

عرض:۔ باری تعالیٰ کا علم قبل مخلوقات فعلی تھا وہ کس صورت سے تھا؟

ارشاد:۔ یہ لفظ آپ نے فلاسفہ کا کہا کہ وہ علم الٰہی کو فعل وانفعال کی طرف منقسم کرتے ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک اللہ انفعال سے پاک ہے اور علم الٰہی صورت سے منزہ ہے جیسے اس کی ذات کی کنہ کوئی نہیں جان سکتا یوں ہی اس کی صفات کی۔ فلاسفہ نے جو کہا کہ علم نام صورت حاصلہ عند العقل کا ہے غلط ہے ان سفہا نے اصل وفرع میں فرق نہ کیا علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے نہ کہ حصول صورت سے علم، علم وہ نور ہے کہ جو شئی اس کے دائرے میں آگئی منکشف ہوگئی اور جس سے متعلق ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی جب فلاسفہ اپنے علم کو نہ پہچان سکے علم الٰہی کو کیا پہچانیں گے حق سبحانہ تعالیٰ ذہن وصورت وارتسام ونور عرضی سب سے منزہ ہے نہ اس کا علم حضور معلوم کا محتاج اس کا علم حضوری وحصولی دونوں سے منزہ ہے اس کا علم اس کی صفت قدیمہ قائمہ بالذات لازم نفس ذات ہے اور کیف سے منزہ وہاں چوں چگوں وچراں وچساں کا دخل نہیں ہم نہ اس کی ذات سے بحث کرسکتے ہیں اور نہ اس کی کسی صفت سے حدیث میں فرمایا ''تفکروا فی الاء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ فتہلکوا'' اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو کہ ہلاک ہوجاؤ گے اس کی صفات میں فکر ذات ہی میں فکر ہے ادراک کنہ صفات بے ادراک کنہ ذات ممکن نہیں کہ اس کی صفات کو کسی موطن میں ذات سے جدائی محال اسی لئے انہیں لا عین ولا غیر کہا جاتا ہے اور کنہ ذات کا ادراک مخلوق کو محال ہے۔ محال کہ وہ لکل شئی محیط ہے کوئی اسے محیط نہیں ہوسکتا لاجرم کنہ صفات کا بھی ادراک محال حق یہ ہے کہ ''وان افناک المفتون'' اپنی حقیقت تو جانتے نہیں اللہ تعالیٰ کی کنہ میں کلام کریں گے'' انتہی الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۵۴،۵۵۔

اہل نظر وفکر ملاحظہ فرمائیں کہ علم کی یہ تعریف مذکورہ ارسطاطالیس سے ابونصر فارابی وبوعلی سینا ونصیرالدین طوسی اور ملا محمود صاحب شمس بازغہ تک بلکہ سارے مناطقہ وفلاسفہ کے نزدیک مسلم اور ان کے درمیان دائر سائر تھی لیکن محقق وقت امام موصوف نے ایسی علمی گرفت فرمائی کہ ایک ہی جملے میں سارے تانے بانے بکھیر کر رکھ دیئے اور تعریف مذکور کو بایں طور غلط وباطل ثابت کردیا کہ علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے نہ کہ حصول صورت سے علم ہوتا ہے یعنی علم نہ ہو تو حصول صورت کیسے ہوسکتا ہے اسی لئے امام موصوف نے فرمایا کہ ان سفہا نے اصل وفرع میں فرق نہ کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں اصل وفرع کی تمیز ہی نہ ہوسکی تو فرق کیا کرتے؟ یہ ہے امام موصوف کی تحقیق انیق ورشیق کہ ان کی ساری تحقیقات پر پانی پھیر دیا۔

محقق وقت امام احمد رضا قدس سرہ کی دوسری تحقیق ملاحظہ فرمایئے فلسفیوں نے انسان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ''الانسان ھو حیوان ناطق'' انسان حیوان ناطق کو کہتے ہیں اور حیوان کی تعریف کی ہے ''الحیوان ھو جسم نام

حساس متحرک بالارادۃ ’’حیوان جسم نامی حساس متحرک بالارادہ کو کہتے ہیں اور ناطق کی تعریف متقدمین فلاسفہ نے یوں کی ہے’’**الناطق ھو مدرک الکلیات والجزئیات**‘‘ ناطق کلیات وجزئیات کے ادراک کرنے والے کو کہتے ہیں منطق کی ساری کتابوں میں انسان وحیوان کی یہی تعریفیں ملتی ہیں فلاسفہ حیوان کو انسان کی جنس اور ناطق کو فصل کہتے ہیں، انسان وحیوان کی مذکورہ تعریفات پر ہمارے متکلمین حجۃ الاسلام امام غزالی ورئیس المتکلمین امام رازی وغیرہما علیہم الرحمۃ والرضوان نے بہت سے اعتراضات کئے ہیں لیکن امام موصوف کی تحقیقات اور ان کے اعتراضات ہی کچھ نرالے ہیں، ہم نے اپنی کتاب امام احمد رضا اور علوم عقلیہ میں غزالی ورازی علیہما الرحمہ کے اعتراضات وایرادات کو ذکر کردیئے ہیں امام موصوف انسان وحیوان کی تعریفات سے متعلق فرماتے ہیں:

شدت اختلاط وعدم تمایز بحد اتحاد نے سفہا فلاسفہ کو دھوکا دیا جو ہمیشہ تدقیق کے نام پر جان دیئے اور فضول تعمقات کو تحقیق جانتے ہیں وہ بھی کہاں خاص مقام تحدید میں انسان کی تعریف کربیٹھے، حیوان ناطق حالانکہ حیوانیت بدن کے لئے ہے کہ وہی جسم نامی اور ناطق ومدرک روح بلکہ حیوان کی تعریف میں بھی خلط ہے جسم نامی متحرک بدن ہے اور حساس ومریدہ روح انتہی۔ (حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۳۳۶)

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں انسان کی اس وقت تک حقیقت فلاسفہ کو معلوم نہیں انسان کی تعریف کرتے ہیں حیوان ناطق حیوان کی تعریف کرتے ہیں جسم نامی، حساس، متحرک بالارادہ اور ناطق کی مدرک کلیات وجزئیات اگرچہ یہ بھی ان کے متاخرین کی رفوگری ہے ان سفہا نے تو آوازوں پر حدود رکھیں تھی گھوڑا حیون صاہل ہنہنانے والا جانور، گدھا حیوان ناہق رینگنے والا جانور انسان حیوان ناطق کلام کرنے والا جانور، انہوں نے ناطق کے معنی گڑھے مدرک کلیات وجزئیات جیسے اصلاً زبان عرب مساعد نہیں، خیر یوں ہی سہی انسان نام بدن کا ہے یا نفس ناطقہ یا دونوں کے مجموعہ کا، اول ناطق نہیں کہ ادراک کلیات شان نفس ہے نہ کار بدن، دوم حیوان نہیں کہ نفس ناطقہ جسم ہے نہ نامی نہ ان کے نزدیک متحرک، سوم نہ حیوان ہے نہ ناطق کہ حیوان ولاحیوان کا مجموعہ لاحیوان ہوگا اور ناطق ولاناطق کا لاناطق، غرض واقع میں کوئی شی ایسی نہیں جس پر حیوان وناطق بمعنیٰ مذکور دونوں صادق ہوں یہ ہے ان کا خود اپنی حقیقت کا ادراک سے عجز

ع تواز جان زندہ وجاں راندانی

پھر کنہ ذات وصفات میں کلام کیسا جہل شدید وضلال تام ہے، حق یہ ہے کہ انسان روح متعلق بالبدن اور روح امر رب سے ہے اس کی معرفت بے معرفت رب نہیں ہوسکتی، اسی لئے اولیاء فرماتے ہیں’’**من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**‘‘جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے ضرورا پنے رب کو پہچان لیا یعنی معرفت نفس اسی وقت حاصل ہوگی جب پہلے معرفت رب ہولے، زندیق لوگ اسے اس پر حمل کرتے ہیں کہ نفس ہی رب ہے اور یہ کفر خالص ہے’’**قل الروح**

من امر ربی ‘‘ نہ کہ معاذ اللہ ربی، انتہی الملفوظ حصہ دوم ۵۵۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے جس طرح مناطقہ کی بیان کردہ تعریفات انسان وحیوان وناطق کو عقلاً باطل وغلط ثابت کردکھایا ہے اسی طرح شرعاً بھی یہ ثابت کردیا ہے کہ مذکورہ تعریفات باطل، عاطل ہیں شرعی نقطۂ نظر سے ناطق ہونے میں انسان کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر شئی ناطق ہے سائل نے سوال کیا۔عرض:۔کیا حضور حیوانات بھی ناطق ہیں؟

ارشاد:۔ بلاشبہہ۔

عرض:۔ انسان کو اور حیوان سے تمیز ناطق ہی سے تھی ناطق ہی فصل ہے اور فصل کا دوجنسوں میں اشتراک محال

ارشاد:۔ یہ تمیز کس کے نزدیک ہے جاہل فلاسفہ حمقاء کے نزدیک۔ ہر شئی ناطق ہے، شجر حجر دیوار ودر سب ناطق ہیں نص ہے۔’’قالوا نطقنا اللہ الذی انطق کل شیٔ ‘‘ اعضا کہیں گے کہ ہم کو اللہ نے ناطق کیا جس نے ہر شئی کو ناطق کردیا اور نصوص کا ان کے ظواہر پر حمل واجب بلاضرورت ان میں تاویل باطل ونامسموع ’’وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم ‘‘ کوئی شئی ایسی نہیں کہ اللہ کی تسبیح وتحمید نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو، ہر شئی مکلّف ہے، حضور اقدس ﷺ پر ایمان لانے اور خدا کی تسبیح کے ساتھ۔انتہی، الملفوظ حصہ چہار صفحہ۷۲۔

امام موصوف قدس سرہ کی بارگاہ میں المنطق الجدید نامی کتاب سے متعلق ایک استفتاء ۱۳۰۴ھ میں آیا اس کتاب کے مصنف نے اس کتاب کی تعریف میں لکھا ہے کہ کتاب فرشتہ اثر بلکہ فرشتہ ہے اور صیقل ذہن کے لئے عجب اکسیر اعظم ونافع کبیر ہے اور اس کے مضامین کو اکتناہِ حقائق وتدقیق فصیح وتحقیق صریح سے تعبیر کیا اور اس کا نام المنطق الجدید لناطق النالہ الحدید رکھا آیا یہ اقوال شرعاً صحیح یا باطل اور اس نام میں کوئی محذور شرعی ہے یا نہیں؟

اس کتاب وصاحب کتاب مذکور کے رد وابطال میں امام وقت امام الکل فی الکل نے مقامع الحدید علیٰ خدا لمنطق الجدید نامی کتاب مستطاب تصنیف فرمائی (یعنی لوہے کے گرز منطق جدید کے رخسار پر) جس میں دلائل شرعیہ وعقلیہ سے مصنف کی ساری قابلیت اور مسائل منطقیہ وفلسفیہ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں، کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے مومن کا ایمان تازہ ہوجائے گا اور وہ مسائل فلسفیہ جو شرع مطہر سے متصادم ہیں ان سے دور نفور ہوجائے گا اور خاص فلسفۂ قدیم مزخرفہ کے رد وابطال میں امام موصوف کی کتاب مستطاب مستقل ہے جس کا ذکر امام نے خود فرمایا ہے، اس میں فلاسفہ کے مزعومات باطلہ کی تفصیل سے ہر ہر مسئلہ کا ازہاق وابطال کیا ہے اور فلسفۂ مزخرفہ کی پوری بنیاد وعمارت ڈھادی ہے۔ فلسفہ کا پہلا مسئلہ جزء لایتجزیٰ کا ابطال ہے اور اسی ابطال جز پر فلاسفہ کے اکثر مزعومات مبنی ہیں جزء لایتجزیٰ کا جسے ایٹم کہا جاتا ہے اس کے ابطال سے فلاسفہ کا منشاء اور ان کا مقصود ہے کہ اجسام کی ترکیب ہیولیٰ وصورت سے ثابت کریں اور پھر اسی سے عالم کی قدامت، اہل اسلام کے نزدیک باری تعالیٰ کی ذات پاک اور اس کی صفات پاک کے سوا کوئی شئی قدیم نہیں قدامت ذات وصفات باری عزشانہ کو زیبا ہے اور کائنات عالم کا ایک ایک ذرہ اور ہر فرد حادث ہے مخرج من العدم ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ’’بدیع السموات والارض ‘‘ مولیٰ تعالیٰ

سارے آسمان وزمین کو از سر نو وجود بخشنے والا ہے نیز حدیث شریف میں ارشاد ہے کان اللہ ولم یکن معہ شیٔ اللہ تھا اور اس کی ذات وصفات کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا فلاسفہ ھیولیٰ کو قدیم کہتے ہیں اور ھیولیٰ وصورت دونوں میں تلازم مانتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جاسکتے لہٰذا دونوں قدیم ہیں اور ھیولیٰ وصورت کے مجموعہ کو جسم کہتے ہیں۔ لہٰذا اجسام قدیم ہیں اور ان کے نزدیک خلا محال ہے لہٰذا سارا عالم قدیم ہے اور یوں ہی عالم کی قدامت ثابت کرنے کا فلسفیوں کا ایک دوسرا بھی طریقہ ہے چوں کہ ان کے یہاں زمانہ قدیم ہے ازلی اور ابدی سرمدی ہے اس کی بدایت وغایت نہیں، زمانہ ان کے یہاں حرکت فلکیہ کے مقدار کا نام ہے لہٰذا حرکت فلکیہ قدیم ہے تو جب حرکت قدیم ہے تو جس کی یہ مقدار حرکت ہے یعنی فلک الافلاک تو فلک الافلاک بھی قدیم ہے کہ عرض کا وجود بغیر جوہر وجسم کے نہیں ہوسکتا اور چوں کہ خلا محال ہے اس لئے نیچے کے افلاک وعناصر سب قدیم ہیں لہٰذا سارا عالم قدیم ہے نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے نزدیک جزءلایتجزیٰ باطل نہیں ''الکلمۃ الملہمہ'' کے اکتیسویں مقام کے موقف اول میں فرماتے ہیں کہ جزء لایتجزیٰ باطل نہیں یہ وہ مسئلۂ علم کلام ہے جسے نہایت پست حالت میں سمجھا بلکہ اس کے بطلان پر یقین کلی کیا جاتا ہے فلاسفہ اس کے ابطال پر چمک چمک کر دلائل حتیٰ کہ بکثرت براہین ہندسیہ قائم کرتے ہیں عقلی تمسک میں بیان ہندسی سے زیادہ اور کیا ہے؟ جس میں شک وتردد کو اصلاً جگہ ہی نہیں رہتی اور متکلمین ان دلائل سے جواب نہیں دیتے اپنے سکوت سے ان کا لاجواب ہونا بتاتے ہیں تو گویا فریقین اس کے بطلان پر اتفاق کئے ہیں مگر بحمدہ تعالیٰ ہم واضح کردیں گے کہ اس کے رد میں فلاسفہ کی تمام حجتیں اور ہندسی براہنیں یادر ہوا ہیں وباللہ التوفیق۔

> یہ مقام چہار موقفوں پر مشتمل ہے موقف اول اس مسئلہ میں ابطال رائے فلسفی اور دربارۂ جز ہمارا مسلک، اقول وبربنا التوفیق یہاں ہمارا مسلک فریقین سے جدا ہے (ا) ہمارے نزدیک جزء لایتجزیٰ باطل نہیں خلافاً للحکماء لیکن دو جزؤں کا اتصال محال ہے خلافاً لظاہر ماعن جمہور المتکلمین ظاہر ہے کہ اتصال غیر تداخل ہے تو وہ یوں ہی ممکن ہے کہ ہر ایک میں شیٔ دون شیٔ جدا اطراف ہوں دونوں ایک ایک طرف سے باہم ملیں اور دوسری طرف سے جدا رہیں ورنہ تداخل ہوجائے گا اور جزء میں شیٔ دون شیٔ محال تو وہ اپنے نفس ذات سے آبی اتصال فلسفی کی تمام براہین ہندسیہ اور اکثر دگر دلائل اس اتصال ہی کو باطل کردی ہیں وہ خود ہمارے نزدیک نفس ملاحظۂ معنیٔ اتصال وجزء سے باطل ہے ان تطویلات کی کیا حاجت انتہیٰ ''الکلمۃ الملہمہ'' (ص۱۰۵تا۱۰۶)

پھر اس کے بعد محقق وقت امام موصوف نے ایسا محققانہ کلام نقضاً ومنعاً ومعارضۃً فرمایا ہے کہ فلسفی دم نہیں مارسکتا اور اس مسئلہ جزء لایتجزیٰ سے متعلق فلاسفہ نے کل انتیس دلیلیں دی ہیں آپ نے ہر ایک پر تفصیل سے بحث اور ہر ایک کا ردو از ہاق کیا ہے۔

اور متکلمین نے جزء لایتجزیٰ کے امکان پر جو دلائل قائم کئے ہیں ان کی اصلاح کی اور جزء لایتجزیٰ کا اثبات اور اس کا ثبوت قرآن عظیم کلام الٰہی سے پیش کی اور کلام الٰہی سے پیش کیا فلاسفہ ترجیح بلا مرجح مطلقاً باطل مانتے ہیں لیکن امام موصوف کے نزدیک اس کا بطلان مطلقاً درست نہیں مصدر اگر مرافت مصدریت پر ہو یا مبنی للفاعل ہو تو ہرگز محال نہیں بداہیۃً واقع ہے ہاں مبنی للمفعول ہو تو محال کہ وہی ترجیح بلا مرجح ہے اس کو امثلہ سے واضح فرمایا اور زمانہ کا حدوث دلائل قاطعہ وقاہرہ سے ثابت فرمایا اس بات میں متکلمین نے زمانہ کے حدوث پر پانچ دلیلیں دی تھیں ان میں جو کمی تھی اس کی اصلاح کی اور مزید پانچ دلائل کا اضافہ کیا اور تمام شکوک وشبہات کا فلاسفہ وفلسفیہ کے تاروپود بکھیر دیئے اس بحث کے اختتام پر امام موصوف فرماتے ہیں کہ رد فلسفۂ قدیمہ میں اگر میں اور کچھ نہ لکھتا تو یہی ایک مقام بہت تھا جس کا صاف ہونا فیض ازل نے اس عبد اذل کے ہاتھ پر رکھا تھا وللہ الحمد یہ ہیں وہ تیس مقام کہ اس تذئیل میں تھے بعونہ تعالیٰ دو کا بافاضہ اور اضافہ ہو کہ فلسفہ کی کوئی مہم مردود بات کے رد سے نہ رہ جائے انتہیٰ۔ الکلمۃ الملہمہ، ص ۱۰۵

فلاسفہ کے اصول مخترعہ سے ہے کہ الواحد لایصدر عنہ الاالواحد یعنی جو واحد محض ہو اس سے ایک ہی شئی کا صدور ہوسکتا ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ ایسا ہی واحد ہے لہٰذا اس نے صرف عقل اول کو پیدا کیا نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات الباطلہ۔

اور فلاسفہ دس عقلیں اور نو افلاک کے قائل ہیں امام موصوف نے اس قضیۂ نامرضیہ باطلہ عاطلہ پر بہت سے سوالات قاہرہ قائم فرمائے ہیں کسی ایک کا بھی جواب فلاسفہ سے نہ بن سکے گا فرماتے ہیں کہ فلاسفہ کا دعویٰ الواحد لایصدر عنہ الا الواحد خود ہی فرض محال وتناقض وجنون ہے الکلمۃ الملہمہ ص ۲۳۔ اور فرماتے ہیں کہ موثر من حیث ھو مؤثر کا واحد محض ہونا محال اور تم نے اسے ایسا ہی فرض کیا وصف عنوانی کے حکم ضمنی میں نقیضین کو جمع کرلیا یعنی وہ واحد محض کہ ہرگز واحد محض نہیں اس سے ایک ہی شئی صادر ہوگی ایسا جامع نقیضین خود ہی محال ہے نہ کہ اس سے کسی شئی کے صدور، عدم صدور کی بحث نہ کہ اس سے صدور واحد کی تجویز، تو استثنا کا حکم صریح بھی باطل...... انتہیٰ الکلمۃ الملہمہ ص ۲۶۔

یہ سب ایرادات ایسے ہیں کہ اپنے متکلمین حضرات کی کتابیں ان سے خالی ہیں یہ ہیں ماہرین فلاسفہ کے تمنطق وتفلسف کہ ان کے بوعلی سینا سے لے کر ملا محمود جونپوری تک اسی قسم کے بطالات کی پیروی کرتے آئے اور اب تک انہیں کچھ نہ مل سکا اسی لئے امام الکل فی الکل امام احمد رضا قدس سرہ نے المنطق الجدید کے آخر میں طلباء علوم اسلامیہ کو ہدایت فرماتے ہوئے فرمایا۔

عزیزو! میں نہیں کہتا کہ منطق اسلامیاں، ریاضی، ہندسیہ، وغیرہا اجزاء جائزہ فلسفہ نہ پڑھو، پڑھو، مگر بقدر ضرورت پھران میں انہماک ہرگز نہ کرو بلکہ اصل کار علوم دینیہ سے رکھو راہ یہ ہے اور آئندہ کسی پر جبر نہیں۔

واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم

فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ص ۳۰۹۔

تیری شان عالمانہ نے یا ثابت کردیا
تجھ کو زیبا ہے امامت سید احمد رضا

ملک العلما اور مسلک اعلیٰ حضرت

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری
9867801680/9699737343

اس عالم رنگ و بو کے افق پر کئی طرح کی ہستیاں ظہور ونمود کے جلوؤں سے آراستہ ہو کر تشریف لاتی ہیں، ان میں بعض وہ ہوتی ہیں، بڑائی ہفتہ چند ہفتہ، مہینہ چند مہینہ، سال چند سال، ان کے ساتھ رہ کر ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاتی ہیں اور بعض وہ ہوتی ہیں بڑائی جن کا جز ولاینفک بن جاتی ہے، انبیائے کرام و رسولان عظام کی تو خیر بات ہی اور ہے، صحابہ کرام کا کہنا ہی کیا ہے، دور تابعی سے لے کر اب تک ان گنت ہستیوں میں کچھ اسماء ایسے ہیں جو کل کی طرح آج بھی محفل محفل جگمگا رہے ہیں، ان میں خصوصیت کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ، اور شیخ لاثانی غوث اعظم جیلانی رضی اللہ عنہما کا نام لیا جا سکتا ہے بلکہ لیا جاتا ہے۔ دور حاضر میں مسلک امام اعظم کی بیش بہا خدمت اور مشرب غوث اعظم سے بے پناہ محبت کی برکت سے امام احمد رضا کا نام بھی از کراں تا بہ کراں مجلّٰی و منور ہے۔

امام احمد رضا ان دونوں بزرگوں کی نظر میں ایسے مقبول و محبوب ہیں کہ ان بزرگوں نے جیسے آپ کے نام کو اپنے نام کا ضمیمہ و تتمہ بنا لیا ہے۔ جیسے ان حضرات کا نام قلب قلب اور ذہن ذہن روشن ہے ویسے ہی امام احمد رضا کا نام بھی دل دل اور دماغ دماغ درخشاں ہے، اور امام احمد رضا کے مسلک سے سچی محبت کے صدقے میں امام احمد رضا کے جن تلامذہ و خلفاء کا نام افقِ شہرت کی زینت بنا ہوا ہے۔ ان میں شہزادگان والا شان کے مبارک نام کو چھوڑ کر ملک العلما کا نام سب سے زیادہ تاباں نمایاں اور فروزاں ہے۔ اور میں تو کہتا ہوں جس طرح امام اعظم اور غوث اعظم کے فیضان کرم سے امام احمد رضا کا نام دن بہ دن دمکتا اور چمکتا جا رہا ہے اسی طرح امام احمد رضا کے فیضان کرم سے ملک العلما کا نام دن بہ دن ابھرتا اور نکھرتا جا رہا ہے، جس طرح ان ناموں کے چراغ کو گردش ایام کی کوئی آندھی بجھا نہیں سکتی اسی طرح ان ناموں کی تابانی کو زمانے کی کوئی گرد دھندلا نہیں کر سکتی۔

میرے عنوان (ملک العلما اور مسلک اعلیٰحضرت) کی نسبت سے پہلے میں جزء اول "ملک العلما" پھر جزء ثانی

''اور مسلک اعلیٰحضرت'' پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا تاکہ جزء اول اور جزء ثانی دونوں کا ربط بھی آشکارا رہے، اور ایک کو سمجھ لینے کے بعد دوسرے کا سمجھنا بھی آسان ہو جائے۔

ملک العلماء

کسی دانشور کا قول ہے کہ ...... ''قدرت جب کونپل کونپلوں اور نازک غنچوں کی شگفتگی چاہتی ہے تو اس پر شبنم کے چھینٹے دے دیتی ہے'' ...... یہ قول حضرت ملک العلماء کی ذات پر بالکل فٹ بیٹھتا ہے ...... ملک العلما علوم وافکار کے بحر ذخار ...... اور شعور وادراک کے ہفت افلاک سے گزر کر امام احمد رضا کی رہگذر میں پہونچے تھے ...... وہ خالی دامن نہیں تھے، علم کے گل وغنچہ سے دامن گلزار بنا ہوا تھا ...... وہ سادہ لوح نہیں تھے، لوح ذہن پر قرآن وحدیث کے نقوش مسکرا رہے تھے۔ وہ تہی کشکول نہیں تھے، فقہ و آداب فقہ کے آب حیات سے کشکول حیات لبالب تھا، مگر قدرت کی مرضی یہ تھی کہ یہ کوکب دری، نیر درخشاں بن کے چمکے ...... یہ نوخیز کلی صحرا کو گلشن بنانے کے جوہر سے آراستہ ہو ...... یہ ذرہ رشک آفتاب وغیرت ماہتاب بن کر ابھرے، اب ایسے میں اس غنچے کی شگفتگی کے لئے پورے دیار ہند میں امام احمد رضا سے بڑھ کر کوئی دربار نہیں تھا۔ یہ وہ گلزار تھا جس میں ہر قسم کے پھول لہلہا رہے تھے ...... وہ دیکھئے تفسیر قرآن کا گلاب مسکرا رہا ہے، یہ دیکھئے حدیث مصطفیٰ کا شمشاد کھلکھلا رہا ہے ...... ادھر دیکھئے فقہ وتصوف کا دریا اچھل رہا ہے ...... ادھر دیکھئے اصلاح وتجدید کا ساگر مچل رہا ہے، یہ تشنہ کاموں کی بھیڑ ...... وہ پیاسوں کا جمگھٹ ...... یہ پروانوں کا ہجوم ...... وہ دیوانوں کا جھرمٹ، اور حیرت یہ ہے کہ سب کی نگاہوں کا مرکز ...... سب کی آرزوؤں کا موقف ...... سب کی جستجو کا قبلہ صرف ایک ذات ہے صرف ایک ذات ہے۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

وہ ذات بابرکات تھی امام اہلسنت، اعلیٰحضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کی ذات، یہاں پہنچ کر جو آپ نے فضل وکمال کی گھنگھور گھٹا کو تابڑتوڑ برستے دیکھا ...... قدسی صفات، نورانی صورت افراد و اشخاص دیکھے ...... قال اللہ وقال الرسول کی نغمگی سے متکیف فضا دیکھی تو آپ کو یوں لگا جیسے مسافر منزل سے ہم آغوش ہو گیا ہو ...... جیسے تشنہ لب ساحل کے قریب پہنچ گیا ہو ...... جیسے مریض کو مسیحا مل گیا ہو ...... آپ کی روح کو وہ قرار میسر آیا کہ نور وسرور کی چاندنی میں ڈوب گئے۔

واضح رہے کہ ملک العلماء جن کا اصلی نام مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری ہے، آپ دس محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت رونق افزائے بزم عالم ہوئے۔ ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد حافظ بخاری حضرت محدث سورتی، (۱۳۲۳ھ) استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڈھی (م، ۱۳۳۴ھ) مولانا احمد حسن کان پوری، (م، ۱۳۱۲ھ) مولانا عبداللہ کان پوری (م ۱۳۴۳) قاضی عبدالرزاق (م، ۱۳۴۶ھ) سے علوم وفنون کی امہات الکتب کا درس لیا، جو پڑھا تحقیق سے پڑھا، پھر اپنے مشفق استاد حضرت محدث سورتی کی خدمت میں

پیلی بھیت پہونچے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، جن کا محدث سورتی اپنے درس کے دوران بار بار ذکر کرتے تھے اس سے آپ کا اشتیاق بڑھا اور ۱۳۲۱ھ میں فاضل بریلوی کی خدمت میں بریلی شریف پہونچے (فقیہہ اسلام،ص ۲۴۰) اس وقت تک بریلی شریف میں اہل سنت کا باضابطہ کوئی ادارہ نہیں تھا، بس ایک امام احمد رضا کی ذات تھی جو ادارہ بھی تھی، تحریک بھی، مدرسہ بھی تھی، جامعہ بھی، تنظیم بھی تھی اور اکیڈمی بھی، مرکز اہلسنّت جسے کہتے وہ تنہا اعلیٰ حضرت کی ذات تھی، جو صرف غیر منقسم ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا کی رہنمائی بھی کر رہی تھی اور پیشوائی بھی، یہاں کوئی دارالعلوم نہ دیکھ کر ملک العلماء کے اندر سویا ہوا تحریکی جذبہ بیدار ہوگیا۔ یہاں زمین کے سینے پر مدرسہ کا کوئی وجود ہونا چاہئے یہ تمنا بل کھانے لگی۔ اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے خلف اکبر مولانا حامد رضا خانصاحب (م،۱۳۶۲ھ) سے اظہار خیال کیا، مگر جب اعلیٰ حضرت تک یہ بات پہونچی اور اعلیٰ حضرت نے اپنی پُر ہجوم مصروفیت کا عذر کیا، اور بات بنتی نظر نہ آئی تو ملک العلماء کی بانکی طبیعت کو یہ سوچنے میں دیر نہ لگی کہ میں کچھ بھی سہی ہوں تو نوخیز طالب علم اور شاگرد ہی، کیوں نہ کسی سن رسیدہ، بزرگ آل رسول کو وسیلہ بنایا جائے، اعلیٰ حضرت "سید" کی بات نہیں ٹالتے، اسی مضبوط ذریعہ سے منصوبہ کامیاب ہوسکتا ہے، باہم مشورے سے حضرت مولانا سید کلیم اللہ صاحب بریلوی (م،۱۳۲۲ھ) کو فاضل بریلوی سے اس موضوع پر گفتگو کیلئے آمادہ کرلیا۔ سید صاحب کی گزارش پر اعلیٰ حضرت نے قیام مدرسہ کو منظوری دے دی، مولانا حسن رضا بریلوی نے اس مدرسہ کا نام "منظر اسلام" رکھا جس سے ۱۳۲۲ھ کا استخراج ہوتا ہے، یہ "منظر اسلام" کی امتیازی (۱۳۲۲ھ) خصوصیت ہے کہ اس کی تعلیم کی ابتداء بخاری شریف سے ہوئی، اور ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری، مولانا عبدالرشید عظیم آبادی سے ہوئی، (ایضا، ۱۷۱) تعجب کی بات ہے کہ ملک العلماء کی عمر اس وقت صرف بیس سال کی تھی، بیس سال کی نیم پختہ عمر میں دارالعلوم کا خیال آنا، اور اسے زمینی حقائق میں بدلنے کے لئے خوبصورت تدبیر کرنا ...... اور جب تک تدبیر کارگر نہ ہو جائے بےچین و مضطرب رہنا ...... یہ وہ علائم ہیں جو ملک العلما کے تعلق سے آئندہ بہت کچھ کرگذرنے کا پتہ دیتی ہیں ...... جو بتاتی ہیں کہ فاضل بریلوی کی تحریکِ فکر و اعتقاد میں دست و بازو بن کر جو ربع سکون میں پھیل جائے گا۔ یہ وہ نوجوان ہے ...... فاضل بریلوی کے تجدیدی، اصلاحی خواب کو جو تعبیر کی شکل دے گا۔

یہ وہ عالم دین ہے ...... مسلک اعلیٰحضرت کی سربلندی وسرفرازی کے لئے جو ہمہ دم تازہ دم رہے گا

یہ وہ مجاہد رضویت ہے ...... فکر رضا کو اپنی تحریر وتقریر کا عنوان بنا کر جو گھر گھر روشنی لگائے گا

یہ وہ شمع شبستان رضا ہے ...... یہ ہے ملک العلما کی جانفشانی کی نشانی۔ موجودہ جامعہ رضویہ منظر اسلام کے نمود وجود کی کہانی، اور ادارے تو بنتے بنتے مرکز بنتے ہیں مگر اس کی شان یہ ہے کہ یہ کھلا تو مرکز بن کے کھلا، یہ جب سے قائم ہوا ہے تب سے لے کر اب تک ایک عام انداز ے کے مطابق تقریباً پچیس ہزار طلباء فارغ ہوئے ہوں گے۔

پھر جب ان پچیس ہزار کے علمی فیضان کا باڑا ہٹا ہوگا تو اب یہ تعداد لاکھوں سے تجاوز کر گئی ہوگی۔ سینکڑوں مرتبہ ختم بخاری شریف کا پروگرام ہوا ہوگا...... دین و سنیت کی آبیاری کے لئے اس منبع علوم سے کتنے چشمے جاری ہوئے ہوں گے...... منظر اسلام کے فارغین نے جہاں کہیں بھی دینی خدمات انجام دیئے ہوں گے اور دے رہے ہوں گے ...... اور آئندہ جو بھی خدمات دینی انجام دی جائیں گی ان سب کا ثواب پہلے ملک العلماء کی روح کو پہنچا ہوگا...... پہنچ رہا ہوگا ...... اور پہنچتا رہے گا۔ اس لئے کہ اس کے محرک اول آپ ہی ہیں...... اگر بریلی شریف میں سب کچھ ہوتا اور منظر اسلام نہ ہوتا تو اس وقت ہندوستان کے مذہبی ماحول کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ ہر طرف اداسی ہوتی ...... تشنگی ہوتی ...... بے راہ روی ہوتی ...... قحط عقیدہ اور عقیدت کی کشمکش ہوتی ...... جہل کا دور دورہ ہوتا ...... یہ منظر اسلام کا فیضان ہے جس نے ہزاروں نامور فضلاء دیئے...... مستند مفتی دیئے ...... باوقار قائدین ملت دیئے اور نہ بجھنے والے ہدایت کے روشن چراغ دیئے۔ اسے اعلیٰحضرت کی پیش بینی اور ملک العلما کی دور اندیشی کہیے کہ منظر اسلام کی شکل میں سپاہی ڈھالنے کا کارخانہ قوم کے حوالہ کر دیا۔ آج ہندوستان میں جتنے مدارس اہلسنّت ہیں سب میں منظر اسلام کا کرنٹ کام کر رہا ہے۔ سب کی کڑی اوپر جا کر منظر اسلام ہی سے ملتی ہے۔

گویا یہ ام المدارس ہے...... ہم ہندوستانیوں کے لئے از ہر ہند ہے...... اعلیٰحضرت کے تقریباً ۱۰۰ ر تلامذہ و خلفاء نے درون ہند میں اور قریب پچاس تلامذہ و خلفاء نے بیرون ہند میں اعلیٰحضرت کی فوج بن کر وہ کام کیا کہ دین و سنیت کا پرچم گلشن گلشن صحرا صحرا لہرا دیا۔ جگہ جگہ مدارس قائم کیے۔ تنظیمیں بنائیں اور کام کرنے والے مختلف افراد ڈھالے ...... ہمارے اس بیان حقیقت نشان سے جامعہ علیمیہ، جمدا شاہی، یوپی کے صدر المدرسین کے اس قول مستعار کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے کہ

''مولانا احمد رضا خان صاحب نے بہت اہم اور مفید دلائل و براہین سے مضبوط کتابیں تصنیف کیں، اور وہابیوں نے کثرت سے مولوی پیدا کئے، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے میگزین تیار کی سپاہی نہیں پیدا کئے، اور وہابیوں نے زیادہ سے زیادہ سپاہی پیدا کئے، یعنی اہلسنّت کے پاس عمدہ ہتھیار تھے مگر ان کو استعمال کرنے کے لئے ضرورت کے مطابق سپاہی یعنی علماء نہیں تھے اور وہابیوں کے پاس سپاہیوں کی وافر مقدار تھی'' (ماہنامہ کنز الایمان، دہلی، جون ۲۰۰۹ء بحوالہ حافظ ملت افکار اور کارنامے، ص،۱۲-۱۱)

اعلیٰحضرت سے وفاداری، اور ان کے مسلک کی علمبرداری کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اگر کسی نے خلاف میں کہیں کچھ لکھ دیا ہے تو اس کا بھرپور دفاع کیا جاتا نہ کہ سند بنا کر اچھال دیا جائے، دار العلوم جمدا شاہی کے صدر مدرس کا یہ ''صد جھوٹ'' مدرسہ کے اراکین کو بھی اچھا نہیں لگا ہوگا۔ حدود مدرسہ کے باہر خفگی و بیزارگی کا طوفان تو ہے ہی، یہ سچ ہے اعلیٰ حضرت نے سپاہی تیار نہیں کئے وہ حضرت جی تھے جو سپاہی تیار کر رہے تھے، اعلیٰ حضرت وہ ہیں جو سپہ سالار تیار کر رہے تھے، حجۃ الاسلام سپاہی کا نام نہیں سپہ سالار کا نام ہے، مفتی اعظم سپاہی کا نام نہیں سپہ سالار کا نام ہے۔

صدر الشریعہ سپاہی کا نام نہیں سپہ سالار کا نام ہے، ملک العلماء سپاہی کا نام نہیں سپہ سالار کا نام ہے، وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور اگر خدانخواستہ ان جانثار سپہ سالاروں نے نقوش نہیں چھوڑے ہوتے تو جو حالات چل رہے ہیں مسلک اعلیٰحضرت کا نقش لوگوں نے مدھم کر دیا ہوتا، یہ تو کہیئے نسلاً بعد نسلٍ سپاہی تیار ہوتے جا رہے ہیں مسلک اعلیٰحضرت کا جھنڈا لہراتا جا رہا ہے...... یہ سچ ہے اعلیٰحضرت نے ''ارذل حیوانات'' کی طرح سالانہ درجن، نصف درجن افراد نہیں تیار کیے، بلکہ شیر کی طرح سال میں ایک فرد دیا جو وہابیوں کے ہزاروں پر بھاری ہوتا تھا،...... اپنی زندہ ضمیری سے فیصلہ پوچھیے اس وقت سے لے کر اب تک پوری وہابی برادری میں ایک ''ملک العلما'' کا کہیں کوئی جواب ہے؟

اعلیٰحضرت نے ایک ہی تیار کیا مگر کمانڈر ان چیف تیار کیا جس کے ماتحت سینکڑوں سپاہی ہوتے تھے، اس نقطہ نظر سے حضور صدر الافاضل، حضور صدر الشریعہ حضور شیر بیشہ اہلسنّت، حجۃ الاسلام کا مقام اپنی جگہ پر ایک مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی کی مثال کافی ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت نے سپہ سالار نہیں تیار کیے تو خود حضور حافظ ملت کس کے سپاہی ہیں، وہ کس کارگہ علم کے ڈھلے ہوئے ہیں، وہ بھی تو منظر اسلام ہی کے فارغین میں ہیں، اگر ان کے ذریعہ سے علما کا جتھہ تیار ہوا تو یہ کریڈٹ بھی تو اعلی حضرت ہی کو جاتا ہے، جامعہ اشرفیہ بھی تو منظر اسلام ہی کی ایک تجلی کا نام ہے، میں تو دیکھ رہا ہوں جیسے وہابی صاحبان کو اگر (ان کی سمجھ کے اعتبار سے) حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کے تعلق سے تنقیص کا کوئی گوشہ نظر آ جائے تو پوری برادری اسے لئے پھرتی پیش کرتی رہتی ہے ویسے ہی بعض مصباحی برادران کو اگر اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے تعلق سے کہیں کوئی بات (ان کی سمجھ کے اعتبار سے) مل جائے تو پوری برادری اسے اچھالتی اور حوالہ دیتی رہتی ہے۔ الا ماشاء اللہ اس قسم کی باتوں کو چھاپنا پہلے ماہنامہ ''جام نور'' بہت بڑا کارنامہ سمجھتا تھا اب ماہنامہ کنز الایمان اس قسم کی باتوں کو چھاپنا حاصل ایمان تصور کر رہا ہے، حضور ملک العلماء نے اعلیٰحضرت کی مبارک ذات، اور وسیع و بسیط خدمات کے حوالے سے جو کام کر دیا ہے اور عقیدت کا صور پھونک دیا ہے جب جب ضرورت پڑے گی ملک العلما کے یہ کارہائے گرانمایہ ڈھال بنتے رہیں گے۔

ملک العلماء کی تعمیر سیرت کے لئے ان کی شاہراہ حیات میں جذبہ وامنگ کی روشنی کہاں سے آئی۔ علمی تکمیل کہاں ہوئی؟ ماہر رضویات ڈاکٹر مسعود احمد مظہری رقمطراز ہیں:

> ''فاضل بریلوی سے بخاری شریف اور مسلم شریف از اول تا آخر پڑھیں، اس کے علاوہ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمنی (مکمل) علم توقیت، علم جفر، علم تکسیر، وغیرہ کی تحصیل کی، اور تصوف میں عوارف المعارف، رسالہ قشیریہ، بھی پڑھا، ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں دار العلوم منظر اسلام سے فارغ ہوئے، اور دستار فضیلت حاصل کی'' (آئینہ رضویات دوم، ص ۱۷۰)

ملک العماء کے تنوع علمی ...... فنی کثیر الجہتی ...... فکری گونا گونی ...... اور شعوری رنگارنگی کی نقاب کشائی، شمس العلماء مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی (سابق شیخ الحدیث جامعہ

رضویہ منظر اسلام جنہیں ملک العلماء سے شرف تلمذ حاصل ہے) یوں کرتے ہیں:

"ملک العلماء بیان کرتے تھے کہ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جتنے علوم وفنون جانتے تھے۔ اپنے صاحبزدگان کے بعد ان تمام کا وارث انہوں نے صرف مجھے بنایا، سبقاً سبقاً مجھے پڑھایا" (ماہنامہ اعلیٰحضرت کا صدسالہ "منظر اسلام نمبر" ص ۱۷۰)

اعلیٰحضرت کے تمام علوم وفنون کا وارث قرار پانا یہ صرف ملک العلما کا مقدر اور انہیں کا ظرف ہے۔ دس بیس علوم وفنون میں مہارت وممارست بھی بڑی بات ہے، مگر تمام علوم وفنون کا وارث ٹھہرنا اتنی بڑی بات ہے جو ملک العلما کو اعلیٰحضرت کے تمام تلامذہ میں ممتاز کرتی ہے، اور اعلیٰحضرت جدید تحقیق کے مطابق ۱۰۵/علوم وفنون پر مہارت رکھتے تھے، اس سے ملک العلما کے معارف علیمیہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خود اعلیٰحضرت کو اپنے اس سپوت، لائق وفائق شاگرد کے علمی اوصاف پر اتنا ناز تھا کہ فرماتے ہیں معمولی تصرف پر روح اعلیٰحضرت سے معذرت کے ساتھ

(۱) سنی
(۲) خالص
(۳) مخلص
(۴) نہایت صحیح العقیدہ
(۵) ہادی
(۶) مہدی

ان چھ اوصاف کا تعلق عقیدہ اور اس کے خصائص سے ہے۔

(۷) درسیات پر قابو
(۸) مفتی
(۹) مصنف
(۱۰) واعظ
(۱۱) مناظر
(۱۲) علمائے زمانہ میں توقیت سے تنہا آگاہ

ان چھ محاسن کا تعلق وسعت علم اور اس کے لوازمات سے ہے۔ (حیات اعلیٰحضرت ص ۲۴۴)

واضح رہے کہ اعلیٰحضرت کے یہاں مبالغہ کا کوئی گذر نہیں تھا، وہ ہمیشہ حقیقت بیانی اور حقیقت نگاری کے خوگر رہے۔ وہ وہی کہتے اور لکھتے تھے حقائق جس کی توثیق کرتے تھے...... اعلیٰحضرت کے بیان کردہ القاب میں علوم وفنون کی جو کائنات پنہاں ہے اگر کوئی صاحب دل، صاحب درک، اس کی نقاب کشائی کر دے تو بہت بڑا کام ہو جائے۔ مثلاً "درسیات پر قادر" اس کا مطلب یہ ہوا کہ مدارس میں جو نصاب تعلیم رائج تھا، ان میں جتنی بھی کتابیں اور جس بھی فن میں چلتی تھیں ملک العلما ان تمام پر قدرت تامہ رکھتے تھے، میرے اپنے خیال میں اس وقت کی درسیات ۲۵ علوم و فنون پر ضرور حاوی رہی ہوگی۔ تو ۲۵ یہ ہوئے۔ ایسے ہی بقیہ القاب میں سے ایک ایک لقب کی گر تنقیح کی جائے تو پچاس علوم وفنون تک گنتی ضرور پہنچ جائے گی۔ یہ وہ علوم و فنون ہیں جو اصل کی حیثیت رکھتے ہیں، ہر اصل کی جو شاخیں نکلی ہیں اور شاخ در شاخ جو علوم پھیل گئے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں ...... یہ تو قدیم علوم ہوئے، رہے جدید

علوم تو اس کا اخیر میں اعلیٰحضرت نے خصوصیت کے ساتھ اس طرح فرمایا کہ ''علمائے زمانہ میں توقیت سے تنہا آگاہ ہیں'' آپ کی علم توقیت میں مہارت کا اعتراف سب کو تھا، مدیر دبدبۂ سکندری رامپور لکھتے ہیں:

''اس وقت آپ کے ایسی علم ہیئت وحروف واعداد کی ماہر دوسری ہستی کل ہند میں ہماری معلومات و نظر میں نہیں ہے''

(دبدبۂ سکندری، رام پور، ۳؍جولائی ۱۹۴۶ء)

جہاں تک فقہ وافتاء کی بات ہے دوران تعلیم وتدریس ہی اعلیٰحضرت آپ سے افتاء کی مشق بھی لیتے تھے، جب اعلیٰحضرت کو آپ کی مشق ومہارت پر یقین ہو گیا تو پہلا فتویٰ لکھنے کو دیا، پھر کیا ہوا ملک العلما کی زبانی سنئے:

''۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰحضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا، اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے، اور ایک روپیہ، دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا! مولانا، سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا، آج آپ نے جو پہلا فتویٰ لکھا ہے یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کو دیتا ہوں ......ایک خادم کی یہ وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا'' (الفطرت، اول، ص ۴۷)

آخری جملہ ''اور اس کو ہمیشہ برقرار رکھا'' نہایت معنیٰ خیز ہے، اس کی پرت کھولئے تو کئی حقائق جلوہ ریز نظر آتے ہیں، بادی النظر میں تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اعلیٰحضرت ہمیشہ فتویٰ لکھاتے رہے، اور آپ ہمیشہ صحیح جواب لکھ کر اعلیٰحضرت کو مسرور کرتے اور انعام پاتے رہے، اعلیٰحضرت جیسے عقابی نظر رکھنے والے مفتی سے داد وانعام وہی پا سکتا تھا جو کار افتاء کے مالہ وما علیہ سے پوری واقفیت رکھتا ہو، اس لئے کہ وہ جملوں اور جملوں میں مستعمل لفظوں کے معانی کی تہہ تک پہنچ کر مفاہیم کے گوہر نکالتے تھے ...... فقہ وفتویٰ کے حق میں خود اعلیٰحضرت کا ماننا یہ تھا کہ:

''درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہو پاتا۔''

(حیات اعلیٰحضرت، اول ص، ۲۸۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک العلما کو اعلیٰحضرت نے یونہی ملک العلما نہیں کہا ہے، علوم وافکار کے ظواہر عالیہ سے دامن حیات کو ہر اعتبار سے مزین پایا ہے تب ملک العلما کہا ہے، یہی وجہ تھی کہ فقہ وافتاء میں اپنا معتمد علیہ بنانے کے ساتھ ۱۳۲۵ھ میں فراغت کے بعد منظر اسلام جیسے عالمی مرکزی ادارہ میں مدرس رکھ لیا اور دار الافتاء میں اپنا معین بنا لیا'' ...... برادر زادہ وخلیفہ اعلیٰحضرت حضرت مولانا حسنین رضا صاحب بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

''فاضل بہار مولانا ظفر الدین صاحب خطیب جامع مسجد ہو کر شملہ چلے گئے تو ان کی جگہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب پیشکاری کے منصب

پر فائز ہوئے'' (سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات، ص ۱۱۶)

یہاں پر ایک چیز کی وضاحت خالی از فائدہ نہ ہوگی ...... بعض لوگ اس واقعہ کو کہ ایک بار حضور سیّدی مفتی اعظم ہندرضی اللہ عنہ دار الافتاء تشریف لائے تو ملک العلما کو کتاب سے کسی حوالہ کونقل کرتا دیکھ کر یہ فرمایا کیا ''کتاب دیکھ کر فتویٰ لکھتے ہو'' ملک العلمانے فرمایا ''اگر آپ بغیر کتاب دیکھے لکھ سکتے ہوں تو لکھ دیں'' حضور مفتی اعظم نے قلم لیا اور لکھ دیا۔

اس واقعہ کو کچھ لوگ ایسے انداز اور ایسے لب و لہجے میں بیان کرتے ہیں کہ ملک العلما کی تخفیف شان کا گمان گذرنے لگتا ہے ...... میں یہ نہیں کہتا کہ یہ واقعہ واقع نہیں ہوا ہوگا۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ واقع بھی ہوا ہو تو حضور مفتی اعظم ملک العلما کے تبحر علمی سے خوب واقف تھے اس لئے حضور مفتی اعظم نے ملک العلما کی شایان شان جملوں سے ملک العلما کو مخاطب کیا ہوگا، اس لئے کہ ملک العلما حضور مفتی اعظم سے سات سال عمر میں بڑے تھے ...... دوسرے نسبت سادات، جس گھر سے دنیا کو سادات کے احترام کا سلیقہ ملا اسی گھر کے خلف اصغر سے اس کے خلاف ہونا بہر حال تامل کا مقتضی ہے ...... وہ بھی حضور مفتی اعظم جیسے ادب آگیں مردمومن سے تعجب ہے!

تیسرے یہ کہ کیا کتاب دیکھ کر حوالہ نقل کرنا اگر عیب ہے تو اس عیب سے کسی مفتی کا دامن محفوظ نہیں ملے گا، غفلت ہی میں سہی تمام مفتیان کرام کے دامن کو عیب دار بنانا کہاں کی دانشمندی ہے۔ چوتھی چیز یہ کہ ملک العلماء حضور مفتی اعظم ہی کے گھر رہتے تھے تو اگر دوستانہ مخلصانہ ماحول میں ویسی بے تکلفانہ گفتگو ہوئی ہی تو تیسرے کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ دو دوستوں کے درمیان ہوئی گفتگو کو بیبا کانہ بیان کرتا پھرے اور پانچویں چیز یہ کہ جس کے کار افتاء سے مسرور ہوکر اعلیٰ حضرت جیسا عبقری العصر انعام واکرام سے نوازتا ہو اس عظیم مفتی کے ایک واقعہ فتویٰ نویسی کو اس طرح مکرر بیان کرنا جس سے ان کی تہی دامنی احساس ہو غیر دانشمندانہ بلکہ عاقبت نا اندیشانہ فعل ہے اس انداز تغافل سے احتراز لازم ہے۔ ایک طرف ملک العلماء سید وفاضل جلیل تھے تو دوسری طرف میرے مفتی اعظم ادب وتواضع کے پیکر جمیل تھے لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ اس واقعہ کو بیان کریں تو دونوں بزرگوں کی عظمت کو ملحوظ رکھ کر بیان کریں .... ملک العلما کیا تھے ...... ان کا علمی طنطنہ کس شان کا تھا ...... وہ کیسی کیسی خوبیوں سے آراستہ تھے چند جملوں میں ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب نے جس طرح بیان کر دیا ہے یہ انہیں کا حصہ ہے،

''فرماتے ہیں ...... وہ ٹھوس علمی صلاحیت رکھنے والے کامیاب اور شفیق استاد ...... علمی تقریر کرنے والے شگفتہ بیان مقرر، دلنشیں باتیں کرنے والے موثر واعظ ...... اپنے منطقی وعلمی استدلال سے فریق کو لاجواب کر دینے والے مناظر ...... اور پچاسوں کتابوں کے نامور مصنف تھے۔''

(الجامع الرضوی، مقدمہ، ص ۷)

ملک العلما تصنیف وتالیف کے میدان کے بھی شہسوار تھے، ستر کے قریب ان کی نادر تصانیف میں ''صحیح البہاری'' وہ معرکتہ الآرا تصنیف ہے جو سینکڑوں کتابوں پر

تنہا بھاری ہے، یہ وہ شاہکار تصنیف ہے جس نے دنیائے حنفیت کا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے، غیر مقلدوں، وہابیوں کی طرف سے مذہب حنفی پر لگائے گئے تمام الزامات کی سرکوبی ہی نہیں کی تارو پود بکھیر دیئے ہیں ...... مشہور محقق مالک رام، ''نذر مختار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''صحیح البخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتابیں ''شافعی المذہب'' محدثین کی تصنیف ہونے کے سبب شافعی مذہب کی احادیث کو جامع وحاوی ہیں، مولانا ظفر الدین نے اسی طرح صحیح البہاری میں مسلک احناف کی مؤید ساری احادیث، حسن ترتیب وتبویب کے ساتھ چھ جلدوں میں جمع کیا ہے'' (جہان رضا، لاہور، شمارہ ۳۹، اکتوبر ۱۹۹۴)

یہ کتاب جس دیدہ ور کی نظر سے گذری خراج تبریک حاصل کئے بغیر نہیں رہی اور جس دانشور نے دیکھا موضوع اور مواد کی حسین جمع وپیشکش کو دل کی گہرائیوں سے سراہا ......مولانا سید شاہ محمد حبیب الحق قادری، پٹنہ کا بے لاگ تاثر یہ ہے:

''عام طور پر اہلحدیث کہا کرتے ہیں کہ مسلک حنفی کا دارومدار صرف حضرت امام اعظم، یا ان کے چند شاگردوں کی آراء یوں پر ہے، اس کو احادیث سے کوئی تعلق نہیں، اس کتاب نے اس خیال کو غلط ثابت کر کے واضح کر دیا کہ مسلک حنفیہ کا کوئی جزئیہ حدیث کے خلاف نہیں ہے۔''

اور مولانا اصغر علی جعفری، اہلحدیث، صدر مدرس مدرسہ اصلاح المسلمین، پٹنہ کا زریں خیال یہ ہے کہ:

''مولانا نے اس کی تالیف و تدوین میں مذہب حنفیہ کی ایک لازوال اور بے نظیر خدمت انجام دی ہے ...... اگر اس کتاب کی تدوین اس زمانہ مین ہوئی ہوتی، جب دینی حکومت بر سر عروج اور مسلمانوں کا مذہبی وملکی قانون فقہ اسلامی تھی تو کوئی شبہ نہیں کہ مصنف کا شمار ''ائمہ حدیث'' میں ہوتا۔''

(خلفائے اعلیحضرت، ص ۳۰۷)

۹ ہزار احادیث پر مشتمل یہ وہ نادر الوجود تصنیف ہے جس کی شہرت ومقبولیت اور اہمیت و افادیت کا آفتاب، نصف النہار پر جگمگاتا رہے گا اور اس کے ذریعہ ملک العلما کا نام الواح مومنین پر نقش کالحجر بنا رہے گا۔ وہ دن دور نہیں جب مدارس دینیہ میں صحیح البہاری کی تعلیم وتدریس ہوگی اور لازمی ہوگی۔

ملک العلما اپنی ذاتی وصفاتی خوبیوں کی بدولت اس دور کی بہت بڑی ضرورت تھے ...... وہ درسیات کے ماہر مدرس تھے اس لئے مدرسہ جو اسلامی آداب وتعلیمات کا بنیادی اور سب سے بڑا مرکز ہوتا ہے، اہم مدارس خواہش کرتے کہ ملک العلما ان کے یہاں تشریف لے جائیں ......وہ بحر حدیث کے غواص محدث تھے اس لئے دار الحدیث انہیں بحیثیت محدث دیکھنے کی تمنا کرتا ...... وہ فقہ وافتاء کی زلف برہم سنوارنے والے ثقہ مفتی وفقیہہ تھے۔ اس لئے دار الافتاء ان کی خدمات کے لئے آنکھیں بچھائے رکھتے ...... وہ حریف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے والے کامیاب مناظر بھی تھے اس لئے جہاں کہیں بھی مناظرہ ٹھنتا تو ملک العلما پہلے یاد کئے جاتے ...... وہ حسب

ضرورت ملتجیہ سلگتے مسائل پر تحریری بحث کرنے والے ژرف نگاہ مصنف تھے اس لئے حالات کے بطن سے جنم لینے والے عناوین ان کے انتظار میں ہوتے ......غرضیکہ وہ کیا نہیں تھے، امام احمد رضا کے دستر خوان شریعت وطریقت کی ریزہ چینی نے انہیں وقت کا حاجت روا اور مشکل کشا بنا دیا تھا۔ اعلیٰحضرت کو بھی اس کا بخوبی احساس تھا، ضرورت انیک اور ملک العلما ایک، اعلیٰحضرت کا یہ جملہ ''ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں'' (حیات اعلیٰحضرت اول، ص ۲۷۰) اس دور کے پورے منظر نامہ کی عکاسی کرتا ہے۔

ملک العلمانے منظر اسلام کی تدریسی خدمات کے علاوہ مختلف مدارس میں علوم وفنون کے گوہر لٹائے ہیں...... ہزاروں علما تیار کئے ......وہ حرکت وعمل کی چلتی پھرتی تصویر تھے علاقہ کا علاقہ ان کی جد وجہد سے مسلک اعلیٰحضرت کے قلم رو میں شامل ہوا ......گم گشتہ راہ صراط مستقیم سے آشنا ہوئے ......سنیت کو خوب خوب عروج وفروغ ملا......مولانا یٰسین اختر مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

> ''دیگر اسلامی مدارس میں صدرالمدرسین کے ساتھ ساتھ فاضل بہاری نے شمس الہدیٰ، پٹنہ یونیورسٹی کے کشادہ ماحول میں علوم اسلامیہ، درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا، ان کے ماحول، اخلاق اور اسلامی شعائر کی حفاظت کی طرف توجہ دی، کہ ان کے فضلاء جہاں اور جس ماحول میں بھی جائیں اسلامی اصول وعقائد کے پابند اور اس کے سچے خادم ہوں، تاکہ ان پر کوئی دوسرا غیر اسلامی رنگ غالب نہ آسکے۔'' (دبستان رضا، ص ۵۵)

ملک العلماء کی علمی عظمت کو سراہتے ہوئے محدث اعظم ہند حضرت سید محدث کچھوچھوی نے اپنے دور کا ''امام اعظم ابوحنیفہ'' کہا ہے، میں سمجھتا ہوں ملک العلماء کے علمی تبحر اور شخصی تنوع کا یہ سب سے عمدہ اور اعلیٰ تعارف ہے۔

اور مسلک اعلیٰ حضرت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کی حیات وخدمات کے آفاق پر چھائے ہوئے کہکشاں علم وفکر کے ماہ ونجوم کا خلاصہ صرف تین چیزیں ہیں،

۱۔ دین کی تبلیغ وتجدید

۲۔ اسلام کی نصرت وحمایت

۳۔ سنیت کی حفاظت وصیانت

بظاہر یہ صرف تین گوشے ہیں مگر ہر گوشہ اپنی جامعیت اور آفاقیت کے اعتبار سے کئی کئی جہاں اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ علم وعمل کے جتنے زاوئے ہیں اور ہوسکتے ہیں ان گوشوں کی مقصد برآری کے لئے کبھی کبھی سب کا استعمال لابدی اور ناگزیر ہو جاتا ہے۔ علم اور عمل جب باہم گلوگیر ہوتے ہیں تب ان گوشوں کے گلشن سے سروسمن کی رونمائی ہوتی ہے، ان تینوں زاویہ ہائے فکر ونظر کو اگر ایک ساتھ ایک جملے میں بولنا چاہیں تو اس کے لئے ''مسلک اعلیٰحضرت'' سے بہتر اور کوئی کلمہ نہیں ہے نہ اس سے عمدہ اور کوئی تعبیر ہوسکتی ہے۔ مسلک اعلیٰحضرت سے محبت ملک العلما کو اعلیٰحضرت کی قربت سے ودیعت ہوئی تھی۔ امام احمد رضا ان تینوں گوشوں کے اہداف کو پانے کے لئے مشین

کی طرح کام کرتے تھے۔ ملک العلماء بہت قریب سے ان سارے مناظر کو ملاحظہ فرمارہے تھے، اس لئے اپنے نصیبے کی ارجمندی اور امام احمد رضا کی شبانہ یومیہ جفاکشی کی تصویر یوں کھینچتے ہیں:

''سونے پر سہاگہ یہ کہ اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد مأۃ حاضرہ، مؤیدملت طاہرہ، مولانا، مولوی، حاجی، قاری، حافظ، شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قادری، برکاتی، بریلوی، قدس سرہ القوی کی بیعت وتلمذ و ارشادوخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا۔ جو شریعت مطہرہ، وطریقت منورہ کی علمی، عملی تصویر تھے۔ جن کا ہرقول شریعت کا رہنما، جن کا ہر فعل احکام الٰہی کا اتباع، جنہوں نے بلا خوف لومتہ لائم مسائل شرعیہ، واحکام فقیہ کی تعلیم وتبلیغ فرمائی اورعمر بھر تالیف وتصنیف، افکار وتدریس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت ورہنمائی فرمائی۔''

(حیات اعلیٰحضرت، اول دیباچہ)

مذہب اہلسنت و جماعت جسے اکابرین اہلسنّت وجماعت نے مسلک اعلیحضرت کہاہے اورحق یہ ہے کہ بہت سوچ سمجھ کرکہاہے، یہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ''ماانا علیہ واصحابی'' کے مصداق اوراس مصداق سے پھوٹنے والی تمام تجلیات کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہی انعام یافتہ حضرات کا راستہ ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اسی کی سچی پیروی ہی جنت کی ضمانت ہے، امام احمد رضا کی رفاقت وصحبت، تعلیم وتربیت نے ملک العلما کی روح میں ''مسلک اعلیٰحضرت'' کی محبت کا طوفان بھردیا تھا

...... خود اعلیٰحضرت کی بھی تمنا تھی کہ میرے بعد میرے مسلک کا گلشن زمانے کی بادسموم سے مرجھانے نہ پائے، اس لئے انہوں نے اس کی حفاظت کے لئے الگ الگ افراد کی تربیت فرمائی۔ اور حفاظت مسلک اعلیٰحضرت کا ڈھال بنا کر پیش کیا۔ وہ چونکہ مجدد ہی نہیں مجدد اعظم تھے اس لئے منصب کی توانائی آپ کی بھرپور پشت پناہی کرتی رہی، اوراکیلے ایک بڑی جماعت کا کام انجام دیتے رہے، مگر آپ کے بعد اس عالمی آفاقی تحریک کو چلانے اور چلتے رہنے کا کام فرد واحد کے بس کی بات نہیں تھی، اس لئے آپ نے حجۃ الاسلام کی حیثیت سے اپنے خلف اکبر مولانا حامد رضا کی تربیت فرمائی...... مفتی اعظم عالم کی حیثیت سے خلف اصغر مولانا مصطفیٰ رضا کی تربیت فرمائی...... مفسر اعظم کی حیثیت سے اپنے نبیرہ مولانا ابراہیم رضا کی تربیت فرمائی...... اورمحدث اعظم کی حیثیت سے ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری کی تربیت فرمائی (الجامع الرضوی اس کا منہ بولتا ثبوت ہے) نیز اپنے دیگر تلامذہ وخلفاء میں الگ نوعیت کی صفت بھردی...... اور ہر فرد کو ہے ملت کے مقدر کا ستارہ کہہ کر قومی وعلمی اسٹیج پر پیش کردیا ہے ان میں کے ہر فرد نے مسلک اعلیٰحضرت کی وہ خدمت کی، کہ خدمت ان پر رشک کرنے لگی کہ یہ مسلک زندہ ہے زندہ رہے گا، اس لئے کہ اس کی زندگی کے لئے اولیائے امت کی دعائیں اس کی بلائیں لے رہی ہیں...... خود قطب الارشاد امام احمد رضا کی تمنائیں اس کا سائبان بنی ہوئی ہیں...... حجۃ الاسلام کی آرزوئیں اس کا چہرہ دھلا رہی ہیں...... مفتی اعظم کی حسرتیں غازہ مل رہی ہیں...... صدر الافاضل

اور صدر الشریعہ کی محبتیں کیل کانٹے صاف کر رہی ہیں ...... مفسر اعظم ہند کی امنگیں قریہ قریہ اسے پھیلا رہی ہیں ...... اور ملک العلماء کی محنتیں حیات نو کی سوغات پیش کر رہی ہیں ...... مسلک اعلیٰحضرت یونہی آفاق میں نہیں چھایا ہوا ہے اس کے لئے اعلیٰحضرت نے ۲۴؍ گھنٹے میں ۲۲؍ گھنٹہ قربان کیا ہے تب یہ آگے بڑھا ہے...... حضور حجۃ الاسلام اور سرکار مفتی اعظم نے اپنا عیش و آرام تج دیا ہے تب اس کے مکھڑے پر مسکراہٹ آئی ہے...... اور ملک العلما نے محاذ در محاذ اپنی آبرو داؤ پر لگا کر اس کی آبرو بچائی ہے تب اس میں قوت پرواز آئی ہے...... ان تمام قوتوں نے مل کر اسے اوپر اٹھایا ہے تب اس میں عالمی اسٹیج پر جانے اور چھا جانے کا جوہر پیدا ہوا ہے...... مسلک اعلیٰحضرت کی اعلیٰ نشانی یہ ہے کہ یہ مسلک ایمان و کفر...... حق و باطل...... نور و ظلمت ...... حسن و قبح ...... صدق و کذب اور خوش عقیدگی و بدعقیدگی کے درمیان فرق کرتا ہے۔ یہاں گڈ مڈ نظریئے کا کوئی گذر نہیں ...... خلط ملط تصورات کی کوئی گنجائش نہیں ہے ...... یہاں دو رنگی نہیں چلتی یک رنگی کی حکومت ہے ...... یہاں بامسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام والا خیال کام نہیں آتا، شاید اسی تصلب کی وجہ سے یہ کچھ لوگوں کی نظر میں کھٹکنے لگا ہے ...... یہ کچھ لوگ وہ ہیں جو سب سے مل جل کر رہنے پر اصرار کرتے ہیں ...... لیکن جب مسلک اعلیٰحضرت کی ہمہ گیریت کے سامنے ان کا بس نہیں چلتا اور ان کی محنتیں بار آور نہیں ہو پاتیں تو وہ مختلف بہانے سے مسلک اعلیٰحضرت کو ہدف تنقید بناتے ہیں ...... مسلک اعلیٰحضرت کا کہنا یہ ہے کہ اگر سب کو ساتھ لے کر چلنے کی حمایت کر دی جائے تو دینی تشخص مٹ جائے گا...... خیر و شر کا امتیاز اٹھ جائے گا ...... انارکی اور افراتفری کا دور شروع ہو جائے گا...... اور جب مومن منافق کی تفریق ختم ہو جائے گی تو پھر کیا بچے گا ...... اس لئے یک درگیر محکم گیر کی مسلم مسلک اعلیٰحضرت میں پوچھ ہے اور اسی کا چلن ہے ...... جو لوگ اتحادی نظریئے کے حامل و حامی ہیں، کھل کر یا پس پردہ ایسے لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں، پھر بھی مسلک اعلیٰحضرت کا دم بھرتے ہیں ان کو فوراً اپنی اصلاح کرنی چاہئے اسی میں دنیا کی عافیت اور آخرت کی خیریت ہے ...... ملک العلما اسی خیر و شر کے امتیاز اور حق و باطل کی تمیز کے لئے پوری زندگی رواں دواں رہے...... تقریر کرتے رہے...... مناظرہ کرتے رہے، کشاں کشاں پورے ملک کا دورہ کرتے رہے ...... مسلک اعلیٰحضرت کے پرچار میں دن رت ایک کرتے رہے، لوگوں کو ہوشیار اور خبردار کرتے تھے، سنی، وہابی، دیوبندی ایک ایک اصطلاح کو کھول کھول کر بیان کرتے رہے، تاکہ ان کی حقیقت کو لوگ سمجھیں، حق کو اپنائیں اور باطل سے بچیں، اس سلسلے میں دیکھے ملک العلما کی یہ چشم کشا تحریر:

> ”سنی حنفی عام لوگوں کے خیال میں ایک ہیں، گویا جو سنی ہے وہ حنفی بھی ہے، اور جو حنفی ہے وہ سنی بھی ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ان دونوں میں نسبت عام خاص من وجہ کی ہے........... ”سنی“ وہ ہے جس کے عقائد مطابق اہلسنت و جماعت امام ابو منصور ماتریدی، یا امام ابوالحسن اشعری ہوں۔ اگرچہ فروع میں حنفی ہو، یا شافعی، یا مالکی یا حنبلی............ ”حنفی“

وہ ہے جو فروع میں مقلد امام الائمہ امام اعظم کا ہو، عام ازیں کہ عقیدتاً سنی ہو، یا معتزلی، وہابی، ...... تو نہ سب سنی حنفی ہیں اور نہ سب حنفی سنی، بلکہ ان میں ایک مادہ اجتماع کا ہے، یعنی سنی حنفی دونوں ہے، جس کے اعتقادات مطابق اہلسنت ہوں اور فروع میں امام الائمہ امام اعظم کے مقلد ہوں ...... سنی ہو حنفی نہیں، جیسے شوافع، مالکیہ، و حنابلہ، جن کے عقائد درست مطابق اہلسنت ہوں، اور فروع میں امام الائمہ کا مقلد نہیں۔ بلکہ ائمہ ثلاثہ سے کسی ایک کے پیرو ہوں، ...... حنفی ہوں، سنی نہیں، یعنی فروع میں امام الائمہ کا مقلد ہو، مگر اعتقاداً سنی نہیں، بلکہ معتزلی ہو، جیسے جار اللہ زمخشری، یا وہابی ہو، جیسے دیوبندی حضرات کہ عملاً حنفی ہیں، اور اعتقاداً محمد ابن عبد الوہاب کے پیرو، اور اس کے عقائد کی تحسین وتعریف کرنے والے۔ اسی طرح عام لوگ وہابی اور غیر مقلد کو بھی ایک ہی خیال کرتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں بھی ایک نہیں بلکہ ان دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے............ ''وہابی'' وہ ہے جس کے اعتقادات کفریہ وشرکیہ مطابق محمد ابن عبد الوہاب نجدی ہوں، اور فروع میں بھی آوارہ گرد کسی امام کا مقلد نہ ہو...... جو صرف اعتقادات میں ہم خیال نجدی کا ہو، مگر مصلحتاً یا واقعتاً کسی امام کا مقلد ہو، تو وہ وہابی ہوگا، غیر مقلد نہیں۔ تو جو غیر مقلد ہے وہابی ضرور ہے، جیسے مولوی نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، ...... مولوی ثناء اللہ امرتسری، ...... اور جو وہابی ہے، کچھ ضرور نہیں کہ غیر مقلد ہو، جیسے مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی ...... وسائر علمائے دیوبند، کہ ان کے عقائد شرکیہ وکفریہ بالکل وہابیہ ہی کے ہیں، سر مو تفاوت نہیں، البتہ فروع میں واقعتاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں یا مصلحتاً آمین بالجہر ورفع یدین نہیں کرتے، ورنہ الٰہیات، نبوات، معاد، سب میں دونوں بالکل طابق الفعل بالفعل ہیں'' (حیات اعلیٰحضرت، دوم، ص ۹۷-۱۹۶)

جتنے عمدہ پیرایہ وبیان میں حضور ملک العلما نے اس مسئلہ کو سمجھایا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ انہیں کا حق ہے۔ اب بھی کسی کی سمجھ مین نہ آئے اور سب سے گھلا ملا رہے، یا گھلا ملا رہنے والوں کا ہمنوا بنے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ عاقبت نا اندیش ہے اپنی خیر منائے ...... جس دور میں یہ صلح کلیت مسئلہ اپنے شباب پر تھا، اسی دور میں ''مسلک اعلیٰحضرت'' کی اصطلاح عام ہو رہی تھی، وہابیت و دیوبندیت کی یلغار سے سنیوں اور سنیت کی حفاظت کے لئے عمائدین اہلسنت مسلک اعلیٰحضرت کو آخری پناہ گاہ کے طور پر متعارف کرا رہے تھے ...... اکابرین نے یہ کیا اور اصاغرین میں سے کچھ کج فہم مسلک اعلیٰحضرت سے آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں...... ع ''بریں عقل و دانش بباید گریست'' سچ پوچھئے تو وہ دور علمی محاذ ومعرکہ کا دور تھا...... بحث ومناظرہ، اور مسابقت ومقابلہ کا دور تھا، ملک العلماء کو جن نشانوں کے ساتھ اعلیٰحضرت نے تیار کیا تھا جہاں جہاں، اور جیسی جیسی ضرورت پڑتی تھی اعلیٰحضرت تیار رہنے کو کہتے، اور

ملک العلماء جیسے انتظار ہی میں ہوتے، دین ومسلک کا یہ سپاہی حکم آتے ہی جانب منزل روانہ ہو جاتا۔

ملک العلماء تحریر فرماتے ہیں:

''۱۳۳۴ھ میں جب میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مدرس اول تھا، رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰحضرت کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا، اس زمانہ میں اعلیٰحضرت علم ہیئت میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے اور میں اسے صاف کر رہا تھا، ارادہ تھا کہ رمضان المبارک تمام کر کے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا، پٹنہ واپس ہوؤنگا۔ لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خان صاحب، مرحوم کا خط پہنچا کہ یہاں ولی اللہ نامی ایک وہابی آیا ہوا ہے اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے، حضور والا مولانا محمد ظفر الدین صاحب کو روانہ فرما دیں، اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی۔ اعلیٰحضرت نے دو دن میں اس کو تمام کر دیا۔ لیکن مجھے نقل کرنا، اور صاف کرنا بہت باقی تھا اس لئے حضرت نے فرمایا کہ آپ اس کو اپنے ساتھ لیتے جایئے، نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کر دیجئے گا۔ جب چلنے کا وقت ہوا ...... اعلیٰحضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپے کے مجھے عنایت فرمائے، اور ارشاد فرمایا ...... دینی ضرورت سے آپ کلکتہ جا رہے ہیں اس لئے یہ روپئے آپ کی نذر ہیں .... میں نے کچھ تامل کیا، اعلیٰحضرت نے باصرار عنایت فرمایا، میں نے قدمبوسی کرتے ہوئے وہ روپئے لے لئے اور کلکتہ روانہ ہوا۔ میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا، اب کس میں مناظرہ کا دم ہے، اعلیٰحضرت کی دعا کا اثر ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں۔'' (حیات اعلیٰحضرت، اول ص ۴۹-۴۸)

ایک مناظرہ تو ملک العلما نے ایسا کیا ہے جس کا تاریخی نام ہی ہے ''پکے نجدیہ کا چپ مناظرہ'' ملک العلما کے پہلے ہی سوال کے جواب میں وہابی مناظر ایسا چپ ہوا کہ مسلسل تین گھنٹہ تک چپ رہا ...... لوگوں نے سکوت محض دیکھ کر کہا ان لوگوں (وہابیوں) کا مذہب باطل، اور مولانا ظفر الدین اور ان کے دوستوں کا مذہب حق ہے'' (تفصیل کے لئے دیکھئے حیات اعلیٰحضرت اول ص ۵۶-۵۵)

مناظرہ میں ملک العلما کو وہ ملکہ حاصل تھا کہ چلتے پھرتے مناظرہ کر لیتے تھے، اپنے حریف کو اپنی حاضر دماغی سے مبہوت کر کے توبہ پر مجبور کر دینا یہ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، شمس العلما حضرت علامہ غلام مجتبیٰ اشرفی تلمیذ ملک العلماء کے حوالے سے ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی لکھتے ہیں:

''ملک العلماء کے رشتے میں ایک ماموں، جبریہ فرقے کے حامی تھے (جبریہ فرقہ والوں کے نزدیک بندہ مجبور محض ہے) حسن اتفاق کہ دونوں ایک شخص کے گھر مدعو تھے، رمضان کا مہینہ تھا، جاڑے کے دن تھے، صاحب خانہ نے دونوں کا بستر ایک ہی کمرے میں لگا دیا، دونوں آرام کرنے لگے، رات میں جبریہ عقیدہ رکھنے والے ماموں کو استنجا کی

حاجت در پیش ہوئی، وہ استنجا کرنے چلے گئے، ملک العلما نے اندر سے دروازے کی چٹخنی بند کر دی، جب وہ واپس ہوئے تو دروازہ بند دیکھ کر دروازہ پیٹنے لگے، جب دیر ہو گئی تو انہوں نے ملک العلما کو مخاطب کر کے کہا، کہ باہر ٹھنڈک شدید ہے، جلدی سے دروازہ کھولئے، حضرت ملک العلما نے سنی ان سنی کر دی، جب بہت دیر ہو گئی تو ملک العلما نے فرمایا کہ میں لیٹا ہوں اور ''مجبور محض'' ہوں کیسے اٹھ کر دروازہ کھولوں، ابھی اللہ کا ارادہ نہیں ہوا ہے کہ میں دروازہ کھولوں، جب اللہ کی مشیت ہوگی تو کھول دونگا، بہت دیر تک وہ جاڑے میں ٹھٹھرتے رہے اور دروازہ پیٹتے رہے، بالآخر حیران و پریشان ہو کر اقرار کیا کہ ''میں سمجھ گیا کہ انسان مجبور محض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی قدرت عطا فرمائی ہے، میں اب تک گمراہی میں مبتلا تھا، آج تمہاری اس حرکت سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی، میں تمہارے سامنے اس بدعقیدگی سے توبہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے، اب آپ براہ کرم دروازہ کھول دیجئے، جب انہوں نے توبہ کر لی، تو ملک العلما نے دروازہ کھول دیا'' (ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا صد سالہ منظر اسلام نمبر، ص ۱۷۷-۱۷۸)

ملک العلما کو فیاض ازل نے فہم و ادراک...... بصیرت و دانائی...... زیرکی و ہوشمندی...... ژرف نگاہی و باریک بینی...... معاملہ فہمی و دور اندیشی...... روشن خیالی و حاضر دماغی کی گرانقدر دولت سے ایسا سرفراز کیا تھا کہ ممتاز شخصیتوں کے بیچ بھی امتیازی مقام کے حامل سمجھے جاتے تھے، اپنی ان تمام صلاحیتوں کا استعمال انہوں نے صرف اور صرف دین کی حمایت یعنی مسلک اعلیٰحضرت کی اشاعت کے لئے کیا۔ زمانے کے سرد و گرم تجربات نے ایسا پختہ کار بنا دیا تھا کہ مناصب آپ کو ڈھونڈا کرتے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں بریلی شریف میں ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کی تشکیل ہوئی تو حضور مفتی اعظم کے دور میں ''سرپرست عمومی'' کے اراکین میں شامل تھے ہی مزید براں جماعت کے شعبہ تبلیغ و ارشاد میں، شعبہ مناظرہ کے صدر بھی تھے۔''

(سہ ماہی افکار رضا، ممبئی، ج ۴، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸)

(بحوالہ تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص ۲۸۲)

ملک العلماء کے مناظروں سے ایک طرف مذہب حق اہلسنت و جماعت کا بول بالا ہوا تو دوسری طرف مذہب اہلسنت کی تعبیر جدید مسلک اعلیٰحضرت کا غلغلہ بلند ہوا ...... لوگ مسلک اعلیٰحضرت کے قریب آئے اور خود کو مسلک اعلیٰحضرت کے قریب کیا...... جب باطل نظریات کا قلع قمع ہوا تو لوگوں نے ایمان و کفر کے فرق کو سمجھا...... مذبذب قسم کے لوگوں نے اپنے افکار کا قبلہ درست کیا، اس طرح ہزاروں لوگوں کو ایمان کی سچی دولت نصیب ہوئی...... صرف تنہا، ضلع بوگرا کے مناظرے میں دو سو وہابیوں نے توبہ کر کے

سنیت اختیار کیا ...... (ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رام پور، ۲۰ جون ۱۹۲۵ء)

مسلک اعلیٰ حضرت دودھ سے زیادہ اجلا اور فولاد سے زیادہ سخت مسلک ہے۔ یہ صاف اتنا ہے کہ آسانی کے ساتھ آدمی اس کے مصفی آئینے میں اپنے معاملات کی تصویر دیکھ سکتا ہے ...... اور یہ سخت جان اتنا ہے کہ مخالف چٹان اس سے سر ٹکرا کر اپنا سر تو پھوڑ سکتی ہے پر اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی، انسانی زندگی میں نظریات کی بڑی اہمیت ہے، یہ اگر واضح، معتدل، اور غیر متزلزل ہو تو اس سے آدمی کے تصلب فی الدین کا پتہ چلتا ہے ...... اور یہ سختی ہی اس کا تشخص، اس کا عرفان، اور اس کی جان ہے، ملک العلما مسلک کے باب میں ایسے متصلب تھے کہ اس میزان پر ان کی نظر میں سب برابر تھا۔ کیا شاگرد اور کیا استاذ ...... کیا اپنا اور کیا پرایا ...... کیا عامی اور کیا عالم، اگر کھرا اتر گیا تو ٹھیک ہے ورنہ دور کا سلام ...... انہوں نے ہمیشہ حق پسندی حق گوئی و حق کوشی کو اپنا شعار بنایا، ان کی نظر میں یہ نظریہ ہمیشہ چمکتا رہتا تھا کہ:

”اعلیٰحضرت امام اہلسنت قدس سرہ العزیز اس امر پر اعتقاد رکھتے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور علمائے کرام ورثۃ الانبیاء ہیں، اس لئے اس پر بھی یقین کامل رکھتے تھے کہ علما کے ذمہ دو فرض ہیں، ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا، ...... دوسرا فرض مسلمانوں کو ان کی دینی باتوں سے واقف بنانا، ان پر مطلع کرنا، اس لئے جہاں کسی کو خلاف شرع کرتے ہوئے دیکھتے فرض تبلیغ بجا لاتے اور اس کو اپنے فرائض میں داخل سمجھتے۔“ (حیات اعلیحضرت، اول، ص ۲۱۷)

ملک العلماء بارگاہ اعلیحضرت کے پروردہ و پرداختہ و آراستہ و پیراستہ تھے، اس لئے تبلیغ و ہدایت کا فرض بجا لانے میں اعلیحضرت کے مظہر اتم تھے ...... حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی باوجود یہ کہ آپ کے استاد تھے ان کی حیات و خدمات پر مشتمل، حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، صدر الصدور حیدر آباد دکن کی کتاب آپ کے شہزادے ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب نے پیش کی، چونکہ اس میں موصوف کی توصیف میں صاف لکھا تھا کہ:

”آپ کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ کہیں آپ کی زبان کسی کی تکفیر سے ملوث نہیں ہوتی۔“

جب یہ جملہ آپ کی نظر سے گذرا تو آپ کی ایمانی غیرت، مسلکی حمیت کے سمندر میں ابال آ گیا، دلائل ابراہین کے ہتھوڑے سے اس جملہ کا سر کچل کر کے رکھ دیا، حیات اعلیحضرت جدید، حصہ دوم میں صفحہ ۱۰۶ر سے ۱۱۵ر تک ۱۰ر صفحے پر مشتمل آپ کا مضمون ہے جس میں آپ نے قرآن مجید کی تین آیت ...... چودہ احادیث مبارکہ ...... سات کتب فقیہہ اور ایک قول علما سے مسئلہ کو ایسا نکھار دیا ہے کہ بے ساختہ آپ کے حق میں کلمات تحسین نکل جاتے ہیں، اسی مضمون میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

”کبھی کسی کی تکفیر نہ کرنا کیوں کر قابل تعریف بات ہو سکتی ہے، جبکہ خداوند عالم نے تکفیر کی ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکفیر کی ...... صحابہ کرام

نے تکفیر کی ...... تابعین عظام نے تکفیر کی ......
حضرت عزت سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے، "یحلفون باالله ما قالوا و لقد قالوا کلمة الکفر و کفروا بعد اسلامهم" خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے کلمہ کفر نہ کہا، اور البتہ بے شک وہ کلمہ کفر بولے، اور مسلمان ہو کر کافر ہو گئے، اس آیت میں وکفروا بعد اسلامھم ہر وقت یاد رکھنے کے قابل ہے"

اس اقتباس میں اپنے موقف کی تائید میں آیت ربانی کے جلوؤں کی رنگا رنگی کے ساتھ جملوں میں جو ربط، سلاست، روانی اور چاشنی ہے وہ ادب معلیٰ کے نگار خانہ سے کم نہیں، حوالہ قرآنی کے بعد حدیث مصطفےٰ کی لمبی قطار ہے، پھر فرماتے ہیں ...... "سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک عالم کے لئے خلاف طریقہ خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم، وصحابہ کرام وفقہائے عظام روش کیونکر قابل مدح و ستائش ہوسکتی ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ زمانہ میں دو ذہنیت کے انسان ہیں، بعض نرم طبیعت کے ہیں، ان کے خیال میں ہے کہ کوئی کیسا ہی ہو، ہم کیوں اپنی زبان، یا قلم سے ایسا حکم لکھیں جو اس کی تکلیف، اور دل آزاری کا سبب ہو،...... اور بعض کا خیال ہے کہ ہم با اختیار نہیں ہیں، ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ عقائد سے لے کر اعمال، طہارت کے مسائل سے فرائض تک جو مسئلہ مجھ سے پوچھا جائے گا اس کا جواب دینا ہم پر فرض ہے، اس میں کسی شخص کی دل آزاری اور خوشنودی کے خیال سے بڑھ کر حضرت عزت سبحانہ و تعالیٰ کی خوشی اور اس کی طرف کی ذمہ داری ہے...... اور اگر نہ کیا جائے تو دین میں سخت فتنہ انگیزی ہوگی۔"

زیر بحث مسئلہ کے ہر پہلو کو مبرہن کرنے کے بعد اخیر میں تحریر کا رخ اعلیٰحضرت کی طرف مڑ گیا ہے اور مڑنا بھی چاہئے تھا کہ احقاق حق کے معاملے میں اعلیٰحضرت کا اس پورے عہد میں کوئی جواب نہیں تھا، اپنے قول وفعل، کردار و عمل، حرکت وسکون سے امام احمد رضا نے حق گوئی و بے باکی کی وہ تخم کاری کر دی کہ عہد رضا کے مشائخ واکابر نے افکار رضا کو دارین کی کامیابی کے لئے زندگی کا تعویذ بنائے رکھا اور بعد والوں کو اپنائے رکھنے کی وصیت کر گئے۔ ملک العلما تو پھر آپ کے تلمیذ رشید وسعید تھے آپ میں ان جذبات کی ولولہ خیزی فطری بات ہے، اعلیٰحضرت کے تصورات ونظریات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اعلیٰحضرت کا مسلک محبت و عداوت میں بالکل اس حدیث کا آئینہ تھا، من احبّ للہ، ابغض للہ و اعطی للہ، ومنع للہ فقد استکمل الایمان۔ جس شخص نے محض اللہ کے لئے محبت کی، (جس سے بھی محبت کی) اور اللہ ہی کے لئے عداوت کی (جس سے بھی عداوت کی) اور (جس کو جو کچھ دیا وہ) اللہ ہی کی رضا کے لئے دیا، اور جس کو منع کیا وہ بھی اللہ ہی کے لئے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔"

(حیات اعلیٰحضرت، جدید، دوم، ص ۱۱۴)

دور رضا میں لوگ جس طرح کف لسان سے موقع بے موقع کام چلانے اور جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے، نتیجے میں صلح کلیت کی جیسی آندھی چل رہی تھی اگر اعلیٰحضرت نے حق و باطل کے بیچ دیوار امتیاز نہیں کھینچ دیا

ہوتا تو آج ہم لوگوں کے لئے صدق و کذب کی پہچان مشکل ہوگئی ہوتی، امان اٹھ گیا ہوتا، باوجود یہ کہ حضور ملک العلماء روش روش اعلیٰحضرت کے متبع تھے، مگر پھر بھی جہاں ضرورت پڑتی اعلیٰحضرت حوصلہ افزائی بھی کرتے اور ہدایت و تنبیہہ کی گہر ریزی بھی فرماتے، اعلیٰحضرت کی تحریرات، ہدایات وتنبیہات بولتی ہیں کہ رد مذاہب باطلہ کتنی ضروری چیز، بلکہ تمام ضرورتوں میں اہم و اعظم چیز ہے ...... اور یہ بھی کہ شاگرد کو اپنے استاذ مرید کو اپنے پیر ...... صغیر کو اپنے کبیر کے مشوروں سے کسی حال میں اپنے آپ کو مستغنی نہیں سمجھنا چاہئے، چاہے وہ شاگرد و مرید خود صاحب الرائے کیوں نہ ہو، آج کے اس آزادروی کے دور میں جبکہ ہر آدمی اپنے کو صاحب کمال سمجھ کر مشورے کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کر رہا ہے، اعلیٰحضرت کی تنبیہہ ان کو چونکانے کے لئے کافی ہے، دیکھئے ملک العلماء کے نام خط میں اعلیٰحضرت کیا کہہ رہے ہیں اور ملک العلماء کے پس پردہ ہم لوگوں سے کیا کہا جارہا ہے...... آپ کا رسالہ

”موذن الاوقات“ آیا نام بھی نہایت مناسب، و موزوں پایا، اس کے مقصد اول و خاتمہ کو ضرور دکھا لینا چاہئے اور تذہیب کا حرف بحرف قبل طبع دکھا لینا فرض اہم ہے، ...... مولانا کسی وقت اپنے آپ کو ”مشورۂ احباب“ سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے...... آپ کی تصانیف ”عافیہ“، ”وافیہ“، ”تقریب“ پر خوشی ہوئی مگر کاش یہ وقت آپ نے ”بہشتی زیور و گوہر“ کی قلعی کھولنے میں صرف کیا ہوتا تو عمدہ ذخیرہ عقبیٰ ہوتا جہان ان کتابوں سے گمراہ ہوتے جاتے ہیں“ (حیات اعلیٰحضرت، اول، ص ۸۰-۲۷۹)

دوسرے خط میں ملک العلما کے کسی رسالہ کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے گہر ریز ہیں:

”رسالہ دیکھا بعونہ تعالیٰ بہت اچھا لکھا ہے، جزاکم اللہ خیرا کثیرا فی الدنیا والآخرہ،

کاش یہ قوت دفع خباثات جہنمی زیور میں صرف ہو“ (حیات اعلیٰحضرت اول، ص ۲۸۲)

مولوی اشرفعلی تھانوی کی بہشتی زیور کا ان دنوں بڑا چرچا تھا، سنی حضرات بھی اپنی بچیوں کو پڑھواتے تھے، اس کے مندرجات سے غفلت کی وجہ سے لوگوں میں بداعتقادی پھیل رہی تھی، اس کا جواب یانعم البدل بہت ضروری تھا، مگر قلم اٹھائے تو کون اٹھائے، اعلیٰحضرت کے دوسرے موضوعات کا استقصاء فرمارہے تھے، لے دے کہ حضور ملک العلماء کی ذات تھی جس سے اعلیٰ حضرت کی امیدیں وابستہ تھیں، وہی ترکی بہ ترکی جواب آں غزل پیش کرسکتے ہیں، مگر حضور ملک العلماء نے دوسرے عنوان کو ضروری سمجھا اور کتابیں تحریر فرمائیں وہی تب اعلیٰ حضرت خط میں اہم اور اہم الاہم کا فرق سمجھاتے ہیں۔ حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں، اور لوگوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے صلہ میں اپنا جو آخرت کا نفع ہے اس کا پتہ بھی دیتے ہیں، دونوں کے اقتباس سے اعلیٰ حضرت کی ملی فکرمندی نمایاں ہے، چوں کہ

اعلیٰحضرت کا دل ہر وقت ملت کے درد میں ڈوبا رہتا تھا، ہمہ دم ملت کی کشتی کی ناخدائی کی فکر ان پر چھائی رہتی

تھی، طوفان چونکہ مختلف چولے میں رنگ بدل بدل کر دستک دیتے تھے، اس لئے بدلے ہوئے رخ کو پہچاننا اور اس کے مضمرات سے مسلمانوں کو بچانے کی تدبیر کرنا یہ وہ افکار تھے جو ہمیشہ اعلیٰحضرت کو مضطرب رکھتے تھے، جب ایسی کوئی ناگہانی ضرورت درپیش ہوتی تو اس کے ازالہ و دفعیہ کے لئے جس شخص کو پہلے آواز دیتے تھے وہ ''ملک العلما'' ہیں۔ وہ چاہے ندوہ کا معاملہ ہو یا قربانی گاؤ کا، اذان ثانی کا مسئلہ ہو یا ترک موالات کا، اور ملک العلما بھی اعلیٰحضرت کی پکار پر لبیک کہنے کے لئے مسلک اعلیٰحضرت کے تحفظ و بقا کے لئے ہمیشہ با وضو ہی رہا کرتے تھے، قومی بیداری کے لئے اعلیٰحضرت نے منصوبہ بنایا، تدبیر چلائی، بریلی شریف میں سہ روزہ کانفرنس کا پروگرام رکھا، اب ملک العلماء کو لکھتے ہیں:

''حالات حاضرہ و مصائب دائرہ نے اسلام و مسلمین کو جس درجہ سراسیمہ و پریشان کیا ہے، آپ جیسے واقف کار حضرات سے مخفی نہیں، علماء اہلسنت و جماعت اگر اب بھی بیدار نہ ہونگے تو (خدانخواستہ) وہ دن دور نہیں کہ سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ چارہ کار نہ پائینگے، انہیں ضرورتوں کو محسوس کر کے علمائے اہلسنت و جماعت کا ایک مہتم بالشان جلسہ، ۲۲، ۲۳، ۲۴ شعبان المعظم ۳۹ھ روز دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ کو ہونا قرار پایا ہے، میں جناب کی اعانت دینی، وتوجہ مذہبی سے امید واثق رکھتا ہوں کہ اس ضروری دینی کام کو سب کاموں پر مقدم سمجھیں گے، اور تشریف لا کر اپنے مفید مشورہ اور مواعظ حسنہ سے مسلمانوں کی اصلاح احوال فرمائیں گے اور جو صاحب اس کار خیر میں اپنے صرف کے متحمل نہ ہوسکیں جلسہ ان کی خدمت کے لئے حاضر ہے'' (حیات اعلیٰحضرت، اول، ص ۳۰۱)

اعلیٰحضرت کے خط کے نیچے، ناظم جمعیت مولانا حسنین رضا بریلوی کا نوٹ ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''جناب کی تشریف آوری اشد ضروریات سے ہے، روانگی سے قبل پہنچنے کے وقت سے مطلع فرمائیں''

دین کا کام صرف باتیں بنانے ...... منصوبوں کا گلشن سجانے ...... اور علمی روکھا پھیکا دعویٰ کرنے سے نہیں چلتا، اس کے لئے بڑی قربانیاں دین پڑتی ہیں ...... جذبہ اخلاص و وفا کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے، جانی ...... علمی ...... مالی ہر طرح کی دولت نچھاور کرنی پڑتی ہے تب اس کے خزاں رسیدہ چمن میں بہاروں کی بارات اترتی ہے ...... زمانہ رسالت سے اب تک اسلام کے عروج کی تاریخ یہی رہی ہے، اور یہی ریت زندہ رہے گی تو اسلام کے چہرے پر ہریالی رہے گی ...... مسلک کی اشاعت و ترویج کے لئے اعلیٰحضرت اپنے جیب خاص سے ۲۰۰ روپیہ خرچ کیا کرتے تھے، جو آج کے بیس ہزار کے برابر ہے، یہ قربانی کا جذبۂ آج مسلک اعلیٰحضرت کا زبانی نعرہ لگانے والوں کے لئے تازیانہ عبرت و ہدایت ہے۔ اعلیٰحضرت کا ایثار اپنوں سے چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ صرف اعلامیہ مت جاری کرو، ایثار کی علامت بنو، علم والے علم سے ...... فکر والے فکر سے ...... دولت والے دولت سے، غرضیکہ جس کے پاس جو اثاثہ ہے لے کر حاضر ہو جاؤ، آگے بڑھو، آگے بڑھاؤ، تب سمجھو تم نے دین کو آگے

بڑھانے میں حصہ لیا، اس کے تحفظ میں مدد کی، تب کہو مسلک اعلیٰحضرت کے تم سچے وفادار ہو۔ خط کی، خط کشیدہ عبارت پڑھیئے اور بار بار پڑھیئے، دیکھئے اعلیٰحضرت ایثار کا کیسا نمونہ تھے، اس نمونے کا واقعی جو لوگ نمونہ تھے ان میں ایک نمایاں نام حضرت ملک العلماء کا ہے، وہ مسلک اعلیٰحضرت کے پرجوش داعی تھے...... جانباز سپاہی تھے...... بے لوث مبلغ تھے...... بے باک ہادی تھے۔

عجیب عہد تھا عہد رضا، جتنا منہ اتنی بات، ہر ہاتھ میں قرآن، سب کے ساتھ میں حدیث، سب کا دعویٰ کہ ہم ہی اسلام کے سچے راہبر ہیں، لیکن جب ......طوفان چھٹا، حالات کے چہرے سے غبار ہٹا، تب لوگوں نے تسلیم کیا کہ مولانا احمد رضا کا پیغام ہی پیغام حق و ہدایت ہے، پیغام رضا ہی پیغام وفا ہے، اس افراتفری کے دور میں صرف اعلیٰحضرت کی تحریک محبت و اتحاد تھی جو لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا رہی تھی، جو ایک مرکز ایمان پر سب کو جمع کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی، اور اپنی اس تمنا کی تکمیل میں شب و روز مصروف عمل ...... مشغول دعا...... منہمک آہ و فغاں تھی، اعلیٰحضرت کا مطمح نظر وہی تھا جو قرآن وحدیث کی روایات ونظریات کی روح تھا، مغز تھا، لب لباب تھا، کہ کہیں جانے کچھ اور سوچنے ......اور جیسا تیسا کرنے سے تم کامیاب نہیں ہوگے، تمہاری کامیابی کا راز بس اس نکتہ میں مضمر ہے کہ مصطفیٰ پیارے کی دہلیز امن وسکون سے چمٹ جاؤ، یہی در خدا کا در ہے، اسی در سے خدا تک پہنچنے کا اذعان وایقان ملے گا، حضور ملک العلما اعلیٰحضرت کی اس فکر کے کیسے امین ......اعلیٰ حضرت ولولۂ دینی سے کیسے سرشار تھے اپنی ایک تقریر منیر و دل پذیر میں جو لکھتے ہیں، لگتا ہے ملک العلماء کے قلم سے اعلیٰحضرت کی تحریر کا دھارا چل رہا ہے، دیکھئے، دیکھئے ملک العلما کی یہ تحریر:

"بغیر حضور کی محبت کے خدا سے محبت کرنا بھی نجات کے لئے کافی نہیں، بلکہ جو شخص ایسا دعویٰ کرے محض لاغی ہے، اس لئے کہ محبوب کا محبوب محبوب ہوتا ہے، جس کے دل میں رسول اللہ کی محبت نہیں خدا کی بھی محبت نہیں، خدا کی محبت اور اس کا راستہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دکھایا، بغیر حضور کے خدا تک رسائی ناممکن ہے، انعامات تو اس رحمۃ للعالمین کے صدقے میں ملتے ہیں، بے وسیلہ وبغیر واسطہ حضور کے کوئی شخص نعمت ایمان سے کیونکر بہرہور ہوسکتا ہے، پس اے اللہ والو! تم کو لازم ہے کہ رسول اللہ کی محبت میں اپنے کو فنا کردو، دیکھو خداوند عالم خود ان سے محبت کرتا ہے، تو ضروری ہے کہ تم بھی تخلقو ابا خلاق اللہ کے ساتھ متصف ہو جاؤ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا جانو۔

کیا کام دے گا جس کو فقط ہو خدا سے عشق
ہوگی نجات کیا جو نہ ہو مصطفیٰ سے عشق
جنبی نہیں تو کہاں ہے خدا سے عشق
کچھ ہو طلب خدا کی تو کر مصطفیٰ سے عشق
بے پرسش عمل وہ ہوا داخل بہشت
جس کو رہا جناب رسول خدا سے عشق

(میلادِ رضوی، ص،۱۰)

ادیان عالم میں دین اسلام ہی خدا کا پسندیدہ دین ہے، چونکہ خدا زندہ ہے لہٰذا اس کا دین بھی زندہ ہے، الگ الگ دور میں اسلام کی الگ الگ تعبیریں رہی ہیں، دور حاضر میں اسلام کی سب سے اچھی اور سچی تعبیر مسلک اعلیٰحضرت ہے، مسلک اعلیٰحضرت امام اعظم کی شان فقاہت، اور غوث اعظم کی شان ولایت کے حسین مجموعہ کا نام ہے، یہ مجمع البحرین مسلک ہے، ان دونوں بزرگوں کے الطاف شاہانہ سے شادکام ہے، اعلیٰحضرت نے امام اعظم کے افکار فقہیہ، اور غوث اعظم کے انوار قطبیہ کو فتاویٰ رضویہ کے قلعہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے، واقعات شاہد ہیں کہ دونوں بزرگوں نے اعلیٰحضرت کی خدمات پر مسرت کا اظہار فرما کر اعلیٰحضرت کو اپنا نائب و وارث بنا لیا ہے، اس تناظر میں میرا ذوق و وجدان بولتا ہے کہ دونوں بزرگوں کی عنایات مسلک اعلیٰحضرت کے ساتھ ہیں، امام اعظم کی سوانح میں میں نے کہیں پڑھا ہے کہ مسلک امام اعظم خدائے بزرگ و برتر کا وہ محبوب مسلک ہے کہ مجتہدین حضرات میں سے جنہوں نے مسلک امام اعظم کی مخالفت کی ان کا مذہب مٹ گیا، مظہر امام اعظم سیدی امام احمد رضا مجدد اعظم کی نسبت سے آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ جس خانقاہ، یا جس شخص نے مسلک اعلیٰحضرت کی مخالفت کی وہ گمنامی میں چلے گئے، آج جو گنتی کے چند عاقبت نا اندیش مسلک اعلیٰحضرت سے انحراف پر آمادہ ہیں انہیں ہوش کے ناخن لینے چاہئے کہ مسلک اعلیٰحضرت مسلک امام اعظم ہی کی تشریح و توضیح ہے اور عمدہ تصریح و تعبیر کا نام ہے، جب مخالفت سے مجتہدین کا مذہب نہیں بچ سکا تو ان لوگوں کی دوکان کا کیا حشر ہوگا، الاماں والحفیظ، اور جن لوگوں نے مسلک اعلیٰحضرت کو اپنا نصب العین بنا لیا، زمانے نے ان کے افکار و آثار، احوال و خدمات پر پردہ ڈالنے کی بہت کوشش کی، مگر بادلوں کی اوٹ سے آخر ان کا درخشندہ چہرہ نمودار ہو کر رہا، حضور ملک العلماء اس کی بہت بڑی مثال ہیں۔ ملک العلما کی حیات و خدمات ایسی نمایاں اور تاباں تھیں کہ انہیں فخریہ بیان کیا جاتا، قومی و ملی اسٹیج پر رشکیہ پیش کیا جاتا، مگر برا ہوا معاصرانہ چشمک اور ملکی و صوبائی عصبیت کا جس نے ہمیشہ ملک العلما کو پس پردہ رکھنے کی کوشش کی۔ مگر ملک العلماء مسلک اعلیٰحضرت کی چلتی پھرتی تصویر تھے ......انہیں چمکنا ہی تھا وہ چمک کے رہے۔ آج جوان پر کام ہو رہا ہے یہ کام اگر دس بیس برس پہلے ہو گیا ہوتا تو بہت بڑا کام ہوا ہوتا، مگر وہ جو اعلیٰحضرت نے کہا ہے اسے دیکھ کر تسلی ہو جاتی ہے کہ:

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

بولنے کو تو ہم لوگ خوب بولتے ہیں، مسلک اعلیٰحضرت، نعرہ لگانے کو تو خوب نعرہ لگاتے ''مسلک اعلیٰحضرت، زندہ باد'' دعویٰ کرنے کو تو خوب دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ہی مسلک اعلیٰحضرت کے واقعی علمبردار ہیں، مگر کاش کبھی ان دعوؤں اور نعروں کی گہرائی میں جھانکنے کی بھی ہم نے کوشش کیا ہوتا کہ ''مسلک اعلیٰحضرت کن کن عناصر کا مرکب ہے، مسلک اعلیٰحضرت کی روح کیا ہے، بغیر روح کے یہ نعرہ مردہ جسم کی طرح کسی کام کا نہیں ہے، تو یاد رکھئے مسلک اعلیٰحضرت کی روح ہے، ''ادب'' اور ''تواضع''

تفصیل کے لئے دیکھئے مرشد اعلیٰحضرت، خاتم الاکابر، سیدنا الشاہ آل رسول مارہروی کی سوانح حیات۔ یہ حقیقی روح جب تک ہم میں نہیں جاگزیں ہوتی، ہم نعرہ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، نہ ہماری تحریک و تنظیم کامیاب ہوگی۔ یہ تواضع اور ادب ہی تھا جس نے مولانا ظفر الدین کو ملک العلما بنا دیا، تواضع و ادب کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ یہ جس سینے میں ہوتا ہے وہاں بغض و حسد کا گزر نہیں ہوتا۔ اور جہاں بغض و حسد ہوتا ہے وہاں اتحاد و اتفاق نہیں ہوتا، محبت و یگانگت نہیں ہوتی، مساوات و اخوت نہیں ہوتی، اعلیٰحضرت اپنے زمانے میں ''اتحاد'' کے سب سے بڑے علمبردار تھے، لہٰذا ان کی اولین خواہش تھی کہ لوگ ادب و تواضع کے پیکر و خوگر بنیں تا کہ دلوں سے بغض و حسد دور ہو، اور اتحاد و اتفاق کا ظہور ہو...... اس سلسلے میں ان کی بہت ساری کوششوں میں ایک چمکتی ہوئی کوشش جو ان کے مخلص مصلح...... دردمند ناصح...... اور پرسوز مبلغ کا خطبہ پڑھ رہی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تمام سنی مسلمانوں کی روح میں ادب و تواضع اتار دینا چاہتے تھے، تا کہ خود بخود بغض و حسد کی بیخ کنی ہو جائے، چونکہ جہاں ادب و تواضع ہوتا ہے وہاں عظمتوں کا اعتراف ہوتا ہے...... قدر افزائی ہوتی ہے...... دلجوئی، دلگیری اور دلپذیری ہوتی ہے، آج یہ چیزیں ہم میں کالعدم ہیں کہیں ہم سے ادب و تواضع کا دامن نہیں چھوٹ گیا ہے، غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر واقعی یہ بھول ہم سے ہوئی ہے یا ہو رہی ہے تو پھر ہم کیسے رضوی ہیں، ادب و تواضع تو رضویت کی روح ہے ان کو اپنائے بغیر تو ہم ''رضوی'' ہو ہی نہیں سکتے...... شاید اسی وجہ سے ہماری

جمعیت پارہ پارہ ہے......ہم ٹکڑوں میں سمٹ کر رہ گئے ہیں، وہ جو آفاق میں چھا جانے کے لئے ہے وہ گلیوں، کوچوں میں سمٹ کر رہ جائے، تعجب ہے، ملک العلماء کے آفاقی اقدار کو اپنا کر ہمیں اپنی اصلاح کی فوری ضرورت ہے...... مومن آفاق میں گم ہونے کے لئے نہیں ہے، آفاقیت کو اپنے اندر گم کرنے کے لئے ہے...... اعلیٰحضرت آفاقیت کا جوہر پیدا کرنے کے لئے سینوں کو کیا کیا گر سکھاتے تھے...... اجتماعیت کے رمز سے آشنا کرنے کے لئے کیسی کیسی حکمت عملی بتاتے تھے...... سنی چاہے جہاں کہیں بھی رہے، ایک بن کے رہے...... متحد ہو کر رہے...... متفق بن کے جیئے، اس کے لئے ان سے جو ہو سکتا تھا وہ سب کر گزرتے تھے...... شب برات میں دعاء قبول ہوتی ہے، مگر کچھ ایسے بھی ہیں جن کی دعاء اس رات بھی قبول نہیں ہوتی ہے، ان میں بغض و حسد رکھنے والے سر فہرست ہیں، اعلیٰحضرت یہ چاہتے تھے کہ شب برات کے فیض سے ہر سنی فیضیاب ہو، مگر ہو کیسے سینہ میں بغض و کینہ بھرا ہوا ہے، تو اعلیٰحضرت چاہتے تھے کہ شب برات کے آنے سے پہلے تمام سنی مسلمان ایک دوسرے سے مل کر بغض و حسد دور کر لیں تا کہ شب برات کی محنت رائیگاں نہ جائے اور اتحاد و وداد کی خوشبو سے پورا سماج معطر رہے، اس کام کے لئے وہ دردمند مضمون سے لبریز، ہر سال پوسٹر نکالتے تھے اور پورے بر صغیر میں اپنے ذاتی خرچہ سے پھیلا دیتے تھے، ہر علاقے کے نمائندے کو یہ تاکید تھی کہ پوسٹر کے مضمون پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں سے بھی کرائیں، اس کا اتنا اچھا ہمہ گیر اثر ہوتا تھا کہ بچھڑے قلوب آپس میں مل جاتے تھے......

ٹوٹے دل جٹ جاتے تھے ...... لوگ ایک دوسرے سے معافی مانگتے تھے ...... مل جل کر رہنے کا وعدہ کرتے تھے ...... جب گلے مل کر روتے تھے تو ادب وتواضع کے نور سے دلوں کی دنیا پرنور ہو جاتی تھی، یہی تو اعلیٰحضرت کی مرضی تھی کہ سنی سب مل کر رہیں ...... ان کے آپس میں محبت وخلوص رہے، خود پڑھئے اعلیٰحضرت کی یہ تحریر اور خدا توفیق دے تو عبرت حاصل کیجئے۔

پوسٹر کا مضمون

شب برات قریب ہے، اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں، مولیٰ عز و جل بطفیل حضور پرنور، شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے، مگر چند، ان میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں، فرماتا ہے ان کو رہنے دو، جب تک آپس میں صلح نہ کر لیں، لہٰذا اہلسنّت کو چاہئے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب ۱۴ رشعبان یا ایک دوسرے سے دل کی صفائی کر لیں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں، یا معاف کرالیں کہ باذنہ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہو کر، بارگاہ عزت میں پیش ہوں، حقوق مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبہ صادقہ کافی ہے، التائب من الذنب کمن لاذنب لہ، ایسی حالت میں باذنہ تعالیٰ ضرور اس شب میں امید مغفرت تامہ ہے، بشرط صحت عقیدہ، وھو الغفور الرحیم، یہ سب مصالحت اخوان و معافی حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے، امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجرا کرکے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا الی یوم القیامۃ لا ینقص من اجورھم شیئاً کے مصداق ہوں، یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اور عمل کرے اس کا ثواب ہے، اور قیامت تک جو اس پر عمل کرے ان سب کا ثواب ہمیشہ نامہ اعمال میں لکھا جائے، بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو وعافیت دارین کی دعاء فرمائیں، فقیر آپ کے لئے دعاء کرے گا، اور کرتا ہے، سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے صلح و معافی سب سچے دل سے ہو'' (حیات اعلیٰحضرت، اول، ص ۲۶۸)

یہ ایسی تحریر ہے کہ پتھر دل بھی پڑھے تو پگھل جائے، ...... شقی سے شقی بھی ہو تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اعلیٰحضرت کے تلامذہ وخلفاء میں جو رفق ونرمی ...... شفقت و عاجزی ...... ملائمت وخاکساری، دلبستگی و دلجوئی کی کیفیت و سرشاری ہم دیکھتے ہیں وہ اعلیٰحضرت کی ایسی ہی تحریروں، مجالس کی نشستوں صحبتوں، رفاقتوں، اور مخصوص ہدایتوں کی محسوس برکتیں ہیں۔ عموماً آج صرف زبانی جمع خرچ ہے کہ ہم مسلک اعلیٰحضرت کے پیروکار ہیں ...... دو ایک چیزوں پر اگر عمل کر لیا تو ڈھنڈورہ پیٹ دیا گیا۔ حالانکہ یہ ڈھنڈورہ پیٹنا خود مسلک اعلیٰحضرت کے منافی ہے ...... مسلک اعلیٰحضرت

کے صحیح معنوں میں پیروکار تو ملک العلما تھے کہ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی ان کا ضمیر پکارتا تھا کہ

"حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

کسی بھی بزرگ کی بارگاہ میں سب سے بڑا خراج عقیدت جس سے ان کی روح مسکراتی، اور دعا دیتی ہے یہ ہے کہ اس بزرگ کے مشن کو اپنایا جائے، مشن سے دور رہ کر ہر لگن رائیگاں ...... ہر جتن بیکار ہے ...... حضور ملک العلما کے نزدیک "مسلک اعلیٰحضرت" ایک مشن تھا، نشہ تھا ...... دھن تھا، ان کے قالب پر مشن کا رنگ و نور ...... ان کی نظر میں مشن کی چمک دمک ...... ان کی روح میں مشن کا کیف و سرور ...... ان کے دماغ پر مشن کا رکھاؤ اور رچاؤ ایسا گھل مل اور رچ بس گیا تھا کہ وہ بریلی کے باہر بھی ہوتے تھے تو بریلی ہی کی بولی بولتے تھے ...... بریلی ہی کا گن گاتے تھے ...... بریلی ہی کا نعرہ لگاتے اور لگواتے تھے ...... وہ جہاں جاتے پٹنہ کا جھنڈا لے کر نہیں جاتے، مارہرہ کا ڈنڈا اور بریلی کا جھنڈا لے کر جاتے، اور اپنی ہمت مردانہ ...... جرأت مومنانہ ...... اور قوت عالمانہ سے کوہ کوہ ...... قلع قلع ...... وادی وادی ...... پربت پربت جھنڈا نصب کر دیتے۔ وہ جو کچھ کہتے یا کرتے اس میں مشن کی روح شامل رہتی، یہ مشن ہی کی جانثاری کی فیض بخشی ہے کہ آج جہاں مسلک اعلیٰحضرت ہے وہیں ملک العلما ہیں ...... اور جہاں ملک العلما ہیں وہیں مسلک اعلیٰحضرت ہے اگر دونوں کو محبت سے ضم کر دیجئے تو جو روپ بنتا ہے وہ ہے ملک العلما اور مسلک اعلیٰحضرت۔

گوہر مطالعہ

زندگی کے وہ لمحے بڑے قیمتی، بلکہ متاع حیات ہوتے ہیں جو کسی دینی خدمات کی انجام دہی میں صرف ہو جائیں، پھر جس نے دینی مہم جوئی ہی کو حاصل زندگی بنا لیا ہو، اس کے نصیبے کی ارجمندی کو لفظوں کے کچے دھاگے سے کون ناپ سکتا ہے ...... آنے کو تو ہر دن نہ جانے کتنے لوگ تشریف لاتے ہیں، مگر ان میں کچھ وہ خوش بخت ہوتے ہیں جو دنیا میں صرف دین کے لئے قدم رنجہ فرماتے ہیں ...... وہ دین کے لئے جیتے ہیں ...... دین کے لئے رہتے ہیں ...... دینی انہماک میں انہیں سکون دل ملتا ہے ...... اور پھر دینی خدمات کے نشے میں مخمور، اس فانی دنیا سے بقا کا جام پی کر تشریف لے جاتے ہیں ...... وہ چلے جاتے ہیں مگر ان کی جلائی ہوئی شمعیں ان کی حیات و خدمات کو روشن رکھتی ہیں ...... لوگ ان کو دل و دماغ میں یاد رکھتے ہیں۔ زبانیں ان کے ذکر سے تر رہتی ہیں۔ مدارس ان کو اپنی درسگاہ میں یاد رکھتے ہیں، علمی شعائیں اپنے فانوس ان کی یادوں سے سجاتی ہیں ...... خانقاہیں کنج خمولی میں انہیں یاد رکھتی ہیں، خلوت خانے ان کی تجلیات سے پرنور رہتے ہیں ...... ملی انجمنیں اپنی بزم میں انہیں یاد رکھتی ہیں؛ ان کی یادوں سے محفل کا چراغ فروزاں رہتا ہے ...... گویا کہ وہ جا کر بھی جاتے نہیں ہیں، مختلف شکل میں موجود رہتے ہیں۔ انہیں جانے اور جا کر موجود رہنے والی شخصیتوں میں ایک عظیم شخصیت ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی ہے ...... آج ملک العلما کا نام دبستان رضا کی

صف اول میں ہے...... اور فیضان رضا سے علم کی ہر انجمن میں ہے...... تحقیق کی ہر بزم میں ہے...... فقہ وتصوف کے ہر شبستان میں ہے...... شریعت کے ہر اسٹیج اور طریقت کے ہر خلوت کدے میں ہے...... وہ اپنے لافانی کارناموں اور لاثانی دینی خدمتوں کی بنیاد پر زندہ ہیں۔ وہ زندہ ہیں وہ زندہ رہیں گے...... اس لئے کہ دینی مہمات و خدمات میں وہ قوت و تاثیر ہے جو موت کو بھی مسیحا کر دیتی ہے...... فانی زندگی کو جاوداں بنا دیتی ہے...... خود رب قدیر کا بھی وعدہ ہے ان تنصروا الله ینصرکم، اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور دین عقائد و اعمال کے مرقع کا نام ہے جسے عرف عام و خاص میں مسلک اعلیٰحضرت کہا جاتا ہے، ملک العلما کے جہان حیات میں جان حیات بن کر مسلک اعلیٰحضرت سرایت کئے ہوئے تھا، وہ خوب سمجھتے تھے کہ دور حاضر میں مسلک اعلیٰحضرت کی خدمت دینی خدمات کی روح ہے...... اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیں اسی ذریعہ اور وسیلہ سے ملے گی...... وعدہ الٰہیہ ملک العلما کے ساز حیات کو یقین کے مضراب سے چھیڑتی رہی اور وہ اس سے پھوٹنے والے نغموں سے مست و الست ہوتے رہے...... وہ اس اذہان سے سرشار تھے کہ اللہ کی مدد کا دائرہ محدود نہیں ہے، زندہ رہو تو زندگی میں مدد...... وقت وفات آئے تو جام وفات پینے میں مدد...... بعد وفات اپنے قربت و وصال سے مدد، بنابریں وہ خدا کے دین کی خدمت میں اپنی پوری توانائی و اخلاص کے ساتھ جٹے رہے...... اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمات دینی کو وہ شرف قبول بخشا اور روح قدس سے ان کی ایسی مدد فرمائی کہ اپنے بندوں کی زبان سے رحمۃ اللہ علیہ کہلوا دیا، انہیں اپنا ولی بنا لیا، اور مشکوٰۃ شریف میں ہے ''اللہ جسے اپنا ولی یعنی دوست بنا لیتا ہے تو جبریل امین علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ فلاں بندہ میرا محبوب ہے تم بھی اسے اپنا محبوب بنا لو، حضرت جبریل علیہ السلام اسے اپنا محبوب بنا لیتے ہیں...... پھر آسمانوں میں اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، اے فرشتو تم سب اسے محبت کرو...... چنانچہ آسمان والے فرشتے سب کے سب اس سے محبت فرمانے لگ جاتے ہیں، پھر زمین میں اس کی محبت اتاری جاتی ہے (اور زمین والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ کہاں کہاں سے لوگ ولی کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور خراج عقیدت پیش کرتے رہتے ہیں اور اگر نہیں پہنچ سکے تو دل کے نشیمن میں ان کی یادوں کا چراغ جلائے رکھتے ہیں، یہی اجالے قدم قدم پر رہنمائی کرتے رہتے ہیں...... یہاں پر یہ بھی بتاتا چلوں کہ ولایت کا اصل معیار کرامت کا اظہار نہیں، شریعت کی پابندی ہے...... الاستقامته علی الشریعة اشد من الف کـــرامة، شریعت کے ایک قانون پر مداومت ہزار کرامتوں پر اکیلے بھاری ہے، ملک العلماء کے استقامت علی الشریعت کی شہادت اپنے زمانے کے سب سے بڑے محتاط عالم و عارف امام احمد رضا یہ کہہ کر دے رہے ہیں......

''آپ کے پاس علم نافع، ثبات علی السنۃ ہے''

(حیات اعلیٰحضرت، اول، ص ۳۰۷)

اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے، یہ ایک ہی ثبوت، ہزار ثبوت کا ایک ثبوت ہے...... اس لئے کہ یہ قطب الارشاد کی گواہی ہے...... وارث امام اعظم کی گواہی

ہے...... نائب غوث اعظم کی گواہی ہے...... اپنے زمانے کے مجدد اعظم کی گواہی ہے۔

ملک العلما کو اعلیٰحضرت نے ثبات علی السنۃ کا حامل اور علم نافع کا حامل یوں ہی نہیں کہا ہے، وہاں تو آئینہ ادراک بولتا تھا...... حقیقت بے نقاب رہ کر جلوہ آرا رہا کرتی تھی...... ملک العلما کا لمحہ لمحہ عیاں تھا تب محدث بریلوی نے اتنی وزنی بات کہی ہے...... حق یہ ہے کہ ملک العلما کی زندگی فکر مصطفےٰ و ذکر خدا سے عبارت تھی۔ اور جو اللہ کے ذکر کا متوالا بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے انعام یہ ہے کہ فاذکرونی اذکرکم، تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا'' دنیاوی حیات میں شہرت وعزت دے کر یاد رکھوں گا...... جب دنیا سے منہ موڑنے لگوگے تو خاتمہ بالخیر کی سعادت سے یاد رکھوں گا...... اور اس کے بعد خود یاد رکھونگا۔ اپنے بندوں سے یاد کرواتا رہونگا۔ ملک العلماء کی کتاب زندگی کے جس ورق کو کھولئے ہر ورق ذکر خدا کے نقوش سے گلنار بنا ہوا نظر آتا ہے...... ان کی قبائے حیات پر ہر جگہ یاد الٰہی کے گل بوٹے دامن دل کھینچتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی پند ونصیحت سے ذکر خدا...... تقریر وتحریر سے ذکر خدا...... تصنیف وتالیف سے ذکر خدا...... درس وتدریس سے ذکر خدا...... مباحثہ ومناظرہ سے ذکر خدا...... خاموشی و گویائی سے ذکر خدا، بس ذکر خدا کرتے رہے...... ان کا مجمع وتنہائی خدا خدا بولتی تھی۔ ان کی جلوت وخلوت سے نبی نبی کی صدائے دلنواز آتی تھی، اس ذکر پر ہمیشگی کی برکت دیکھئے کہ جب دنیا سے گئے تو ذکر بالجہر اللہ اللہ کرتے دنیا سے گئے، جیسے ہاتف غیبی آواز دے رہا تھا مولانا ظفر الدین دنیا میں تمہاری مرضی یہ تھی کہ تمہارے لبوں پر ہر وقت میرا ہی نام رہے، تو اب میری مرضی یہ ہے کہ دنیا سے جاتے وقت بھی تمہارے لبوں پر میرا ہی نام رہے۔

شہزادۂ ملک العلماء ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں:

''ان کی عبادت وریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی، نہ ان کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق، زندگی کے آخری دن تک وہ علمی و دینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے، شب دوشنبہ ۱۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ، ۱۸ رنومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر اللہ اللہ کرتے انہوں نے اپنی جان، جان آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہل خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں'' (مقدمہ صحیح البہاری، ص ۱۰)

خوب کہا ہے حضرت استاذ زمن نے:

جب تیری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی
جان لینے کو قضا بن کے دلہن آئی ہے

❁❁❁

منابع و مراجع

۱۔ الجامع الرضوی (مقدمہ) ملک العلماء ومولانا سید محمد ظفر الدین بہاری، انجمن برکات رضا، پھول گلی ممبئی۔ ۲۰۰۳
۲۔ حیات اعلیٰحضرت، قدیم، اول قادری کتاب گھر، بریلی شریف، سن ندارد
۳۔ حیات اعلیٰحضرت، جدید، دوم ادارہ نور الاسلام، بولٹن،

یو کے ۲۰۰۳ء
۴۔ حیات اعلیٰحضرت، جدید، سوم ۲۰۰۳ء
۵۔ میلاد رضوی، نوری مشن مالیگاؤں، مہاراشٹر سن ندارد
۶۔ سیرت اعلیٰحضرت مع کرامات، مولانا حسنین رضا بریلوی سنی رضوی، اکیڈمی، افریقہ۔۱۹۹۳ء
۷۔ آئینہ رضویات، ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۹ء
۸۔ دبستان رضا مولانا یٰسین اختر مصباحی رضوی کتاب گھر، دہلی............۱۹۹۵ء
۹۔ فقیہ اسلام ڈاکٹر حسن رضا خان اسلامک پبلیکیشن، سینٹر، پٹنہ......۱۹۸۱ء
۱۰۔ امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ، ڈاکٹر نجم القادری، رضا فاؤنڈیشن، بنگلور ۲۰۰۳ء
۱۱۔ خلفائے اعلیٰحضرت ڈاکٹر مجید اللہ قادری ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ۱۹۹۲ء
۱۲۔ ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور، ۲۰ رجون ۱۹۲۵ء
۱۳۔ ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور، ۳ رجولائی ۱۹۴۶ء
۱۴۔ ماہنامہ اعلیٰحضرت کا صد سالہ منظر اسلام نمبر بریلی شریف ۱۹۰۴ء
۱۵۔ ماہنامہ کنز الایمان، دہلی جون دہلی ۲۰۰۹ء
۱۶۔ سہ ماہی، افکار رضا، ممبئی اکتوبر تا دسمبر ممبئی ۱۹۹۸ء
۱۷۔ جہان رضا، لاہور، شمارہ ۳۹، اکتوبر لاہور۔۱۹۹۴ء

مسلکِ اعلیٰ حضرت اہمیت وضرورت

مفتی محمد امان الرب رضوی

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ کی پوری زندگی عقائد صحابہ وفقہ حنفی کی ترویج واشاعت اور اس کے مقابل نظریات واعمال کے رد وابطال میں گذری۔ اعلیٰ حضرت ہندستان میں اقامتِ حق حفاظت سبیل المومنین اور صیانت صراط مستقیم کے فریضے انجام دینے میں ادنیٰ سی کوتاہی کر جاتے تو آج امت مسلمہ کی حالت کس مپرسی کے عالم میں ہوتی بالخصوص اسلاف کرام کے نظریات اسلامیہ دفنا گئے ہوتے۔ مگر بھلا ہو الٰہی جناب رضا کا کہ آپ نے امت مسلمہ کے اعتقادی وعملی سرمایہ کو باطل کی چابکدستی سے بچالیا۔ فطری شوق علم وہبی وعطائی کی بدولت صحابہ کرام کے اعتقادی نظریات وفکر ابوحنیفہ کے عملی احکام کے اظہار واثبات میں آپ نے سیکڑوں وقیع کتابیں لکھیں اور اس میں سد سکندری سے زیادہ مضبوط دلائل وبراہین جمع فرمائے اسی طرح اسلامی عقائد واحکام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کے جواب میں کافی سے زائد مواد اکٹھا فرمایا جس سے فتنے اور فتنہ گروں کی ذلت ورسوائی خوب خوب ہوئی اس حقیقت کو

علامہ حسنین رضا خان علیہ الرحمہ واشگاف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس وقت ہندوستان میں کوئی باطل فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے رد میں ان کی (اعلیٰ حضرت) بکثرت تحریریں موجود نہ ہوں جب دین میں کوئی نیا فتنہ اٹھتا تو سب سے پہلے حضور کے زبان وقلم کو حرکت ہوتی اور کامل استیصال فرما کر چھوڑتے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہر فتنہ انگیز کو فتنہ پھیلانے سے قبل یہ خیال مدتہا مدت تک باز رکھتا کہ اعلیٰ حضرت کی سیف زباں ونیزۂ قلم کا کیا جواب ہوگا۔''

(وصایا شریف)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کے قلم کی روشنائی سے شہیدوں کے خون کی طرح اسلام کی نشو ونما ہوئی ہے....اللہ تعالیٰ نے آپ کو سبیل المومنین وصراط مستقیم کی حفاظت کے لیے خلق فرمایا تھا آپ اعتقادی، فقہی، اور علمی معلومات بہم پہنچانے میں اولیاء علماء کے مرکزِ دائرۂ تحقیق

تھے اور عوام مسلمین کے فیصل و حاکم مذہب مہذب اہل سنت وجماعت کی حفاظت وصیانت میں عالم اسلام کے اور بھی علمائے کرام اپنی اپنی ہمت وصلاحیت کے مطابق جدوجہد میں مصروف تھے۔ بہیترے خداترس علمائے کرام فرق باطلہ کو کیفر کردار تک پہنچا کر اعلیٰ حضرت کی تحریک تحفظِ اسلام کو بامِ عروج تک لے گئے مگر ان کی کوشش اعلیٰ حضرت کے جوش جہاد وسرفروشانہ پیش رفت کے آگے ضمنی ہیں کیونکہ وہ حضرات رحمہم اللہ اعلیٰ حضرت کے اسلوب تحریر اور بنیادی اصول سے اخذ فیض کرتے ہوئے برسرپیکار تھے۔ اس طرح ان کے کارنامے بھی منجملہ اعلیٰ حضرت کے کارنامے قرار پائے اور علمائے حق کی مجموعی کوششوں کا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہوا جس طرح فقہ حنفی کی تدوین وتشکیل میں امام احمد ابویوسف امام زفر ودیگر اجلہ مجتہدین کی ذہنی کاوشیں موجود ہیں۔ باوجود اس کے فقہ حنفی کا تعارف صرف امام اعظم کی کنّیت ابوحنیفہ سے ہوا...... کیونکہ وہ مبارک ہستیاں امام اعظم ابوحنیفہ کے مرتبہ اصول ومنضبط قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد فرماتیں اس طرح ان کی مجموعی کوشش کا سہرا سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے سرسجا علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی اعلیٰ حضرت کی جلالت علمی وشان مرجعیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ پہلو بھی لائق توجہ ہے کہ عام طور پر مفتیان کرام کی طرف عوام الناس رجوع کرتے ہیں اور احکام شرعیہ دریافت کرتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت منشکف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی طرف رجوع کرنے والوں میں بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو بجائے خود مفتی تھے، منصف تھے، جج تھے، یا وکیل تھے۔

چونکہ اعلیٰ حضرت کی ہمہ جہت کثیر الجوانب شخصیت کو امت مسلمہ کے ہر طبقہ نے قبول کیا خواہ اولیاء ہوں یا علماء وحکماء یا کہ وکلاء اس کی واحد وجہ یہی تھی کہ آپ نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے ذریعہ عقائد اسلام وفقہ حنفی کو باطل کی آمیزش سے امتیاز بخشا اور حق وباطل کے درمیان ایسی واضح لکیر کھینچ دی کہ دنیا کے ہر فرد بشر کی سمجھ میں آگیا کہ علامت اسلام کا نام بریلوی اور علامت کفر وطغیان کا نام دیوبندی قادیانی وہابی ہے۔ یہ کام ہر ایک کے بس کا روگ نہیں تھا کہ اسلام کے ایک ایک عقیدہ اور فقہ حنفی کے ایک ایک جزیہ کو قرآن وحدیث اجماع وقیاس کی کسوٹی پر رکھ کر کھرا کھوٹا معلوم کرلے، نہ ہی پروردگار عالم نے ہر ایک کو اس کا اہل بنایا جو لوگ اپنی انگلی کٹا کر شہیدوں کی صف میں چھلانگ لگانے کی فکر میں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہر ایک کے خیال کو ہم مسلک کا نام دے سکتے ہیں وہ جان لیں کہ۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ایسا خیال سراسر شیرازہ بندی کے خلاف ہے البتہ گستاخانِ رسول کے مہلک زہر سے نجات حاصل کرنے کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ ضرور تریاق اعظم ہے۔ اہلسنّت کا تعارف بنام مسلکِ اعلیٰ حضرت وقت کی ضرورت اور تقاضائے حقانیت ہے۔ اس علامتی نشان کو ہم آپس کی دھینگا مشتی میں کھودیتے ہیں تو ہمارے اعتقادی اور عملی پارٹ پرزے بکھر جائیں گے بھیڑیوں کو شکار کا موقع مل جائے گا

فرق باطلہ کے بے حس وحرکت جسم میں جان آجائے گی۔ شان الوہیت، عظمت رسالت، عقیدت اولیاء محبت علماء پر پھر سے حملے شروع ہوجائیں گے..... اور آج کے مولوی حضرات کے اندر فتح کا شعور تو جانے دیجیے دفاعی جنگ کی بھی صلاحیت نہیں ہے۔ آپ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ ایک عہد کے مجموعی اعتقادی اور فکری خدمات جلیلہ کا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے جو اہلسنّت وجماعت کا علامتی نشان ہے۔ ہر ایک کے ذاتی خیال کو مسلک کا نام دینا خالص جہالت وسفاہت کی علامت ہے۔ لفظ مسلک کوئی بازار کی چیز نہیں جس کو جو چاہے خرید لے بلکہ اس کا وسیع دائرہ آئین اسلام، نظریات صحابہ فکر ابوحنیفہ کو محیط ہے جو یہ کہے کہ میں اپنے خیال اور فلاں مولانا کے خیال کو بھی مسلک کہہ سکتا ہوں وہ حیا سوختہ ہوش باختہ ہے اعلیٰ حضرت کی پرسوز زندگی سے پوچھو تو معلوم ہوگا کہ

میں نے خیرات میں یہ پھول نہیں پائے ہیں
خون دل صرف کیا ہے تو بہار آئی ہے

توضیح مسلک

مسلک کا لغوی معنی راستہ ہے جیسے سبیل وصراط کا معنی راستہ کے آتا ہے مسلک اعلیٰ حضرت کا معنی اعلیٰ حضرت کا راستہ ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کا راستہ کیا تھا تو سنئے اعلیٰ حضرت اپنی وصیت کے ضمن میں اس کی نشان دہی فرماتے ہیں:

''اللہ کے رسول کی سچی محبت ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت، جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنی توہین پاؤ پھر وہ تمھارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہوجاؤ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمھارا کیسا ہی معظم بزرگ کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکو۔ اس وصیت سے مندرجہ ذیل راستوں کی تفصیل متعین ہوتی ہے۔

۱. اللہ اس کے رسول سے سچی محبت جو ان کی تعظیم [...] حاصل ہوسکتی ہے۔
۲. ان کے دوستوں کی خدمت جو ان کی عزت واد[...] سے عبارت ہے۔
۳. ان کے دشمنوں سے سچی عداوت صحابہ کرام کی بنیاد[ی] خصوصیت تھی جو اسلام کی روح ہے اس کے بغیر اسلا[م] وسنیت بے معنیٰ ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

اے نبی — فرمادیجیے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھاری عورتیں اور تمھارا کنبہ اور تمھاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمھیں ڈر ہے اور تمھاری پسند کے مکان یہ چیزیں تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی یوں ہے:

''اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو ان سے دوستی کرے وہی ظالم ہے۔''

قرآن کا ایک اور مشہور ارشاد ملاحظہ کریں:

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہوجائیں اور تمھیں خبر نہ ہو۔

صحابہ کرام کی مذہبی شان بیان کرتے ہوئے رب عزوجل فرماتا ہے:

''نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔ اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کردیا ہے اور اپنی طرف کی روح (جبریل) سے ان کی مدد کی اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں اس میں ہمیشہ رہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔ (سورۃ مجادلہ)

قرآن پاک میں اس مضمون کی صدہا آیتیں موجود ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت خود اپنی جان سے زیادہ لازم ہے۔ ماں باپ بھائی بہن استاذ جیسے موقر رشتے کا لحاظ و پاس اسی وقت تک ضروری ہے جب تک ان کے رابطے خدا ورسول سے قائم ہیں ورنہ ان سے بھی دوستی ومحبت رکھنا سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے کیونکہ ہم خدا ورسول کے حکم سے ماں باپ استاذ کی مدارات ومراعات کرتے ہیں اور خدا ورسول نے ان کی عزت وتکریم کی وجہ ان کے ایمان باللہ والرسول کو قرار دیا اس طرح ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ شومیِ قسمت سے ان کے ایمان زائل واکارت ہوجائیں تو ان سے الگ ہوجاؤ خدا ورسول کی محبت کا معیار یہی ہے—اس مضمون کی حدیث سنیے۔

''حضور صلی اللہ تعالی والہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی مومن اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہوجاؤں۔'' (بخاری شریف)

بدمذہب و بے دین سے علیحدگی کا حکم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کو ان سے دور رکھو ان کو اپنے سے دور رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمھیں گمراہ کردیں فتنے میں ڈال دیں (مشکوٰۃ)

اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنی آخری وصیت کے ضمن میں فرماتے ہیں حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے اللہ توفیق دے۔

پہلے جملہ کا تعلق احکام شرع سے ہے جسے مسلمانوں کو عملاً انجام دینا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور حقوق العباد یہ عبادتیں ایمان کی فرع کہلاتی ہیں اس کے چھوٹ جانے سے آدمی اگر مکلّف ہے گنہگار ہوتا ہے۔ عذاب وعتاب الٰہی کا مورد بنتا ہے۔ اس لیے اعلیٰ حضرت حتی الامکان فرما رہے ہیں کہ جہاں تک ہوسکے ادا کرے تاکہ گنہگار نہ ہو عتاب الٰہی

کا شکار نہ ہو۔

دوسرا جملہ کہ میرے دین ومذہب پر قائم رہنا اہم فرض ہے تو دین سے مراد ضروریات دین واعتقاد صحابہ ہے جیسے اللہ ایک ہے عیب سے پاک ہے۔ جھوٹ سے پاک ہے۔ اکیلا بے مثل ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق اور سچے رسول ہیں ان کی تعظیم فرض ہے ان کی توہین کفر ہے اللہ کے محرم راز ہیں۔ مخلوق میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں اپنی تمام صفات میں بے نظیر وبے مثل ہیں۔ تمام علوم غیبیہ کے بعطائے الٰہی عالم ہیں قرآن منزل من اللہ ہے صدیق اکبر کی خلافت حق ہے۔ جنت ونار حق ہے حشر ونشر حق ہے اور جس کا ماننا اسلام کے لیے ضروری ہے۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ نماز فرض روزہ فرض ہے ان عقائد میں شک وتذبذب کفر ہے ہر وقت ہر آن ان عقائد پر قائم رہنا فرض ہے ایک گھڑی کے لیے بھی اسلام کے کسی عقیدہ کا انکار کفر ہے۔

مذہب سے مراد امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید مطلقاً فرض ہے۔ اس سے ہٹنے والا گمراہ اس کا بالکل منکر کافر ہے۔ دین ومذہب کی یہ اعتقادی چیزیں ہیں اس سے انحراف کفر وگمرہی ہے اس لیے اس کو اعلیٰ حضرت اصلی اور اہم فرض سے عبارت کر رہے ہیں۔ شرح عقائد نسفی میں ہے:

ان الاحکام الشرعیه منها مایتلق بکیفیة العمل ببسمیٰ عملیة وفرعیة مایتعلق بالاعتقاد ویسمیٰ اصلیة واعتقادیه.

"بے شک عملی احکام شرع کو فرعی وعملی کہا جاتا ہے اور اعتقادی احکام شرع کو اصلی اور اعتقادی کہا جاتا ہے۔"

چونکہ اعلیٰ حضرت عقیدتاً سنی تھے اور مذہباً حنفی تھے اپنے فتاویٰ شریفہ میں دستخط اس طرح فرماتے محمدی سنی حنفی قادری۔ (عبدالمصطفیٰ احمد رضا)

اس طرح میرا دین ومذہب کا صاف وکھلا ہوا مفہوم یہ ہوا کہ تمھارے عقائد اہل سنت وجماعت کے مطابق ہونا اور تقلید کے اعتبار سے حنفی مذہب پر ثبات اہم فرض ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت ان ہی دونوں تقاضوں کے پورے کرنے کا نام ہے اور بھی آسان لب ولہجے میں یوں سمجھیے کہ جس دور میں اعلیٰ حضرت کی فکری وعلمی جدوجہد کا نام مسلک اعلیٰ حضرت سے متعارف نہیں تھا۔ اس دور کے سنی مسلمانوں کی حکایت بھی مسلک اعلیٰ حضرت سے کی گئی ہے چنانچہ ایک غیر مقلد مولوی ثناء اللہ امرت سری لکھتے ہیں:

امرتسر میں مسلم وغیر مسلم آبادی مساوی ہیں۔ اسی سال قبل قریباً سبھی مسلمان اسی خیال کے تھے۔ جن کو آج کل حنفی بریلوی کہتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ کی یہ رائے ۱۹۳۷ کی ہے اس سے پیچھے اسی سال قبل کے مسلمانوں کے عقائد واعمال کا اعتراف مسلک اعلیٰ حضرت کے نام سے ایک جماعتی مخالف کر رہا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت خود ساختہ فکر وعمل کا نام نہیں ہے عہد گزشتہ کے مسلمانوں کی امانت ہے مگر افسوس بالائے افسوس مسلک اعلیٰ حضرت کا معنی ومفہوم مخالف کی سمجھ میں آ گیا اور جو لوگ دوستی کا دم بھرتے ہیں وہ اعلیٰ حضرت کے اس جملے کو میرا دین مذہب اعلیٰ حضرت کا خود تراشیدہ وخود ساختہ قرار دینے کے امراض مہلکہ میں مبتلا ہیں:

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حضرت سیانا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

''اعتقادی مذہب نعمان کہ قیامت کے دن کے لیے میرا اندوختہ ہے۔ مذہب نعمان سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب خود تراشیدہ تھا۔ قرآن شریف میں الیوم اکملت لکم دینکم میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دین نبی کا خود ساختہ تھا ہرگز نہیں بلکہ یہ دینی واسلامی محاورہ ہے میرا دین ومذہب اسی معنی کی شرح ہے۔ جو لوگ، اس کو غلط معنی دینے کی گھناؤنی حرکت کر رہے ہیں وہ اعلیٰ حضرت کے دوست نہیں دشمن ہیں — یا پھر علمی فیضان سے محروم ہیں۔''

اہم نکتہ

اہل سنت وجماعت جو نجات یافتہ فرقہ کا علم ہے حق اسی فرقہ کے نظریات میں دائر ہے جو حنفی شافعی مالکی حنبلی کہلاتے ہیں۔ یہ نام اہل سنت وجماعت بھی حادث (نو پید) ہے حضرت سیدنا ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۳۳ھ) اپنے استاذ علی جبائی کی بد مذہبیت ظاہر ہو جانے کے بعد اس سے مناظرہ کیا اس کو شکست فاش دی اور اپنے امتیاز وتفرد کے لیے اہل سنت وجماعت نام رکھا۔ علی جبائی کا مذہبی بائیکاٹ کیا اس طرح اس کے ماننے والوں کا نام معتزلہ پڑا (جس کا معنی الگ کرنے والا) (نکتہ) علی جبائی جو بہت بڑا گمراہ تھا اتفاق کہیے کہ اس کا بھی اصل نام محمد اور اس کے باپ کا نام عبدالوہاب تھا۔ وہ محمد بن عبدالوہاب تھا تو اس کے فتنے کے وقت علمائے حق نے اپنی جماعتی شناخت قائم کرنے کے لیے نام اہل سنت وجماعت رکھا اور جب نجدی کا فتنہ اٹھا پھر ۱۲۳۲ھ میں دب گیا لیکن اس کے بعد اس فتنہ کو اسماعیل دہلوی نے دوبارہ جگایا تو شاخ در شاخ الگ الگ لباسوں میں پھیلتا گیا یہاں تک کے کوئی اپنے کو بد مذہب (غیر مقلد) کہنے لگا کوئی حنفی کہنے لگا۔ مذہبی اعتبار سے گمراہانہ عقائد ونظریات میں سب متفق اور شانہ بہ شانہ ہیں تو علمائے حق نے اس سے امتیاز کے لیے اہل سنت وجماعت کو مسلک اعلیٰ حضرت سے نام زد کیا۔

❁❁❁

مسلکِ اعلیٰ حضرت
ماضی اور حال کے علماء و مفکرین کی نظر میں

مولانا عبدالمالک مصباحی

برِصغیر ہند و پاک میں اہلسنّت و جماعت کا چہرہ جو شگفتہ اور تروتازہ دکھائی دیتا ہے یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی سرفروشانہ اور مجاہدانہ قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ انہیں خدائے قادر و قیوم نے بے پناہ خصوصیات سے نوازا تھا۔ جدید تحقیق کی روشنی میں دوسو سے زائد علوم و فنون میں انہیں امامت کا درجہ حاصل تھا اور ہر فن میں ان کی تصانیف موجود ہیں۔ ان کے زمانے میں اسلامی اقدار و روایات کے خلاف جو طوفان اٹھا تھا اگر بروقت وہ میدان فکر وعمل میں نہ اترتے تو جماعت اہلسنّت کا شیرازہ منتشر ہو جاتا۔ ان کی بے پناہ قربانیوں کو دیکھ کر اس زمانے کے مشاہیر علماء اور مشائخ نے اتفاق رائے سے مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح رائج کی اور یہ بتایا کہ جو مسلک اعلیٰ حضرت کا پیروکار ہوگا اسی کو سنی صحیح العقیدہ سمجھا جائے گا۔ لیکن چند سالوں سے بعض افراد مشربی تعصب میں جماعت اہلسنّت کی تعبیر مسلک اعلیٰ حضرت سے ناک بھوؤں چڑھاتے ہیں اور سیدھے سادے عوام میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض افراد تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ ایک نئے مکتب فکر کے بانی تھے جب کہ وہ تاحیات مقلد رہے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت میں گزار دی۔ ذیل میں اس کی مختصر تشریح پیش کی جاتی ہے۔

ماضی قریب میں ہندوستان کی سرزمین طاغوتی لوگوں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ انگریزی اقتدار مسلمانوں کی بساط سیاست کے علاوہ ایمان ویقین کی لہلہاتی ہوئی فصلوں کو بھی تباہ و برباد کردینا چاہتا تھا اور اس پہلو پر اس کے عملی اقدامات بھی شروع ہوگئے تھے۔ جو شان الوہیت اور عظمت رسالت پر شب خون مارنے میں مصروف تھی اور اسلامی معتقدات کا چہرہ مسخ کرنے پر تلی ہوئی تھی، مختصر یہ کہ خودغرض، ناعاقبت اندیش اور شکم پرور کی سیہ کاریوں سے ایمان کی شمع فروزاں چراغ سحری کی طرح ٹمٹمانے لگی تھی۔ ایسے ستہ خیز اور پُرفتن دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ۱۰؍شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی کی دھرتی پر

امام احمد رضا قادری، برکاتی کو پیدا فرمایا جنہوں نے صرف چودہ سال کی نوعمری میں مسند افتاء پر رونق افروز ہوکر بڑے بڑے اصحابِ فضل وکمال کو حیرت واستعجاب میں ڈال دیا۔

کسی بھی حق پرست اور دیانت دار شخص کو اس حقیقت کے اعتراف میں شبہات کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ آج برصغیر ہندو پاک کے مسلمانوں کے دلوں میں بالخصوص اور مسلمان یورپ و ایشاء کے دلوں میں بالعموم ایمان وعقیدے کی جو دولت گرانمایہ اور عشق رسول کا بیش بہا سرمایہ نظر آرہا ہے وہ صدقہ ہے بریلی کے اسی بوریہ نشیں درویش کا جس نے بادِ مخالف کی تیز وتند آندھیوں میں حق وصداقت کا چراغ جلائے رکھا:

چہار سمت سے گھیرا ہے تیز آندھی نے
اور اک چراغ کی لو پھر بھی جلتی رہتی ہے

یہی وجہ ہے کہ آج اہلِ ایمان کے قافلہ سالاروں نے ان کی فکر ونظر اور دعوت وتبلیغ کو عقائد وافکار کا سچا محافظ تسلیم کرلیا ہے اور علم وایقان کی روشنی میں اپنے حقیقت افروز قلبی تاثرات کو سپرد قرطاس کرکے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

آیئے سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اصطلاح کیوں رائج ہوئی؟ پھر یہ دیکھیں گے کہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز نے کون سی فکر پیش کی؟

ہندوستان میں دیوبندیت کی اشاعت کے بعد سنی دیوبندی میں بظاہر کوئی امتیاز نہ رہا کیونکہ وہ بھی اپنے آپ کو سنّی حنفی کہتے اور لکھتے تھے۔ ان کے اندازِ عبادت میں شیعہ یا غیر مقلدوں کی طرح سنیوں سے کوئی فرق نہ تھا۔ اس لیے عوام اہلِ سنت کے لیے یہ اصطلاح رائج ہوئی تاکہ لوگ بیک نگاہ جان لیں کہ جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تحقیقات کو بسروچشم قبول کرتا ہو وہ حقیقی اور اصلی سنی ہے اور جوان سے اصولی اختلاف رکھتا ہو وہ اگرچہ خود کو سنی کہے مگر وہ سنی نہیں۔

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں:

لیکن موجودہ زمانہ میں بمقابلہ غیر مقلدین زیادہ خطرناک دیوبندی ہیں کیونکہ عام مسلمان ان کو پہچان نہیں سکتے۔ ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کی ایسی توہین کیں کہ کوئی کھلا ہوا مشرک بھی نہیں کرسکتا مگر پھر بھی مسلمانوں کے پیشوا بنتے ہیں اور اسلام کے اکیلے ٹھیکیدار۔ (جاء الحق، ص:۵)

یوں ہی اور بھی دیگر فرق و مذاہب ہیں جن کے پیشوا کسی نہ کسی طرح شانِ رسالت میں تنقیص یا اسلام کی بنیادی باتوں میں دانستہ تحریف کے شکار ہوئے مگر اس کے باوجود دعویٰ مسلمانی زبان پر جاری رہا۔ اس ظاہری مشابہت کی بنا پر علماء اہلسنّت نے ان کی فکری بے راہ روی اور مسلک حق سے گریز کی جانب زیادہ دھیان دیا اور خوب خوب واضح کردیا لیکن عوام کے لیے ایسی شناخت جو آسان بھی ہو اور مختصر بھی۔ مسلک اعلیٰحضرت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لیے اسے فروغ حاصل ہوا اور متحدہ ہندوستان میں اہلِ حق کا امتیازی نشان ٹھہرا اور ایسا ہوتا آیا ہے کہ حق کی بشدت تائید کی وجہ سے کسی فرد کی محبت وابستگی کو نشان قرار دے دیا جاتا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ کے دور میں جب اعتزال، رافضیت اور خارجیت پھیلی تو آپ سے اہلِ سنت کی علامت پوچھی گئی۔ آپ نے اس کی آسان شناخت یہ بتائی تفضیل الشیخین وحب الختنین والمسح علی الخفین۔ یعنی سیّدنا صدیق اکبر وسیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہا کو

افضل ماننا۔ سیّدنا عثمان غنی اور سیّدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہما سے یہ رافضیوں سے احتراز تھا کہ وہ فضیلت مولائے کائنات علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کے قائل تھے اور حضور ﷺ کے دونوں دامادوں سیّدنا عثمان ذوالنورین اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا۔ یہ ناصبیوں، خارجیوں سے امتیاز تھا کہ یہ دونوں ان حضرات سے بغض رکھنے میں مشہور تھے اور چمڑے کے موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا یہ معتزلہ سے ممتاز کرنا تھا کہ وہ **مسح علی الخفین** کو ناجائز کہتے تھے۔ دورِ اکبری میں ''تحریکِ احیائے دین'' اکبر کے ''دینِ الٰہی'' کے مقابلے میں دین حق کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح جب غیر مقلدین کا رواج ہوا تو ائمہ اربعہ سے وابستگی کو حقانیت کی علامت قرار دیا گیا۔ لہٰذا حنفی، شافعی، مالکی حنبلی ہونا سنّی ہونے کی نشانی ٹھہری اور ان سے علیحدگی گمراہی کی علامت۔ مگر پھر جب حنفی اور شافعی کے نام کے ساتھ بھی گمراہیاں پھیلائی جانے لگیں اور حقانیت کا معیار عوامی نگاہ میں غبار آلود ہونے لگا تو دیگر مکاتب فکر سے امتیاز کے لیے علماء اہلسنّت نے عوام کے لیے آسان تعبیر ''مسلک اعلیٰ حضرت'' رکھی تا کہ عوام اسے پیش کر کے سمجھ جائے کہ کون سچے مذہب والا ہے اور کون باطل کا طرفدار وحمایتی۔

آل انڈیا سنّی کانفرنس ۱۹۴۶ء کے دستور میں سنّی کی جو تعریف لکھی گئی تھی وہ یہ تھی:

''سنّی وہ ہے جو ما انا علیہ واصحابی کا مصداق ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین، خلفاء راشدین مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علماء میں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت ملک العلماء بحر العلوم فرنگی محلی، حضرت مولینا فضل حق خیر آبادی، حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی، حضرت مولینا مفتی ارشاد حسین رامپوری، حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک پر ہو۔ (ماہنامہ 'سنی آواز' جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷ء، ص:۵۱)

یہ تعریف اس کانفرنس کے دستور اور رکنیت فارم میں درج تھی جس میں پانچ ہزار سے زائد علماء ومشائخ اہلِ سنت شریک تھے اور اس تنظیم سے لاکھوں افراد وابستہ تھے۔

مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے نہ تو کسی نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی ہے اور نہ ہی نئے عقائد ونظریات کا اعلان کیا ہے بلکہ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیت اور ذہنی وفکری توانائی سے بزرگان دین، اولیاء کاملین، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین۔ اصحاب سید المرسلین اور جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کو مدلل ومبرہن طریقے سے پیش کیا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ دین میں جو کچھ ناجائز و باطل خیالات کی آمیزش کی جارہی تھی انہوں نے دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا قلع قمع کیا اور اپنے منصب تجدید کی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اسلام سے متصادم خیالات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔

الحمدللہ! امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کے افکار کی حقانیت کا پرچم بلند سے بلند ہوتا جارہا ہے اور اپنوں کے ساتھ ساتھ بیگانے بھی ان کے حقائق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے جارہے ہیں مگر وہ جن کے دلوں میں کجی ہے:

منزل خود آگہی کا قرب بڑھتا جائے ہے
ہوش کھوتا جائے ہے پردہ سا اٹھتا جائے ہے

اس مقام پر پہنچ کر جہان علم وفن کے چند مہر درخشاں کے حقائق افروز تاثرات پیش کئے جارہے ہیں جن سے اندازہ ہوجائے گا کہ علم و ادب اور فکر و سخن کی اس کسادبازاری میں ''مسلک اعلیٰحضرت'' ہی نجات اخروی کا ضامن ہے۔صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کے لیے اسی کو اپنا لائحہ عمل اور دستورِحیات بنانا ضروری ہے۔اس سے برگشتگی، نفرت و بیزاری اور بغض و عداوت درحقیقت اسلام سے برگشتگی اور نفرت و بیزاری ہے:

بالیقیں احمد رضا پر خود رضا کو ناز ہے
اس صنم خانے میں وہ توحید کی آواز ہے

امام احمد رضا کے معاصر عظیم الشان عالم دین حافظ الحدیث طوطیٔ ہند علامہ مولانا مفتی محمد قادر بخش سہسرامی قدس سرہٗ (۱۲۷۳ھ-۱۳۳۷ھ) نے بھی عوام کی شناخت کے لیے سنیت کا آسان معیار اعلیٰحضرت قدس سرہ کو قرار دیا... حضرت ملک العلماء علامہ ظفرالدین بہاری قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

''مولانا مولوی قادر بخش صاحب سہسرامی جو ایک بہت بڑے مشہور عالم اور زبردست واعظ تھے۔ ایک مرتبہ بسلسلہ وعظ موضع رجہت ضلع گیا تشریف لے گئے۔ یہ بستی سادات کرام کی ہے۔اس بستی کے لوگ سجادہ نشینان سہسرام کے رشتہ دار ہیں۔ وعظ کے بعد کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ مولانا سنّی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟— ایسی بات بتایئے جس کو ہم لوگ بھی کرسکیں اور اس کے ذریعہ سنّی وہابی کو پہچان سکیں، کوئی بڑی علمی بات نہ ہو۔ انہوں نے فرمایا ایسا آسان اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہوگا۔آپ جب کسی کے بارے میں مشتبہ ہوں کہ سنی ہے یا وہابی بدمذہب؟ تو اس کے سامنے مولٰینا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجئے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھئے۔ اگر چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار دیکھئے تو یقین جانئے کہ سنی ہے اور اور اگر چہرہ پر پژمردگی کے آثار دیکھئے تو سمجھئے کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں ہے جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔اس زمانہ میں لا یحبہ الا مومن ولا یبغضہ الامنافق (اس سے محبت وہی رکھے گا جو مومن ہوگا اور بغض وہی رکھے گا جو منافق ہوگا) میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرف پھرتی ہیں۔'' (حیاتِ اعلیٰحضرت،ص:۶۲)

اسی طرح عالم عرب میں بھی ہندوستانیوں کے سنی ہونے نہ ہونے کا معیار اعلیٰحضرت کی ذات تھی۔ایک جید اور تبحر عالم دین مولانا سید محمد علوی کے پاس جب ہندوستان کے کچھ سنی علماء حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے وابستگی کا تذکرہ کیا تو آپ سروقد کھڑے ہوئے اور سب سے مسرت میں معانقہ فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا:

نحن نعرفه بتصنيفاته وتاليفاته حبه علامة السنه وبغضه علامة البدعة ۔
ہم ان کو (اعلیٰحضرت قدس سرہ) ان کی تصنیفات و تالیفات سے پہچانتے ہیں۔ان سے محبت اہلسنّت کی علامت ہے اور ان سے عداوت بدعتی مذہب ہونے کی نشانی ہے۔

(فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں،ص:۱۶۶)

شیخ المشائخ سید علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی فرماتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں عالم اہلسنّت کے فتووں پر عمل کرنا واجب ہے۔ کافروں کا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں۔'' (الصوارم الہندیہ، ص:۱۴۵)

صدرالافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی فرماتے ہیں:

''سنی وہ ہے جو ما أنا علیہ و اصحابی کا مصداق ہو۔ اعلیٰحضرت مولانا مفتی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے مسلک پر ہو۔''

(الفقیہ امرتسر، ج:۲۷، ۱۲ تا ۱۹ رمضان ۱۳۶۴ھ)

ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری رقمطراز ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ اعلیٰحضرت کا مسلک بالکل حق اور جوان کے طریقے پر ہے وہی ٹھیک ہے۔''

(فتاویٰ اہل السنہ، ص:۲۳-۲۴)

محدث اعظم ہند کچھوچھوی کا قول ہے:

''اعلیٰحضرت کی زبان و قلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اور زبان و قلم نقطہ برابر بھی خطا کرے اس کو ناممکن فرما دیا۔''

(المیزان امام احمد رضا نمبر، ص:۱۴۸)

سید العلماء سید آل مصطفٰی برکاتی تحریر فرماتے ہیں:

''خالص سنّیت کی ترویج و اشاعت پر مسلک حضور سیدنا اعلیٰحضرت علامہ فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز جاری و ساری ہے۔'' (فتاویٰ فیض الرسول ۶/۱)

نیز سید العلماء کا قول نقل کرتے ہوئے سید حسنین میاں مارہروی فرماتے ہیں:

''میرے والد ماجد سید العلماء سرکار آلِ مصطفٰی سید میاں علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے تھے کہ اس دور میں سنیت کی پرکھ کا معیار صرف اور صرف اعلیٰ حضرت ہیں۔'' (اظہار الحق الجلی، ص:۴)

علامہ حشمت علی خاں لکھنوی فرماتے ہیں:

''جو شرعی مسلک ہے وہی حضور اعلیٰحضرت کا مسلک ہے۔'' (فتاویٰ اہل السنہ، ص:۳۷)

شعیب الاولیاء حضرت یار علی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے صاحبزادہ مولٰینا صدیق صاحب کو اجازت و خلافت دیتے وقت تاکیداً فرمایا:

''مسلک اعلیٰ حضرت پر خود چلیں اور اپنے مریدین کو اس پر پابندی کا درس دیں۔''

(فتاویٰ فیض الرسول ۱۴/۱)

مولانا محمد بن عربی جزائری قدس سرہٗ بھی اعلیٰ حضرت کو معیار حق فرماتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالمصطفٰی اعظمی اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا محمد بن العربی الجزائری مکہ مکرمہ کے اعلم العلماء ہیں اور حضرت مولانا سید علوی عباس اور اکثر علماء مکہ مکرمہ کے استاد ہیں...... میں نے ان کی خدمت میں ایک مرتبہ حدیث شریف کی قرأت بھی کی۔ میرے بارے میں چند مرتبہ حاضرین نے فرمایا کہ ھذا الرجل برکة المشائخ اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے بیر میں ارشاد فرمایا۔ ہندوستان کا جب کوئی عالم ہم سے ملتا ہے تو اس سے مولانا شیخ احمد رضا خاں ہندی کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اگر اس نے تعریف کی تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ سنی ہے اور اگر اس نے مذمت کی تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص گمراہ اور بدعتی ہے

ہمارے نزدیک یہی ایک کسوٹی ہے۔''

(معمولات الابرار معانی الآثار، ص: ۵-۲۰۳)

مبلغ یورپ وایشیا حضرت علامہ عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی کا قول نقل کرتے ہوئے مفکر اسلام حضرت مولانا شاہ احمد نورانی فرزند حضرت موصوف بیان فرماتے ہیں:

''میرے والدگرامی مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدّیقی قادری رضوی کی ایک آخری نصیحت میرے پاس موجود ہے کہ ''الحمدللہ! میں مسلک اہل سنت پر زندہ رہا اور مسلک اہلسنّت وہی ہے جو مسلک اعلیٰحضرت ہے، اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ الحمدللہ! اسی پر میری عمر گزری اور الحمدللہ آخری وقت اسی مسلک پر حضور پُرنور ﷺ کے قدم میں خاتمہ بالخیر ہورہا ہے۔''

(ماہنامہ ترجمانِ اہلسنّت کراچی، ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ)

ایک صاحب قلم علامہ مشتاق احمد نظامی کے جذبات کا اظہار کچھ اس انداز سے کرتے ہیں:

''لیکن اسلام ان کے نزدیک وہی معتبر ہے جو بریلوی نقطۂ نگاہ رکھتا ہو اور جو صرف بریلوی مکتبۂ فکر کی آغوش میں پلتا ہے۔ چنانچہ افعال واعمال کے لیے بھی وہی پیمانے ان کے نزدیک معتبر ہیں جن پر بریلویت کی چھاپ ہو، فکر و نگاہ کے لیے وہی زاویئے قابل وثوق ہیں جن پر بریلی عینک چڑھی ہو ان کے نزدیک وہی سکہ رائج الوقت ہے جو بریلی اور صرف بریلی کی ٹکسال میں ڈھلتا ہے۔''

(قہر آسمانی برفتنۂ حقانی، ص: ۲۸)

ممتاز الفقہا علامہ اختر رضا خاں ازہری فرماتے ہیں:

''مسلک اعلیٰحضرت پر مضبوطی سے قائم رہنا ضروری ہے۔'' (سنی آواز ناگپور، نومبر، دسمبر ۱۹۹۴ء، ص: ۱۶۶)

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی صاحب رقمطراز ہیں:

''مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اپنی کتابوں میں مذہب حق ''اسلام'' اور اہلسنّت و جماعت کو شرح وبسط کے ساتھ اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اس پر دلائل و براہین قائم کئے ہیں، بدمذہبوں کا ردلکھا ہے اور وہ سب باتیں اسلاف کے عقائد کے مطابق ہیں نیز حضور ﷺ کے زمانے سے آج تک دنیا کے تمام اہلسنّت و جماعت جس پر قائم ہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا عقیدہ ایک بھی ایسا نہیں جو مذہب اہلسنّت و جماعت کے خلاف ہو۔''

(ماہنامہ اشرفیہ، دسمبر ۱۹۹۵ء)

پروفیسر مسعود احمد نقشبندی تحریر فرماتے ہیں:

''جہاں تک امام احمد رضا مذہبی افکار کا تعلق ہے وہ سنّی حنفی پکّے مسلمان تھے۔ ایمان میں کسی لچک کے قائل نہ تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے معاصرین کے اقوال واعمال پر سخت تنقید کی اور کفر کے فتوے بھی لگائے۔ چنانچہ ان کے مخالفین نے مشہور کردیا کہ تکفیر مسلم امام احمد رضا کا محبوب مشغلہ تھا لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق ان کا مسلک تھا اور احیاء اسلام ان کا مقصد۔''

(تنقیدات وتعاقبات، ص: ۲۳)

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''..... امام احمد رضا مسلک یہ تھا کہ ہر وہ نئی بات جس کو شارع علیہ السلام نے منع نہ کیا ہو اور جس سے

منشائے شریعت کو تقویت پہنچے جائز ہے۔ انہوں نے وہی مسلک اپنایا جو صدیوں سے جمہور کا مسلک رہا ہے۔ انہوں نے قرآن و حدیث و جمہور علماء کے اقوال سے مسلک حق روشن کیا...... امام احمد رضا جن افکار و نظریات کے داعی تھے وہ وہی تھے جو تقریباً ایک صدی قبل حرمین شریفین اور سلطنت عثمانیہ کے افکار و نظریات تھے۔" (رہبر و رہنما، ص: ۱۰)

مولانا لیٰسین اختر مصباحی صاحب اپنے ایک طویل مقالہ "امام احمد رضا علماء عرب و عجم کی نظر میں"[1] کے اخیر میں خلاصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"..... ان تصدیقات و تقریظات اور حرمین طیبین میں مشاہیر علماء اسلام کی طرف سے فاضل بریلوی کی تحسین و آفریں، اعزاز و اکرام، اعتراف علم و فضل، مجددیت پر اتفاق اور خاصہ لیل و نہار قرار دینے کے بعد یہ بات خود بخود ذہن و دماغ اور قلب کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے کہ فاضل بریلوی اپنے زمانہ کے تمام علماء پر فائق، علماء عرب و عجم میں معظم و محترم اور ان کی بزم کے صدر نشیں علم و فضل کے بحر ذخار، موجودہ صدی کے مجدد، آیۃ من آیت اللہ اور پروردگار عالم کی نعمتوں میں سے ایک عظیم ترین نعمت تھے۔ آپ نے گزشتہ صفحات میں اپنے ماتھے کی آنکھو سے پڑھ لیا کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، یمن، شام، عراق، لبنان، مصر، الجزائر، طرابلس، افغانستان، داغستان، ترکستان اور غیر منقسم ہندوستان وغیرہ کے سیکڑوں مفسرین، محدثین، فقہاء مشائخ اور مفتیانِ کرام نے فاضل بریلوی کو مجدد دین و ملت محی السنہ، امام الائمہ، قاضی القضاۃ، عاشق رسول، آفتاب معرفت، اصولی زباں، متکلم دوراں، علامۂ اجل، نادر دہر، یکتائے روزگار، خلاصۂ لیل و نہار، صاحب مناقب و مفاخر، شہنشاہِ محققین و مصنّفین، علم و فضل کا وارث و امین، عقدہ کشائے مشکلات و مغلقات، فاضل متبحر اور حقائق و معارف کا بحر بیکراں وغیرہ وغیرہ کے معزز خطاب سے نواز کر اپنی عقیدت و احترام کا وافر ثبوت فراہم کر دیا اور زمانہ پر روشن ہو گیا کہ اس آخری دور میں آپ کی وہ عظیم شخصیت ہے جس نے عہد آخر میں اپنی خداداد صلاحیتوں سے کفر و طغیان اور تمرد و عصیاں کی بلند و بالا عمارتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر سلیم الفطرت انسانوں کی آبادیوں میں عظمتِ حق اور شوکتِ اسلام کا پرچم لہرایا۔" (المیزان امام احمد رضا نمبر، ص: ۶۳۰)

مفتی غلام محمد خان صاحب "احکام مصطفوی" میں لکھتے ہیں:

"دنیائے سنیت نے اعلٰحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تحقیقات و تدقیقات دینی و مذہبی ہدایات پر اعتماد، سڑک چھاپ بے مایہ مدعیان علم و فن کی باتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کے زمانہ کے معتمد و مستند ماہرین فن حدیث و رجال ماہر عقائد و کلام اور کثیر سادات علوم و فنون جو حرمین شریفین (مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ) اور دیگر ممالک اسلامیہ و ملک ہند کے اصحاب علم و فن پر حکومت کر رہے تھے

[1] یہی مقالہ مزید طوالت کے ساتھ "امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں" کے نام سے کتابی شکل میں چھپ چکا ہے۔" (مصنف)

ان کے اعتماد و رجوع پر اعتماد کیا ہے۔ ان کے استناد سے دلیل پکڑ لی ہے۔ ان کی ہدایات حاصل کی ہے۔ ان علماء اہلسنّت پر بھروسہ کیا ہے جو اعلیٰحضرت امام بریلوی کی تعلیمات و تحقیقات و ہدایات کو سمجھ کر دنیائے سنّیت کی صحیح اسلامی ہدایت کے لیے ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔''

(امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، ص:۱۹)

مشہور مورخ سلیمان ندوی صاحب 'حیات شبلی' میں لکھتے ہیں:

''تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہل السنۃ کہتا رہا اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔''

(محدث بریلوی، ص:۲۲)

مولوی ثناء اللہ امرتسری اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امرتسر میں مسلم آبادی غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ) وغیرہ کے مساوی ہے۔ اسی سال قبل سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو بریلوی حنفی کہا جاتا ہے۔''

(جہانِ رضا، ص:۲۱۶)

معروف تاریخ نویس جناب شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''انہوں نے (امام احمد رضا نے) نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔''

(موجِ کوثر، ص:۷۰)

غیر مقلد عالم مولینا کوثر نیازی پاکستانی لکھتے ہیں:

''بدقسمتی سے ہمارے یہاں اکثر لوگ انہیں بریلوی نامی ایک فرقہ کا بانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے مسلک کے اعتبار سے صرف حنفی اور سلفی ہیں اور بس!'' (امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، ص:۱۹)

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مجددی لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا عاشقوں کے سردار اور سواد اعظم اہلسنّت کے علمبردار تھے جو کبھی پورے عالم اسلام پر چھایا ہوا تھا۔'' (محدث بریلوی، ص:۲۲)

پروفیسر شوکت علی صدیقی پاکستانی کچھ اس انداز سے اظہار خیال کرتے ہیں:

''برصغیر کے تمام مسلمان جو اہلسنّت کہلاتے ہیں، امام احمد رضا خاں کے مسلک سے براہِ راست تعلق نہ رکھنے کے باوجود اپنے رہن سہن، طور طریق اور مذہبی عقائد کے اظہار میں شاہ احمد رضا کی تعلیمات کی تقلید یا اتباع کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگ تھوڑے بھی نہیں برِصغیر کی نوے فیصد آبادی پر مشتمل ہے۔'' (جہانِ رضا، ص:۲۱۶)

کیا ان حقائق افروز خیالات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مسلک اعلیٰحضرت کی تعبیر سے اجنبیت اور سیّدنا اعلیٰحضرت سے وحشت محسوس کرے گا۔ ہرگز نہیں!!!

— ہاں دل تنگ نظر اور نگاہ پر غبار کا علاج نہ پہلے کسی کے پاس تھا اور نہ اب کسی کے پاس ہے— مزید تسلی کرنی ہو تو تو عقائدِ اہلسنّت ہی کا جائزہ لے لیں جو اعلیٰحضرت کے افادات ہیں۔ کون سا عقیدہ ہے جو انہوں نے اہلسنّت کے عقیدہ سے ہٹ کر ذکر کیا ہے یا تصانیف رضا ہی کھنگال جائیں کہیں سر مو بھی عقائد اہلسنّت سے انحراف نظر نہ آئے گا۔

لیجئے یہیں پر ''افکارِ رضا کا سرسری جائزہ'' ملاحظہ کیجیے۔

ان اتہامات کی حقیقت خود بخود آپ پر روشن ہو جائے گی:

الفاظ و معانی کے گہر کیوں نہ ملیں گے
ذہنوں کو سمندر کی طرح پہلے کھنگالو!

آج دنیا کو احمد رضا چاہئے

نبیرۂ حضور محدث اعظم ہند، سید محمد جیلانی محامد

ماہنامہ المیزان جس کی حیثیت مذہبی صحافت میں سنگ میل کی ہے۔ المیزان کے پلیٹ فارم سے مذہبی و جماعتی بیداری کی جو تحریک چلائی گئی اس کے اثر و نفوذ سے کسی ذی علم کو انکار مشکل ہے۔ اس عہد کے جو تقاضے اور مطالبات تھے المیزان نے اسے بحسن و خوبی پورا کیا۔ اہلسنّت و جماعت میں اپنے اسلاف کے حوالے سے جمود اور بے توجہی کے جو دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اسے ہٹانے کی بھرپور کوشش کی اور دعوت و ارشاد سے جڑے ہوئے افراد کو مذہبی ذمہ داریوں کا احساس دلایا، لیکن جہاں غفلت، بے توجہی اور گوشہ نشینی کو عزیز سمجھا جاتا ہو وہاں چیختے ہوئے درد کو بھی بے وقت کی راگنی کا نام دے دیا جاتا ہے۔ پھر بھی جو لوگ ملی درد سے آشنا تھے ان کے سوچنے کا انداز بدلا اور وہ میدان عمل کی سمت بڑھتے ہوئے نظر آئے۔ مگر ہمارے یہاں حرکت و عمل کی عمر پانی کے بلبلے کی طرح لمحاتی ہوتی ہے۔ کسی بھی پہلو پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی تحریک عمر طویلی سے محروم رہ جاتی ہے۔

ماہنامہ المیزان کے تاریخی اور دستاویزی کارناموں میں امام احمد رضا نمبر کو خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے حوالے سے علمی دنیا پہ جو سکوت طاری تھا اس نمبر نے اسے توڑنے میں کلیدی رول ادا کیا جس کے نتیجے میں رضویات پہ کام کرنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پہ دینی و عصری جامعات کے دروازے جو مقفل تھے وہ کھلنے لگے اور محققین کے سوچنے کا انداز بدلنے لگا۔ خود المیزان کے مدیر نبیرۂ حضور محدث اعظم ہند سید محمد جیلانی محامد نے اپنے اداریے میں اس کا دعویٰ بھی کیا ہے کہ "امام احمد رضا کو اب صرف دینی مدارس اور مذہبی جلسوں تک گھیر کر نہیں رکھا جاسکے گا۔ اب کوئی بھی امام احمد رضا کو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جانے سے نہیں روک سکتا" اس دعوے کی صداقت کو آج محسوس پیکر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ماھنامہ المیزان کے امام احمد رضا نمبر کے مشمولات کی جامعیت سے کوئی ذی فھم انکار نھیں کرسکتا لیکن نمبر میں شامل اداریہ اپنی مثال آپ ھے۔ ھماری مذھبی و جماعتی صحافت میں اب تک اس سے جامع اداریہ نھیں لکھا گیا ھے۔ اس کا حرف حرف سونے چاندی سے نھیں بلکہ ھیرے جواھرات سے تولنے کے لائق ھے۔ یھی وجہ ھے کہ علمی دنیا میں اس اداریے کی آج بھی پذیرائی ھورھی ھے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ھوتی رھے گی۔

اداریے میں جن پاکیزہ احساسات کا اظھار کیا گیا ھے اور حرف و لفظ کی صورت میں حالات کی جو تصویر کھینچی گئی ھے اس سے اس عھد کو سمجھنے میں بڑی آسانی ھوتی ھے لیکن عصرحاضر کا منظرنامہ قطعی بدل گیا ھے۔ آج سے ۳۰/۳۵ سال قبل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پہ ریسرچ و تحقیق کا کوئی تصور نھیں تھا لیکن آج ان پہ تحقیق کرنے والوں کی ایک بھیڑ دکھائی دیتی ھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دو دورجن سے زائد محققین کو پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں تفویض کی جاچکی ھیں۔ بھت سارے محققین تحقیقی مراحل طے کررھے ھیں اور بھت سارے تحقیق کے پر تول رھے ھیں۔ ان پہ ایم فل کرنے والوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ھے۔ آج دنیا کی ۳۰/۳۲ دینی و عصری جامعات میں ان پہ ریسرچ و تحقیق کا سلسلہ پوری تندھی کے ساتھ جاری ھے جس وقت نمبر کی اشاعت ھوئی تھی اس وقت امام احمد رضا پہ باضابطہ کوئی کتاب سامنے نھیں آئی تھی۔ لیکن آج آپ پہ لکھی جانے والی کتب و رسائل اور نمبرات کی تعداد ۹۰۰/ سو سے زائد بتائی جارھی ھے۔ اس زمانے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا تعارف عام نھیں تھا۔ لیکن آج علمی دنیا کا کوئی خطہ ایسا نھیں ملے گا جھاں لوگ آپ سے واقف نہ ھوں۔ حالات کی اس تبدیلی میں المیزان کے قائدانہ رول سے انکار نھیں کیا جاسکتا۔

المیزان کا اداریہ اپنے عھد کا مکمل ترجمان ھے۔ اس کی اھمیت جس طرح کل تھی۔ اسی طرح آج بھی ھے۔ کل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا غیروں کے نشانے پر تھے لیکن افسوس صد افسوس آج ان کی ذات کو بعض اپنے کھے جانے والے نشانہ بنا رھے ھیں اور تسلسل کے ساتھ حالات کو زھر آلود کرنے کی کوشش کی جارھی ھے۔ اور حیرت اس بات پہ ھے کہ جھاں سے امام احمد رضا کی محبت کے نعرے بلند ھوتے تھے مخالفین کو وھیں پناہ دی جارھی ھے۔ حالات سب کے سامنے ھیں پھر بھی پوری جماعت پہ سکوت طاری ھے۔ شعوری یا غیرشعوری طور پر امام احمد رضا کی کردار کشی میں سب شریک ھیں۔ جو لوگ صدائے احتجاج بلند کررھے ھیں ان کی تعداد بھت کم ھے اور انھیں بھی دھمکیاں دی جارھی ھیں۔ راستے سے ھٹانے کی کوشش کی جارھی ھے۔ اس لیے ادارہ پیغام رضا المیزان کے شکریے کے ساتھ اداریہ کو شامل اشاعت کررھا ھے تاکہ اس تحریر کے ذریعے غیروں کو سوچنے کی دعوت دی جائے اور نام نھاد اپنوں کے سوچنے کا انداز بدلے۔ ادارہ

امام احمد رضا کا مختصر ترین تعارف یہ ہے کہ افغان نسل کے ایک خوشحال اور متمول گھرانے میں بریلی کی سرزمین پر ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء کو ولادت ہوئی، اپنے والد سے تعلیم پائی خداداد صلاحیتوں نے چودہ سال کی عمر میں (۱۸۶۹ء) میں مسند افتاء کا ذمہ دار بنا دیا۔ ۱۸۷۷ء میں خانوادہ برکاتیہ کے ارادت کیشوں میں شامل ہوئے، ۱۸۷۸ء میں حج کی سعادت حاصل کی، جہاں علمائے حرمین طیبین نے سند و اجازت سے نوازا، دوسری بار ۱۹۰۵ء میں حج وزیارت کو گئے، مکہ معظمہ میں ۸؍گھنٹے کے اندر الدولتہ المکیہ تصنیف فرمائی۔ جسے دیکھ کر علمائے حرمین نے اپنا امام تسلیم کیا۔ اسی سفر میں ہند کے چند علماء سوٗ کی دریدہ دہنیوں پر علمائے عرب سے آخری فیصلہ حاصل کیا۔ جسے ''حسام الحرمین'' کے نام سے جانا جاتا ہے ۱۹۱۱ء میں قرآن عظیم کا شاندار ترجمہ (کنز الایمان) کیا۔ ۱۹۲۱ء میں وصال ہوا۔ ۱۸۵۶ء سے ۱۹۲۱ء تک ۶۵ سالہ حیات میں امام احمد رضا نے تقریباً ۶۵ علوم وفنون پر (جدید تحقیق کے مطابق ان کے علوم وفنون کی تعداد ۲۰۰ سو سے زائد ہے) ایک ہزار کتب ورسائل تصنیف فرمائیں، عشق وایمان سے بھر پور ترجمۂ قرآن دیا۔ ۱۲؍ہزار صفحات پر مشتمل فقہی مسائل کا خزانہ ''فتاویٰ رضویہ کی شکل میں عطا کیا۔ اگر ہم ان کی علمی وتحقیقی خدمات کو ان کی ۶۶؍سالہ زندگی کے حساب سے جوڑیں تو ہر ۵؍گھنٹے میں امام احمد رضا ایک کتاب ہمیں دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، ایک متحرک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا جو کام تھا امام احمد رضا نے تن تنہا انجام دے کر اپنی جامع وہمہ صفت شخصیت کے زندہ نقوش چھوڑے، لیکن افسوس کہ اس جاندار حقیقت کی معرفت والے اب تک اپنا حق ادا نہ کرسکے، آج ہم سن عیسوی کے چھہترویں سال میں داخل ہو چکے ہیں اور امام احمد رضا کو پردہ فرمائے، ۵۵؍برس گزر گئے، ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے محبوب قائد کے علمی کارناموں سے اسلامیان ہند اور عالم اسلام کو متعارف کراتے، تحقیقات وتصنیفات کے جواہر پارے بکھیر دیتے. افسوس کے امام احمد رضا کی بارگاہ میں ۵۵؍برس کے بعد ۵۵؍کتابیں بھی نہ پیش کرسکے (۲۰۰۹ء تک امام احمد رضا پہ ۹۰۰؍کتب ورسائل منظر عام پر آچکے ہیں اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا) اب تک جو کچھ لکھا وہ چند اوراق سے زیادہ نہیں، اگر چہ بعض حضرات نے جزوی کوششیں کیں لیکن وہ تحقیقی وسوانحی معیار کے مطابق نہیں، زندہ قوم کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی خدمات اور قربانیوں کو اجاگر کرے، اور انکی شہرت کو چار چاند لگائے مگر اجاگر کرنا تو بڑی بات امام احمد رضا کو اب تک صحیح انداز میں پیش بھی نہ کر سکے، ابن عبد الوھاب سے لیکر ابوالاعلیٰ مودودی تک جتنے قابل ذکر مخالفین ہیں سب کی سوانح حیات پر بے شمار کتابیں ان کے اپنوں نے لکھیں اور احسان مندی کا ثبوت دیا، یہ تلخ حقیقت تسلیم کیجئے کہ امام احمد رضا کا علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو امام احمد رضا کو جانتا بھی نہیں، امام احمد رضا کے گیت ہمارے ہر اسٹیج پر گائے جاتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کرنا مشکل ہوگا کہ امام احمد رضا تمام یونیورسٹیوں، کالجوں، دانشگاہوں اور لائبریریوں میں موجود ہیں۔ (جدید تحقیق یہ بتاتی ہے کہ دنیا کی ۳۲؍یونیورسٹیوں میں ان پہ ریسرچ وتحقیق کا کام جاری ہے)

ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کی سچی، صحیح، مستند، مدلل ومکمل اور جدید سوانح نگاری کے تقاضوں پر سوانح حیات لکھی جائے آپ کے کارناموں پر تحقیقات کی جائے غرض کہ آپ کو اپنوں سے نکال کر بیگانوں تک پہونچایا جائے، آل انڈیا سنی لیگ کی ''مرکزی مجلس رضا'' نے انہیں خطوط پر کام کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

تہمتوں کے انبار

ایک طرف ہماری سرد مہری کا یہ عالم کہ ان پر کتابیں لکھنا تو ایک طرف خود ان کی بہت سی کتابیں اب تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوسکیں، جب کہ دوسری جانب مسلسل تقریر وتحریر کے ذریعہ امام احمد رضا کی شخصیت کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ ان کی گرانمایہ خدمات کا اعتراف تو بڑی بات ان پر تہمتوں کے انبار ہیں .یہ سلسلہ برس دس برس سے نہیں نصف صدی سے جاری ہے، غیر شعوری نہیں منظم طریقے پر، ہند ہی میں نہیں ایشیا و یورپ کے تمام ممالک میں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آج کا سنجیدہ انسان اس طرف رخ کرتے جھجکتا ہے، عام طور پر امام احمد رضا کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین تھے۔ (مسلمانوں کو کافر گردانے والے)

بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی، آج ایشیا میں جتنے بھی تحقیقاتی ادارے ہیں، وہاں امام احمد رضا پر کام تو درکنار نام بھی نہیں ملیگا، سوانح نگاری اور تاریخ نگاری تعصب وتنگ نظری کی بھٹی پر چڑھا دی گئی ہے، امام احمد رضا سے اختلاف کے جذبے نے ان کے سارے کارناموں پر پانی پھیر دیا. امام احمد رضا اس ہیرے کے مانند ہیں جو اپنی تابناک شعاعوں سے عالم کو منور کرنا چاہ رہا ہو لیکن اس پر غلط فہمیوں، الزام تراشیوں کی خاک ڈال کر چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی ہو. وقت کا یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ ایک فریق کے چہروں پر تاریخ وتذکرہ کی بھرپور روشنی نچھاور کی جائے اور دوسرے فریق کا ذکر ضمناً بھی نہ آنے دیا جائے؟ کاش! ہمارے مصنّفین اور اصحاب دانش فراخ دلی واعلیٰ ظرفی سے کام لیتے ہوئے امام احمد رضا کے موقف کا تجزیہ کرتے اور اساطین دیوبند سے اختلاف کی بے لاگ چھان بین کرتے تو آج بہت سی تلخیوں کا وجود بھی نہ ہوتا...... ضرورت ہے اختلاف کی اہمیت کو ٹھیک انداز سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ موجودہ نئی نسل بلا جھجک امام احمد رضا کے قریب آئے۔

بیگانوں کا ظلم

۵۵/سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہے، افواہوں کو پھیلانے میں، بدگمانیوں کی اشاعت میں، اتہام وافتراء کو وسیع کرنے میں دو چار سال بھی بہت ہوتے ہیں اور جب کہ مخالفت کا محور صرف ایک ذات ہو، اس وقت اور آسانی ہو جاتی ہے ایک طرف مخالفت کا ۵۵/سالہ تسلسل دوسری جانب تنہا امام احمد رضا وہ کون سے حربے ہیں جنہیں امام احمد رضا کو مجروح کرنے کیلئے استعمال نہیں کیا گیا. اس وقت میرا خطاب ان سے نہیں ہے جو پہلے ہی سے امام احمد رضا کی بارگاہ میں نذر عقیدت پیش کرنا باعث سعادت سمجھتے ہیں ان سے ہے جو غلط فہمیوں کے شکار بنائے گئے ہیں اور جنہیں مولیٰ عزوجل

نے کسی بھی حد تک شعور و آگاہی عطا فرمائی ہے، ان حضرات سے امید ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت کے صحیح خد و خال دیکھنے کی کوشش کریں گے، امام احمد رضا کے متعلق زمانۂ دراز سے عوام و خواص میں جو بدگمانیاں پھیلائی جاتی رہی ہیں ان کا ایک سرسری جائزہ بھی لیتے چلیں:

(۱) وہ بہت سخت مزاج اور شدت پسند تھے

(۲) مسلمانوں کو کافر کہنے میں بے حد بے باک تھے

(۳) رسول اللہ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر جانتے تھے۔

(۴) غیر خدا کیلئے سجدہ حلال جانتے تھے۔

محاسبۂ آخرت سے بے نیاز ہو کر بے بنیاد الزام کسی پر بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ چودہ سو سال کی تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اسلام کا کوئی ایسا محقق و رہنما نہیں ہے، جسے الزامات کی وادیوں سے نہیں گزرنا پڑا۔ لیکن عدل پسندوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ الزامات کو ثبوت کی روشنی میں جانچتے ہیں۔ ثابت ہونے پر ملزم کو مجرم سمجھا، عدم ثبوت پر مظلوم گردانا، امام احمد رضا کو مجرم ثابت کرنے یا مظلوم ثابت کرنے کے لئے اس وقت کون سے ذرائع ہیں؟ بالکل سامنے کی بات ہیکہ ان کی خود کی تصنیفات و تالیفات ہی مخالف و موافق کے لئے ذریعہ بن سکتی ہیں۔ لہٰذا ہمارے مخالفین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امام احمد رضا کی کتب سے اپنے الزامات کا ثبوت دیں۔

الزامات کے ثبوت

(۱) امام احمد رضا بہت سخت مزاج تھے، شدت پسندی ان میں زیادہ تھی، یہ الزام اس لئے لگایا جاتا ہے تا کہ لوگ سمجھیں کہ امام احمد رضا ایک جذباتی اور ہیجانی کیفیت کا نام ہے، حیرت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بدگمانی مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد عبد الحی لکھنوی کو بھی تھی، اپنی کتاب ''نزہت الخواطر'' میں امام احمد رضا کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''دشمنی و خصومت میں بہت ہی سخت تھے، اپنی ذات اور اپنے علم پر گھمنڈ کرتے تھے، ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جاتے تھے،،

''نزہت الخواطر'' کا مکمل و مدلل جواب بڑے ستھرے اور معقول انداز میں عالیجناب محترم حکیم خلیل صاحب لیکچرر طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے تحریر فرمایا ہے جس کی پہلی قسط امام احمد رضا نمبر میں شریک اشاعت ہے ''مولانا لکھنوی کی اس بیزاری کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۸۹۳ء میں جب ندوۃ العلماء، کی تاسیس کے لئے علماء کا اجتماع ہوا تو امام احمد رضا نے بھی شرکت فرمائی تھی، بعد میں جب امام کے فکر ساز ذہن نے انگریزی سامراجیت کو بھانپ لیا، جو علماء ہی کے ہاتھوں رسول دشمنی کا بیج بونا چاہتی تھی تو فوری اس سے علیحدہ ہونے کا اعلان فرمایا اور اس سلسلے میں اپنے موقف کے اظہار کے لئے ضروری و اہم رسائل تصنیف فرمائے جس نے بہت سارے علما کی آنکھوں سے فریب کا پردہ اٹھایا۔ امام احمد رضا کے اس مومنانہ اختلاف کو دشمنی، خصومت، غرور اور سخت گیری سے تعبیر کیا جانے لگا، غور کرنے کی بات ہے کہ اگر امام احمد رضا سخت گیر، جھگڑالو، گھمنڈی ہوتے تو تاسیس ندوہ کی میٹنگ میں شرکت ہی نہ کرتے، امام احمد رضا کی شرکت ان کے اخلاقی اقدار کا بین ثبوت ہے اور سازشوں کی اطلاع

کے بعد ندوہ کی کھلی مخالفت جرأت مومنانہ کی واضح دلیل ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ فی نفسہ مزاج میں شدت کیا مذموم ہے؟ بتایا جائے اشداء علی الکفار کس کے لئے ارشاد ہے۔ بیشک امام احمد رضا کے مزاج میں شدت و حدت تھی ایک سوال کے جواب میں امام نے فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ میری امت کے علما کو گرمی پیش آئے گی قرآن کی عزت کے سبب جو ان کے دلوں میں ہے۔ (الملفوظ)

نرم روی کی واضح ہدایت

امام احمد رضا متشدد تھے ان لوگوں کے لئے جو قوم وملت کو مٹانے کے لئے سازشی ذہن رکھتے تھے، ورنہ نرم مزاجی اور سنجیدہ ذہنی کا یہ عالم تھا کہ اپنے تو اپنے صلح کل اور مذبذب قسم کے لوگوں کے ساتھ بھی نرم رویہ اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے،

> ”دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز نہیں حاصل ہو سکتے۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔“
>
> (الملفوظ ۱)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آگے بڑھکر امام احمد رضا کے موقف پر مزید روشنی ڈالیں۔ امام احمد رضا نے نہ صرف مذبذب ومتزلزل عقائد والوں ہی کے تعلق سے میانہ روی کی ہدایت فرمائی بلکہ انہوں نے رسول دشمنوں سے بھی ابتداً نرمی برتی، افہام وتفہیم کے ذریعہ اصلاح کی کوشش فرمائی، غلط روی سے انہیں آگاہ کیا، لیکن جب ان کے اکابرین نے ایک نہ سنی تو اس پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے شدت اختیار فرمائی، ایسی شدت جس کا حکم قرآن عظیم نے دیا، اب خود امام احمد رضا کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

> یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں ان سے بھی ابتداً بہت نرمی کی گئی مگر چونکہ ان کے دلوں میں وہابیت راسخ ہو گئی تھی اور مصداق ثم لا یعودون حق نہ مانا اس پر سختی کی گئی کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیھم۔ اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور مسلمانون کو ارشاد فرماتا ہے ویجدوا فیکم غلظة لازم ہے کہ وہ (کفار ومنافقین) تم میں درشتی (سختی) پائیں۔ (الملفوظ)

دیانت داری سے ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ بیگانوں کے ساتھ نرم مزاجی کی واضح ہدایت فرماتے ہوئے رسول دشمنوں سے سختی امام احمد رضا کی پیداوار نہیں ہے بلکہ قرآنی مزاج ہے، اب جس کے سینے میں قرآن کی عظمت بسی ہوگی اسی کے ذہن ودماغ اور فکر شعور میں اسلام دشمنوں کے بارے میں تصلب فی الدین ہوگا لہٰذا مولوی عبدالحی اور ان کے ہمنواؤں کو امام احمد رضا پر الزام لگانے سے پہلے قرآن عظیم کے حکم پر غور کرنا چاہیئے تھا جس کا اعلامیہ ہے کہ دشمنوں اور منافقوں پر شدت برتی جائے، کیا امام احمد رضا کو قرآنی حکم کی بجا آوری پر مطعون کرنا ظلم نہیں ہے؟ غالباً امام احمد رضا نے اس موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا کہ

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

(نہ لوگوں کی تحسین کا لطف لیتا ہوں، نہ ان کی طعن و

تشنیع سے جل اٹھتا ہوں، میرے کان مدحت سرائی کے منتظر نہیں رہتے، اور نہ ہی مذمت سننے کا ہوش ہے)

تکفیر مسلمین میں بے باکی؟

(۲) امام احمد رضا پر یہ الزام کہ وہ تکفیر مسلمین میں بے باک تھے آیئے اسے بھی حقائق کی کسوٹی پر پرکھیں کہ کیا واقعی امام احمد رضا بغیر سوچے سمجھے کسی کو بھی کافر کہدیا کرتے تھے؟ کیا امام احمد رضا کے سامنے شریعت کا یہ اصول نہ تھا کہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے، آخر امام احمد رضا کو کیا ہو گیا تھا اٹھتے بیٹھتے لوگوں کو کافر و مرتد گردانا کرتے تھے، ہم جب اس الزام کو ان کے اقوال وارشادات کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ایک فیصد بھی سچائی نظر نہیں آتی، سچائی ہے تو یہ کہ امام احمد رضا موجودہ صدی کے ایک انتہائی محتاط اور با اخلاص وجود کا نام ہے۔ شرعی فیصلے صادر کرنے میں امام احمد رضا جیسا محتاط فی الشریعۃ ہم کو نظر نہیں آتا، یہ میری مبالغہ آرائی نہیں ہے نا قابل انکار حقیقت ہے۔ ایک مرتبہ سوال ہوا کہ کسی مسلمان کو کافر کہ دیا تو کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا نے کیا جواب دیا ملاحظہ کیجئے۔ بطور سب وشتم کہا تو کافر نہ ہوا گنہگار ہوا اور اگر کافر جان کر کہا تو (خود) کافر ہو گیا۔ (الملفوظ ۴)

سب جانتے ہیں کہ ہند میں گروہ وہابیہ کے بانی مولوی اسمٰعیل دھلوی پر تیرویں صدی ہجری کے تمام علماء اسلام نے بالاتفاق کفر وارتداد کا شرعی حکم فرمایا تھا امام احمد رضا سے پہلے جن اخیار امت نے وہابیت اور وہابی سربراہ کے خلاف جہاد باالقلم فرمایا ان کی مختصر فہرست ذیل میں ہے:۔

۱: حضرت علامہ منور الدین دھلوی (مولانا ابوالکلام آزاد کے پرنانا)
۲: حضرت علامہ سید اشرف علی مدعو گلشن آبادی (ناسک)
۳: حضرت علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی
۴: حضرت علامہ مخصوص اللہ محدث دھلوی (حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی کے بھتیجے)
۵: حضرت علامہ محمد موسیٰ دھلوی (شاہ رفیع الدین کے صاحب زادے)
۶: حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (تحریک آزادی کے سالار)
۷ حضرت علامہ خیر الدین مکی (مولانا آزاد کے والد)
۸: حضرت علامہ عبدالحق خیر آبادی (علامہ فضل حق کے صاحب زادے)
۹: حضرت علامہ شاہ سید ابوالحسین احمد نوری مارہرہ شریف۔
۱۰: حضرت علامہ نقی علی خان (امام احمد رضا کے والد)
۱۱: حضرت علامہ سید آل رسول مارہروی (امام احمد رضا کے مرشد)
۱۲: حضرت علامہ عبدالعلی رامپوری
۱۳: حضرت علامہ نور فرنگی محلی لکھنوی۔
۱۴: حضرت علامہ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرآبادی۔
۱۵: حضرت علامہ محمد حسن کانپوری۔
۱۶: حضرت علامہ محمد حسین الہ آبادی۔
۱۷: حضرت علامہ عبدالوہاب لکھنوی۔
۱۸: حضرت علامہ قاضی شہاب الدین المہری بمبئی۔
۱۹: حضرت علامہ محمد ابراہیم بغدادی بمبئی۔
۲۰: حضرت علامہ غلام محمد حیدر اسلام آبادی (بھیمڑی)

یہ وہ دینی رہنما ہیں جنہوں نے تقریر وتحریر کے ذریعہ امام الوہابیہ کا رد وبلیغ فرمایا، مولوی اسمٰعیل دھلوی کو کافر ومرتد ثابت کیا، سیکڑوں کتابیں لکھ کر طوفان وہابیت کی روک تھام کی، مذکورہ علماءِ میں وہ لوگ بھی ہیں جو مولوی اسمٰعیل دھلوی سے خونی رشتہ رکھتے ہیں لیکن جادۂ حق پر چلنے والوں کی نظر میں قرابت داری کچھ اہمیت نہیں رکھتی اصل ایمان اور صرف ایمان ہے۔

امام احمد رضا کی احتیاط!

آیئے ہم دیکھیں کہ مولوی اسمٰعیل دھلوی کے بارے میں امام احمد رضا کا کیا موقف رہا ہے علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے،، سبحٰن السبوح) ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں (اکفار۔کافر کہنے) سے کف لسان ماخوذ ومختار و مناسب ہے، (الکوکبۃ الشھابیہ)

امام احمد رضا نے مولوی اسمٰعیل دھلوی کے بہت سے (اقوال پر کفر لزوم ثابت فرمایا ہے لیکن تکفیر کلامی سے زبان کو بند کرلیا جس کی ایک وجہ یہ اطلاع کہ مولوی اسمٰعیل دھلوی نے اقوال کفریہ سے توبہ کر لی، مگر شرعی ثبوت نہ ہونے سے انہیں مسلمان بھی نہیں کہا جائے گا، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ زبان کو روکا جائے۔ ایک جگہ امام فرماتے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے (سل السیوف الھندیہ)

کافر کہنے میں اس سے زیادہ اور کتنی احتیاط ہوسکتی ہے اتنے محتاط موقف کے باوجود ہمارے کرم فرما مخالفین امام احمد رضا کی ذات پر تکفیر مسلم کا الزام لگانے میں ذرا بھی درر نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہو:

”یاد رہے مولانا احمد رضا خان صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل وابولہب سے بڑھکر اکفر سمجھتے تھے“

(ذکر آزاد مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی)

قارئین اندازہ لگائیں کہ امام احمد رضا کے مخالفین تعصب وتنگ نظری میں کس قدر تجاوز کرچکیں ہیں ذکر آزاد ہو، یا جناب رئیس احمد ندوی کی آزادیٔ ہند ہو، مولوی عبدالحی لکھنوی کی نزہیہ الخواطر ہو یا المہند، الشہاب الثاقب ہو یا اشد العذاب کسی جگہ بھی عدل ودیانت کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔

اتمام حجت کی منزل!

امام احمد رضا نے کسی بھی مسلمان کو کافر نہیں کہا، ہاں جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں کفری عبارات کو جگہ دی متنبہ کرنے اور توجہ دلانے پر بھی رجوع نہیں کیا اور ان کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا، افہام تفہیم کیلئے مراسلت کی، مگر اس کا منفی جواب دیا گیا تو شریعت اسلامیہ کے ایک ذمہ دار ہونے کے ناطے امام احمد رضا کو آخر فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا، جن علماء کے بارے میں امام احمد رضا نے عرب وعجم کے مشاہیر سے شرعی فیصلہ حاصل کیا ان کے اسماء، مع کتب حسب ذیل ہے:

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی، اعجاز احمدی وغیرہ

(۲) مولانا رشید احمد گنگوہی (فتوی رشید احمد گنگوہی)

(۳) مولانا قاسم نانوتوی (تحذیر الناس)

(۴) مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (براہین القاطعہ)

(۵) مولانا اشرف علی تھانوی (حفظ الایمان)

کمال احتیاط کو ملاحظہ کیجئے امام احمد رضا نے مذکورہ بالا علماء خمسہ سے براہ راست مراسلت کی قابل اعتراض کفری عبارتوں پر بار بار انتباہ دیا، حالانکہ یہ علماء، اپنے ہاتھوں کافر ہو چکے تھے، مگر امام احمد رضا شریعت کے ایک مخلص ذمہ دار خادم تھے، اتمام حجت کے تمام شرعی امور کو اختیار فرمایا، آخر میں حجت شرعیہ قائم کرتے ہوئے یہ تحریر کیا کہ:

''یہ اخیر دعوت ہے، اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمدللہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا، آئندہ کسی غوغے پر التفات نہ ہوگا، منوا دینا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے'' (دافع الفساد عن مرادآبادی)

امام احمد رضا دیار قدس میں!

حیف صد حیف مخالفین نے امام احمد رضا کی صلح جویانہ جدوجہد کا ذرا بھی پاس نہ کیا بار بار انتباہ کے باوجود توجہ نہ دی اور معترضہ کتابیں برابر چھاپی جاتی رہیں، امام احمد رضا نے جب دیکھا کہ پندرہ بیس برس گزر جانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی بات پر اٹل ہیں، توبہ واستغفار تو بڑی بات، اُن ایمان سوز عبارتوں کی اشاعت بھی نہیں بند کر رہے ہیں تو مجبوراً حکم شرعی کا نفاذ کرنا پڑا، اور ۱۹۰۲ء میں المعتمد المستند، عالم وجود میں آئی، پھر کیا تھا مخالف کیمپ میں آگ سی لگ گئی، اور امام احمد رضا کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی گئی، امام احمد رضا شان تجدیدی لیکر پیدا ہوئے تھے، ان کے ہاتھوں اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام کی عظمت وحرمت کا تحفظ مقدر تھا لہٰذا حالات نے نئی کروٹ لی امام احمد رضا کو اپنے شرعی فیصلے کی تصدیق وتوثیق کیلئے اس سرزمین کو منتخب کرنا پڑا جس کی تقدیس کی گواہی قرآن وحدیث نے دی ہے ۱۹۰۵ء میں حرمین طیبین جا کر امام احمد رضا نے مذکورہ بالا پانچوں علماء کی قابل اعتراض عبارتوں کو وہاں کے اجلہ علماء روزگار کی خدمت میں پیش کیا جن کے شرعی احکامات عالم اسلام کی عدالت عالیہ میں چیلنج نہیں کئے جا سکتے تھے، امام احمد رضا نے پورے شرح وبسط کے ساتھ ان تمام کتابوں کو علماء مکہ ومدینہ کے حضور پیش کیا، اور انہیں کئی ماہ ان عبارتوں کو سمجھنے اور شریعت کی کسوٹی پر پرکھنے کا موقع دیا، ہفتے دو ہفتے یا بیس پچیس دن کی مدت نہیں پورے چار ماہ حرمین طیبین میں امام احمد رضا کا قیام رہا، آخیر کار اکابرین اسلام نے امام احمد رضا کے شرعی فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر کے گستاخان ختمی مرتبت ﷺ کے کفر وارتداد پر آخری کیل ٹھونک دی، جن میں مکہ معظمہ کے بیس، مدینہ طیبہ کے تیرہ علماء، فضلا تھے ان قدسی صفات حضرات نے صرف ''الجواب صحیح'' پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امام احمد رضا کی تبحر علمی، تجدیدی قوت اور فضل وکرم کے سامنے عقیدت کے پھول برسائے، کسی نے سلطان العلماء المحققین (علماء محققین کے بادشاہ) کہا تو کسی نے ارشد العباد (بندوں کی رہنمائی کرنے والا) فرمایا، کوئی کہ رہا ہے، المجدد لھٰذہ الامتہ (امت مسلمہ کے مجدد) اور کوئی کشاف مشکلات العلوم فی الباطن والظاھر کہا (علوم کی ظاہر وباطن مشکلات کا کھولنے والا) کوئی گویا ہوا تو انہ

مجدد هٰذا القرن (بیشک اس صدی کے مجدد تھے) اور کوئی یوں عضد الموحدین وعصام المهتدین (موحدین کا مطلع اور ہدایت یابوں کا نگراں) آخیر میں ملاحظہ کیجئے حضرت علامہ شیخ عبدالرحمٰن دھان مکی کے خیالات کا اردو ترجمہ:

''وہ جسکے لئے مکہ معظمہ کے علماء کرام گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سرداروں میں یکتا ویگانہ ہے، امام وقت، میرے سردار، میرے جائے پناہ حضرت احمد رضا خاں بریلوی اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو اس کی زندگی سے بہرہ در فرمائے اور مجھے اس کی روش نصیب کرے کہ اس کی روش سید عالم ﷺ کی روش ہے (حسام الحرمین) حرمین کے اساطین کا امام احمد رضا کی بارگاہ میں خراج عقیدت دیکھنا ہے تو حسام الحرمین، کا مطالعہ کیجئے، مخالفین کے پانچ اکابرین پر آخری اور قطعی فیصلے کا نام ہے حسام الحرمین، جس میں علماء مکہ ومدینہ نے انشراح صدر کے ساتھ علماء خمسہ کے کفر کی تصدیق وتوثیق فرمائی ہے، یہاں تک تحریر فرمایا ہے کے اب حجت شرعیہ قائم ہو جانے کے بعد اطلاع شرعی کے باوجود جوان پانچوں کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر، جواب دیا جائے! کیا علماء حرمین بھی مکفر المسلمین ہیں؟ کیا ان مقامات مقدسہ میں بھی کفر ساز مشین نصب تھی؟ حسام الحرمین، کی روشنی میں اگر مخالفین اپنا احتساب کرتے اور حرمتِ مصطفیٰ ﷺ کے آگے عزت نفس کا پاس ولحاظ نہ کرتے تو بات اس وقت بھی بن جاتی، وقت گزرتا گیا، بات بڑھتی گئی غالباً ان حضرات نے اپنی عبارتوں کو غیر متبدل اور ناقابل تنسیخ سمجھ رکھا تھا، عبارتوں میں توجیہہ بھی کی کہ بات الجھکر رہ گئی، رجوع وتوبہ نہ بن سکی۔ ان حالات کو جوں کا توں رکھ کروہ پانچوں تو دنیا سے رخصت ہو گئے مگر امت مسلمہ کو ایک نہ ختم ہونے والا فتنہ دیکر گئے۔''

رضا مخالف مشن!

چودھویں صدی کے ابتدائی دور میں مذہبی اختلاف کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک جانب عرب وعجم کی مسلمہ شخصیتیں ہیں، دوسری جانب صرف پانچ علماء ہیں اور ان کے چند موئدین، اس تاریخی حقیقت کے بعد تنہا امام احمد رضا پر عصبیت کے گولے برسانا کہاں کا عدل ہے، آج امام احمد رضا ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن ان کے علمی شہ پاروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ رضا مخالف مشن نے ابتدائی دور ہی سے افواہوں، من گھڑت باتوں اور بے بنیاد الزامات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا آئیے خود امام احمد رضا کی زبانی سنئے:

عام مسلمین کو بھڑ کانے اور دین دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علماء اہل سنت کے فتاوی تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کہ فتوے چھپایا کرتے ہیں۔ (حسام الحرمین)

مخالفین نے ابتدا میں من گھڑت الزامات کیلئے جو راہ

اپنائی تھی ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی اور مولوی رئیس احمد ندوی بھی اسی پر گامزن ہیں، حدتو یہ ہے کہ مشہور صحافی مولانا عثمان فارقلیط بھی اسی راہ کے راہی نظر آتے ہیں تفصیل کے لئے ماہ نومبر ۱۹۷۵ء کا دبستان ڈائجسٹ دہلی اور فروری ۱۹۷۵ء کا ماہنامہ المیزان۔

''اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحاق صاحب کو کہہ دیا مولوی عبدالحئ صاحب کو کہہ دیا، پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذاللہ حضرت شاہ عبدالعزیز کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ صاحب کو کہدیا، حاجی امداد اللہ کو کہہ دیا اور شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں، عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی مرحوم ومغفور سے جا کر جڑ دی کہ معاذاللہ معاذاللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا۔'' (حسام الحرمین)

امام احمد رضا کے اس وضاحتی بیان کے بعد مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کا یہ الزام ایک بار پھر ملاحظہ کریں کہ:

''یاد رہے مولانا احمد رضا خان صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھ کر اکفر سمجھتے تھے۔'' (ذکر آزاد)

ہم جانتے ہیں کہ ہر مرد حق آگاہ کو مخالفت کے طوفانوں سے گزرنا پڑا ہے لیکن امام احمد رضا ایک ایسی مظلوم ذات کا نام ہے جسے اہل دانش وبینش کی بزم سے دور پھینک دینے کی منظّم سازش کی جاتی رہی ہے جس کا ردعمل یہ ہے کہ تمام تر حقائق کے باوجود آج اہل دانش امام احمد رضا کی عبقری ذات کو نہ تو جانتے ہیں نہ ہی پہچانتے ہیں، ان کا اسم گرامی ایک مذہبی گالی سمجھا جاتا ہے، اس بھیانک اور افسوسناک صورت حال کی ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے، تاریخ کا طالب علم جب دیکھے گا کہ مسلسل ستر سال سے رضا مخالف مشن کی جارحیت جاری ہے۔ لیکن امام احمد رضا زندہ باد کا فلک شگاف نعرہ لگانے والے بے حسی اور تن آسانی میں مبتلا رہے تو بیگانوں کو بے گانہ کہہ کر آگے بڑھ سکتا ہے مگر اپنوں کی ناکردگی کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

امام احمد رضا پر تیسرا الزام

(۳) امام احمد رضا پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ذاتی علم مانتے ہیں۔ علم الٰہی کے مساوی جانتے ہیں۔ مخالفین کا یہ الزام بھی گذشتہ الزامات کی طرح اختراعی ہے، اس ضمن میں جتنے بھی اعتراضات ہیں امام احمد رضا کی روشن تحریرات اور فکر خیز تشریحات سے بے بنیاد اور خودساختہ ثابت ہوجاتے ہیں۔ علم غیب کے مسئلے میں امام احمد رضا کا عقیدہ انہیں کے ارشادات کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے:

''علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے، اس کے غیر

کے لئے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔" (خالص الاعتقاد)

"علم الٰہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی، وہ واجب یہ ممکن وہ قدیم یہ حادث وہ نامخلوق یہ مخلوق، وہ نامقدور یہ مقدور، وہ ضروری البقاء یہ جائز الفناء وہ ممتنع الغیر یہ ممکن التبدل۔" (انباء المصطفٰے)

"اگر تمام اہل علم اگلے پچھلوں، سب کے علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندر سے۔" (خالص الاعتقاد)

"ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں، اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔"

(خالص الاعتقاد)

امام احمد رضا نے علم غیب کے مسئلے پر دوٹوک اپنا نظریہ پیش فرمایا ہے، پھر بھی مخالفین کی کور بینی پیچھا کئے ہوئے ہے، مخالف عناصر اپنے اسلاف کی ڈگر سے ایک انچ بھی ہٹنا نہیں چاہتے، آج بھی انؑ کے کیمپ سے جتنی کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں ان میں انِ الزامات کو شاہ سرخیوں سے سجایا جاتا ہے، گویا امام احمد رضا اور سواد اعظم لاکھ اپنے نظریات کی وضاحت کرے ہم تو وہی کہیں گے جو ہمارے پیشروں نے کہا ہے، لکھا ہے اور لکھ کر چھاپا ہے۔ جبکہ امام احمد رضا نے آج سے پچہتر سال قبل بے گانوں کی افترا پردازی پر علم الٰہی کے تعلق سے اپنے نظریئے کو ظاہر کرتے ہوئے اپنا معاملہ منتقم حقیقی کے حضور یوں پیش کر دیا تھا:

"اس سے بڑھ کر جس کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے۔ مفتری کذاب ہے اور اللہ کے یہاں اس کا حساب۔" (خالص الاعتقاد)

غیر خدا کیلئے سجدہ روا جانتے تھے؟

(۴) امام احمد رضا پر یہ بھی الزام ہے کہ وہ غیر خدا کیلئے سجدہ نہ صرف روا جانتے تھے بلکہ اس کا حکم بھی فرماتے تھے، الزام اسی وقت قابل قبول ہوتا ہے جب اس کا وجود کسی ٹھوس بنیاد پر ہو، دستاویزی ثبوت ہی الزام کے وقار کو نکھارتے ہیں، الزام لگانا آسان ہے ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے اور پھر رزم گاہ تنقید و تحقیق میں جہاں کوئی بات بلا دلیل نہیں مانی جاتی کسی الزام کو بغیر ثبوت کے کس طرح مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے، ہاں جن لوگوں کے نزدیک محض الزام ہی کو اہمیت دی جاتی ہو اور مخالفت اور برائے مخالفت پسندیدہ مشغلہ ہو ان کے ذہن و فکر سے غلط فہمیوں کے ازالے کیلئے امام احمد رضا کے اقوال پیش خدمت کر رہا ہوں ممکن ہے کہ انتشار ذہنی اور خلجان باطنی کیلئے یہ اقوال مُسکن کا کام دیدیں۔

"مسلمان اے مسلمان، اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان، جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عز جلالہ کے سوا کسی کیلئے نہیں...... اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً، اجماعاً شرک مہین و کفر مبین، اور سجدۂ تحیت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین، اس کے کفر ہونے میں اختلاف علماء دین ایک جماعت فقہا سے تکفیر منقول ہے......" (الزبدۃ الزکیۃ)

امام احمد رضا نے غیر خدا کیلئے سجدۂ تعبدی کو کفر وشرک سے تعبیر کر کے کتنے کھلے الفاظ میں تردید فرمادی۔ امام احمد رضا نے نہ صرف اپنے عقیدے کا اظہار کیا بلکہ عقیدے کی تائید میں چہل حدیث بھی پیش فرمائی:

''علماء نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں ہم بتوفقہ تعالیٰ یہاں غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی چہل حدیث لکھتے ہیں.....'' (تفصیل کیلئے الزبدہ الزکیتہ کا مطالبہ کیجئے)

امام احمد رضا پر الزامات کا ایک انبار ہے، افترا پردازی کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ ہے، اتہامات کی ایک طویل فہرست ہے، میں نے اختصار کے پیش نظر محض چند بھیانک اور افسوس ناک الزامات کو امام احمد رضا کے ارشادات کی روشنی میں بے بنیاد اور ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی سعادت حاصل کی .گزشتہ اوراق میں میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اسلوب بیان میں جارحیت نہ آنے پائے . نہ ہی احساس کمتری شامل ہو، حقیقت پسندانہ طرز نگارش اختیار کرنے میں میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ امام احمد رضا کو اپنے اور بیگانے دیکھیں، پڑھیں، پرکھیں اور سمجھیں، اپنے اپنی عقیدت کی دنیا میں اچھی طرح بسالیں اور بیگانیں قریب آئیں، آنکھوں سے بدگمانیوں کے پردے ہٹا کر امام احمد رضا کے ان تجدیدی کارناموں سے جان کاری حاصل کریں جس کیلئے انہیں موجودہ صدی کا مجدد بنا کر پروردگار عالم نے بھیجا تھا۔

اپنوں کا ظلم

بات وہیں پر ختم ہو چکی تھی جہاں بے گانوں کے مظالم کا بیان ختم ہوا تھا، لیکن امام احمد رضا پر مظالم کا وہ صرف ایک رخ تھا، ظلم کا وہ رخ سامنے نہیں آسکا جس کے ذمہ دار اپنے ہی ہیں، ہوش وحواس کی درستگی کے ساتھ مخالفین کے سارے اعتراضات کا مطالعہ کیجئے، اعتراضات کی مبنیٰ وہ کتابیں ملیں گی جو امام احمد رضا کی تصنیف نہیں ہیں۔ مخالفین کے اسلاف کی کتابیں دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان الزامات کا مقصد امام احمد رضا کی شخصیت کو مجروح کرنے کی سوا کچھ نہ تھا۔

انہوں نے جب دیکھا کہ عالم اسلام کی نابغہ روزگار شخصیتیں امام احمد رضا کے سامنے سرنیاز جھکائے کھڑی ہیں تو معاصرانہ حسد میں جل بھن کر جو دل میں آیا لکھا اور شائع کیا۔ ۱۹۲۱ء سے پہلے کی ان کتابوں کو پڑھ جائیے جو امام احمد رضا کی مخالفت میں لکھی گئی ہیں، آپ دیکھیں گے کے اعتراضات والزامات میں ظنی، قیاسی اور اختراعی باتوں کی بھرمار ہے، وجہ یہ تھی کہ ساری کوششوں کے باوجود امام احمد رضا کی تصنیفات میں انہیں وہ مواد ہی نہ مل سکا جو ان کی سوزش فکر کیلئے مرہم ثابت ہوتا۔ لیکن امام احمد رضا کے پردہ فرمانے کے بعد چند کتابیں ایسی شائع ہوئیں، جنہیں نہ شائع کرنے سے امام احمد رضا کا کوئی نقصان نہ تھا، نغمۃالروح، ہرگز امام احمد رضا کی تصنیف نہیں ہے، لیکن کچھ کہا نہیں جاتا اہل عقیدت کی اس نذر عقیدت کے بارے میں اور بن کہے رہا نہیں جاتا، نذر عقیدت کے طور پر پیش کی جانے والی یہ چند ورقی کتاب نغمۃالروح، خدا معلوم امام احمد رضا نے قبول فرمایا کہ نہیں لیکن ان کے مخالفین نے نہ صرف اسے آنکھوں سے لگایا بلکہ امام پر جارحانہ حملے کیلئے

اسے ہتھیار کی حیثیت دے رکھی ہے، مخالف کیمپ زمانہ دراز سے منتظر تھا کہ امام احمد رضا کو بانئ مذہب بنانے کیلئے کچھ تو حاصل ہو، امام کی کتابوں نے انہیں ہمیشہ مایوس کیا اگر کسی نے جرأت بھی کی تو آفتاب پر تھوکنے والوں جیسا حشر ہوا، نغمۃالروح، جو امام احمد رضا کی مدحت وتعریف میں ایک عقیدت مند کی جانب سے شائع کی گئی، اس سے امام احمد رضا کو نشانہ بنایا جائے؟ کہاں کا انصاف ہے۔ ہم جس سماج میں رہتے ہیں اور جس شریعت کو مانتے ہیں اس کا اصول یہ ہے کہ قائل کے قول سے اس کے عقیدے ونظریئے کو پرکھا جائے گا۔ مصنف کی تصنیف سے اس کی تحریک کو سمجھا جائے گا۔ یہ کون سا سماج ودھرم ہے کہ کہے کوئی مورد الزام ٹھہرے کوئی، غلطی کرے کوئی سزا بھگتے کوئی.......... خدا را! اپنوں پر میری اس تنقید کو مخالفین کے اعتراضات کا ردعمل ہرگز نہ سمجھا جائے، اور نہ ہی احساس کمتری میں یہ سب کچھ کہے جارہا ہوں، ہمارے علماء نے ''نغمۃ الروح'' پر کئے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات دئے ہیں۔ لیکن کیا ہی بہتر ہوتا کہ عقیدت کے یہ گل نہ کھلائے گئے ہوتے، ایسے ہی اہل عقیدت کے درمیان ایک سے ایک عبقری شخصیتیں دب کررہ جاتی ہیں، شعوری یا غیر شعوری طور پر نذر کئے جانے والے انہیں نغموں کو ظلم وزیادتی سے تعبیر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میرا یہ ذہن ہے کہ امام احمد رضا پر کئے گئے حملوں کا ہم جم کر دفاع کریں اور مخالفین کی جارحیت سے امام احمد رضا کو محفوظ رکھنے کا فریضہ ادا کریں، چاہے اس کیلئے اپنی جماعت کی اہم شخصیت کے بچاؤ سے معذور ہی کیوں نہ ہونا پڑے، دفاعی جنگ میں کچھ تو خسارہ برداشت ہی کرنا پڑے گا۔

یہ بھی ظلم ہی ہے!

سب جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ''حدائق بخشش'' دو حصوں میں منقسم ہے، اور یہ دونوں حصے امام احمد رضا کی حیات مبارکہ میں ۱۳۲۵ھ میں اشاعت پذیر ہو چکے تھے، اس دیوان نے اردو شاعری کو ایک نئی راہ دکھائی، صنف نعت کو ایک ستھرا شعور دیا، مسلمانوں کے قلوب کو مصطفیٰ جان رحمت کی طرف پھیر دیا، حدائق بخشش، نعتوں کا ایک مجموعہ ہی نہیں ہے، سیکڑوں آیات واحادیث کا تشریحی گلدستہ ہے، حدائق بخشش، کے دونوں حصے چھپتے رہے اور فیض رسانی کا ذریعہ بنتے رہے، لیکن ۶۶ رسال کے بعد اس وقت ملت اسلامیہ کو ایک دھماکہ خیز صورت حال سے دو چار ہونا پڑا، جب ۱۳۶٦ھ میں ہماری جماعت کے ایک سربراہ نے نعتیہ کلام کے ایک مجموعہ کو،، حدائق بخشش،، کا نام دیکر شائع کیا، طرفہ یہ کہ اسے تیسرا حصہ بھی قرار دے دیا۔ اس خود ساختہ تیسرے حصے کے بارے میں مرتب نے بھی اقرار کیا کہ امام احمد رضا کے وصال کے بعد انہیں کچھ کلام مختلف جگہوں سے دستیاب ہوئے ہیں جسے '' حدائق بخشش'' حصہ سوم کی شکل وصورت میں پیش کیا جارہا ہے، کیا اب بھی اس وضاحت کی ضرورت باقی ہے کہ امام احمد رضا کا مرتب کیا ہوا یہ تیسرا حصہ نہیں ہے؟ یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ یہ تیسرا حصہ امام احمد رضا کے ایک عقیدتمند کی خوش عقیدگی کا نادر نمونہ ہے، جس سے صاحب ''حدائق بخشش'' کا دور دور سے واسطہ نہیں ہے۔

اہل علم وتحقیق کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ جب بھی کسی ذات

کے علمی شاہکار اور منتشر فکری اثاثہ کو جمع کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے براہ راست صاحب تذکرہ کی تخلیق قرار نہیں دیتے، مثلاً غالب واقبال کے دور میں جو کچھ بھی مواد چھپے وہ انہیں کی مرضی کے مطابق تھے لیکن بعد کے آنے والوں کو ان حضرات کے جو بھی تخلیقی شاہکار میسر ہوئے اسے ''باقیات غالب، اور باقیات اقبال،، کا نام دیکر شائع کیا، تاکہ اگر اس میں کچھ رطب ویابس شامل ہو جائے تو صاحب تذکرہ کی شخصیت مضروب نہ ہو، ''باقیات'' کے مدون کو ذمہ دار قرار دیا جائے۔ افسوس کہ امام احمد رضا کے ساتھ ایسا نہ ہو سکا، اپنی مرضی اور اپنی صوابدید پر ایک ایسا قدم اٹھا دیا، جس کی ہمت خود امام احمد رضا کے صاحبزادوں میں بھی نہ تھی، اگر محبوب ملت مولانا محبوب علی خان صاحب محنت شاقہ سے حاصل ہونے والے ''مجموعہ کلام،، کو ''باقیات رضا'' کے نام سے طبع کراتے تو آج وہ صورتحال ہمارے سامنے نہ آتی، جس کے نہ آنے ہی میں امام احمد رضا اور سواد اعظم کی بھلائی تھی، مجھے محبوب ملت کے خلوص سے انکار نہیں ہے، اور نہ ہی میں یہ ماننے کیلئے تیار ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضا کی کسی قدیم رنجش کی بنا پر ایسا کیا ہے۔ لیکن میں اس حقیقت کے اظہار سے بھی اپنے آپ کو روک نہیں پا رہا ہوں کہ محبوب ملت نے کسی سے مشورہ کیے بغیر ''حدائق بخشش'' میں تیسری جلد کا اضافہ کر کے اپنی زندگی کا سب سے بڑا تسامح کیا ہے۔ ایک ایسا تسامح جس کی نظیر نہیں ملتی، ایک ایسی فاش غلطی جس کی تنہا ذمہ داری محبوب ملت پر عائد ہوتے ہوئے بھی امام احمد رضا کو مخالفین کے اتہام کی زد سے بچا نہ سکی۔ سوچ کر بتائے کہ اس میں امام احمد رضا کی کیا غلطی ہے؟

غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو آنے والا مورخ اس طرح کی خوش عقیدگی کو ظلم ہی سے معنون کریگا۔

اپنوں کا ظلم پر ظلم!

محبوب ملت کی مرتبہ ''حدائق بخشش'' کس طرح اور کہاں اشاعت پذیر ہوئی، مذہبی حلقہ بخوبی واقف ہے، لیکن پس پردہ ممبئی اور بیرون ممبئی جو کچھ فتنے اٹھائے گئے وہ ''رضا مخالف مشن ہی کی کارفرمائی کا نتیجہ تھے، حالانکہ مرتب علیہ الرحمہ نے احساس غلطی کا اظہار کیا اور ۱۹۵۵ء میں بالاعلان توبہ اور استغفار کی سعادت حاصل کی، بارگاہ خداوندی میں توبہ وندامت کا اظہار ''مرد مومن،، کی شان بندگی ہے، لیکن جب ہمیں معلوم ہوا کہ اس پردۂ زنگاری میں ایک معشوق چھپا ہے تو سر دھننے کو جی چاہتا ہے، دل کی دھڑکن اور تیز ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مخالفین کے پردۂ زنگاری میں چھپا ہوا معشوق ہمارا ہی ہے۔ جو ملت اسلامیہ کی پاسبانی کے بجائے جاسوسی کے فرائض انجام دیتا نظر آ رہا ہے، اسے پہیلی نہ سمجھئے یہ ایک سچا حادثہ ہے جس نے ''خانہ ساز تیسری جلد،، کو مخالف کیمپ تک پہنچانے میں اپنا خطرناک رول ادا کیا۔ اور جس کے اس کردار نے امام احمد رضا اور سواد اعظم دونوں کو قصداً یا سہواً خسران کی منزل سے گزارا۔ اسے اپنوں کا ظلم پر ظلم نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ آج وہ وقت نہیں، وقت آئے گا تو ہم امام احمد رضا کی عظمت کے لئے ایسے چہروں کو پیش کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکیں گے۔ وقت گذرتا گیا، مخالفین کا وہ زور بھی ماند پڑتا گیا جسے ''اہانت صدیقہ'' کا نام دیکر ابھارا گیا تھا لیکن عرض ہے کہ خدا کے

واسطے اب کوئی بھی کام ہوتو آنکھ بند کر کے نہ ہوں، حواس خمسہ کے ساتھ چھٹی حس کو بھی بیدار کر کے امام احمد رضا اور دوسرے اکابرین اسلام پر کام کیا جائے، نذر عقیدت پیش کرتے وقت جوش عقیدت کے ساتھ ہوش شریعت کی بھی شمولیت ضروری ہے، اختصار اجازت نہیں دے رہا ہے ورنہ اس موضوع کے دوسرے بھی کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا، لہٰذا اسے یہیں پر بس کرتا ہوں۔

بے دخل کرنے کا منصوبہ!

امام احمد رضا کی قد آور اور کثیر الحیثیات ذات کی گیرائی اور تنہائی دیکھ کر ہمیں ایک خاص تشنگی کا احساس ہوتا ہے کہ آج کے ترقی پسندانہ اور عقلی دور میں بھی حقائق کو حقائق کی نظر سے دیکھنے کا حوصلہ کم ہی لوگوں میں ملتا ہے۔ جس نے بھی قلم اٹھایا آنکھ بند کر کے الزامات کی بوچھاڑ کرتا رہا۔ ذکر آزاد سے لیکر اشد العذاب اور ان جیسی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ نظریہ کارفرما نظر آتا ہے کہ امام احمد رضا کو عوام کے ساتھ ساتھ خواص کی بھی بزم سے دور بہت دور کر دیا جائے۔

ہم اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجک رہے ہیں کہ مدبرین و دانشوروں کی لائبریریوں سے لیکر طلبہ وریسرچ اسکالرس کی میزوں تک اگر نظر آئیں گی تو بے گانوں کی کتب ہی نظر آئیں گی۔ نصف صدی کے طویل ترین عرصے میں امام احمد رضا کی یہی تصویر پیش کی جاتی رہی کہ تکفیر کی تلوار لیکر ہر کسی کو قابل گردن زدنی قرار دینے والے فرد کا نام ہے۔ امام احمد رضا۔ گویا امام احمد رضا سارے مسلمانوں کی تکفیر یہ ایک عنصر کے دو نام ہیں، حرکت و عمل کی اسی توانائی کے ساتھ امام احمد رضا کو علمی حلقوں سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جو اپنے نقطۂ عروج کو پہونچنا چاہتا ہے۔ جور و جفا کے اس ناروا ماحول میں مجھے یقین ہے کہ دور حاضر کے محققین و مدبرین امام احمد رضا پر لگائے گئے الزامات کے پس منظر اور پیش منظر کا ادراک کریں گے۔ تحقیق و تنقید کے ذریعے امام احمد رضا کی بے داغ و بے ریا شخصیت کے خلاف محاذ آرائی میں عدل و دیانت کا ساتھ دیں گے کیوں کہ ان حالات سے پرے ہو کر سمجھنے والوں کو کشاں کشاں امام احمد رضا کے قدموں میں جاتے ہوئے ہم نے دیکھا ہے، رومی ہو یا مصری، شامی ہو یا یمنی، افغانی ہو یا ترکی، مکی ہو یا مدنی، چینی ہو یا روسی، یوروپین ہو یا ایشین، عربی ہو یا عجمی جس نے بھی امام احمد رضا کی تحریرات انیقہ دیکھا امام احمد رضا کا ہو گیا۔

امام احمد رضا پر کام کرنے کے طریقے

بات تلخ ہے مگر سچی کہ ہم نے امام احمد رضا کو ''جذباتی عقیدت'' کے دبیز غلاف میں لپیٹ رکھا ہے جس کے بغیر گویا امام احمد رضا کی سیرت کا حسن نکھر ہی نہیں سکتا، آہ! موجودہ صدی کا مجدد محض خوش عقیدگی کے خوبصورت پردے میں ڈھک کر رہ گیا ہے۔ آج ہم جس دنیا میں سانسیں لے رہے ہیں وہ سائنسی اور تحقیقی دنیا ہے یہاں ہمیں باور کرانا ہوگا کہ ہمارے امام نے ملت کی حفاظت و صیانت کے ساتھ قوم و ملک کی فلاح و صلاح کے لئے کون سے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، کون سا لائحہ عمل کے ذریعہ انہوں نے قوم کی

ترقی اور ملک کی تعمیر کا نشانہ متعین فرمایا ہے، ملک کی آزادی کے لئے بیرونی تسلط کے خلاف انہوں نے اور ان کے رفقاء نے کون سی راہ عمل اختیار فرمائی ہے۔

از بس ضروری ہے کہ امام احمد رضا کی انقلاب آفریں شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ٹٹول کر واقعات کی لڑی میں پرویا جائے، علمی، تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی اصولوں کے سائے میں امام احمد رضا کے تمام فکری اثاثے کو جانچا جائے، کھلے ذہن وفکر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے بصیرت و بصارت کی رہنمائی میں امام احمد رضا کی عہد ساز زندگی پر ریسرچ کیا جائے، محض جذباتیت ہی کو اوڑھنا اور بچھونا نہ بنایا جائے ایثارانہ کاوش اور سعیٔ پیہم کے ذریعے ان کے علم حدیث اور علم فقہ وفنون پر کئے ہوئے کام کو اس طریقے سے منظر عام پر لایا جائے جس سے امام احمد رضا کی پاکباز اور جانباز باعمل و پر کردار، متحرک اور باوقار حیات اپنی عبقریت کا لوہا منوا سکے۔ انہیں خطوط پر چل کر ہم ایک عظیم قائد کے مشن کے ساتھ صحیح وابستگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

خیال آیا تو کیوں آیا!

زمانۂ طالب علمی سے ہی میرا دل مسوستا تھا کہ آخر امام احمد رضا پر تحقیقات کیوں نہیں کی جاتی، ہند کے کسی بھی سرکاری، نیم سرکاری یا غیر سرکاری تعلیمی اداروں، دانش گاہوں اور فلاحی تربیت گاہوں میں جاؤ تو صرف ان ہی کی تخلیقات سامنے آتی ہیں جنہیں ہم ''وہابی کی جگہ لہابی، مودودی کی جگہ مردودی، تبلیغی کی جگہ تبلچی کہکر مطمئن ہو جایا کرتے ہیں، کاش ہم اپنے قیمتی اوقات اور فکری صلاحتیں اختلافی باتوں کے سوا اپنے امام کیلئے بھی صرف کرتے، تقسیم ہند کے پاؤ صدی کے بعد غیر ممالک میں امام احمد رضا پر تحقیقاتی کام شروع کیا گیا ہے، لیکن بھارت میں ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمہ کی مرتبہ ''حیات اعلیٰ حضرت،، اور حضرت مفتی اعظم ہند مدظلہ العالی کی مولفہ ''ملفوظات اعلیٰ حضرت،، کے بعد امام احمد رضا پر کوئی قابل ذکر کام ہی نہیں کیا گیا۔ کچھ کیا گیا تو انہیں دونوں کتابوں کا چربہ بنا کر. خیر وہ کون سے عوامل تھے جس نے ہمیں امام احمد رضا پر کام کرنے کی جانب متوجہ کیا، آج سے دوسال قبل ''علماء اہل سنت کے نام گشتی مراسلہ پڑھکر جہاں مجھے خوشی ہوئی وہیں حیرت بھی، خوشی اس لئے کہ جو کام آج سے پچاس سال قبل ہونا چاہئے تھا اسے آج سوچا جا رہا ہے اور حیرت یوں کہ جو لوگ پچاس سال کے عرصے میں کچھ نہ کر سکے آپ ان سے تعاون کی آس لگائے بیٹھے ہیں؟ ممکن ہے کہ آپ میری اس بے باکی کو پسند نہ کریں لیکن یہ سچ ہی ہے کہ جن علماء کرام کے نام گشتی مراسلہ آپ نے جاری فرمایا ہے وہ یا تو آرام پسند ہو چکے ہیں یا گوشۂ تنہائی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں... یا... پھر امام احمد رضا کا نام لیکر ''شکم پروری'' میں مبتلا ہیں، امام کی عبقری ذات، تاریخ ساز اور انقلابی شخصیت پر ریسرچ کرنے کی توفیق نہ انہیں کل تھی، نہ آج ہے اور نہ کل ہوگی الا ماشاء اللہ! بارگاہ امام میں عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کرنے والوں کی کمی ہرگز نہیں ہے، لیکن کیا ان کی علمی، ادبی، قومی، ملکی اور بین الاقوامی خدمات سے اقوام عالم کو روشناس کرانے کیلئے ایک بھی قدم اٹھایا گیا؟............ ایک عرض سماعت فرماتے چلیں

کہ جس قوم کے نام، محترم نے گشتی مراسلہ جاری فرمایا ہے اس کے علاوہ اہل سنت کے اس دھڑ کی جانب بھی توجہ دیں جو کالج و یونیورسٹی میں تحقیقاتی ذمہ داریوں کو نبھا رہے ہیں امام احمد رضا کی مسعود زندگی پر یہی عناصر وسعت مطالعہ، دقت نظر اور اصابت فکر کے ساتھ کما حقہ کام کر سکتے ہیں......

المیزان نے امام احمد رضا نمبر نکالنے کا جو پروگرام ترتیب دیا اور سنی لیگ، نے مجلس رضا کے قیام میں جو نقشہ تشکیل دیا ہے اس میں ہم انہیں ارباب فکر ونظر کو مخاطب کر رہے ہیں۔ الغرض جماعت کے تمامی صاحب زبان وبیان کی فکری وعلمی توانائی حاصل کرنے کا ایک جامع منصوبہ مرتب کیا گیا ہے۔ سات سمندر پار آپ نے بھی اسکار عظیم کا اعلان فرما کر ہمارے عزائم کو زبردست حوصلگی عطا فرمائی۔

مذکورہ بالا تاثرات المیزان اگست ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئے تھے ممکن ہے کہ میرے ''ان تاثرات'' کو دیوانے کی بڑ سے تعبیر کیا جائے لیکن امام احمد رضا نمبر کیلئے اکابرین ملت کے تئیں جن حوصلہ شکن اور ہوشربہ حالات سے گزرنا پڑا ہے اس کے مطالعہ کے بغیر للہ! میرے،، تاثرات پر آخری رائے قائم نہ کی جائے کہ بات تب کی ہے کہ جب شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں برطانیہ کے تبلیغی دورے پر تھے تو بلجیم بھی جانا ہوا، میزبان نے جو شیخ الاسلام کا نیاز مند تھا اپنے فرزند سے کہا کہ وہ کتاب حضرت کو دکھاؤ جو تمہارے مطالعہ میں ہے، صاحب زادہ نے فرنچ زبان میں ''بہشتی زیور'' لا کر سامنے رکھ دی، جس کے ٹائیٹل پر نام نہاد حکیم الامتہ کو امام اہلسنت لکھا، تحیر وتاسف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شیخ الاسلام دیر تک عالم خیال میں گم ہو گئے، آہ! جو امام اہلسنت ہے، اسے نہ جانا جائے اور جو گستاخ رسول ہے اسے امام اہل سنت لکھ کر متعارف کرایا جائے، وہ بھی ایک پردیسی زبان میں، اس کا ذمہ دار کون، مخالفین یا ہم؟ شیخ الاسلام نے بمبئی آکر اگست ۷۴ء کے المیزان، کا اجرا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ طاغوتی طاقتوں اور رسول دشمنوں کی سرگرمیوں کا نقطہ عروج یہاں تک پہنچ چکا ہے...... اور ہم ہیں کہ اردو زبان میں بھی کما حقہ لٹریچرس نہ پہونچا سکے، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مختلف زبانوں میں بین الاقوامی سطح پر ہم اپنے لٹریچرس پھیلا دیں۔ ورنہ ہمارے اکابرین اور ان کی ملی خدمات تاریخ کی بھول بھلیا بن کر رہ جائیگی۔ شیخ الاسلام نے زعمائے اسلام پر کام کرنے کی جانب خصوصی توجہ دلائی اور اپنے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا، یہی سے ہم نے عزم کیا کہ اب اگر ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہ گئے تو یہ ماضی سے بھی زیادہ بھیانک غلطی ہوگی اس طرح شیخ الاسلام کی دکھائی راہ پر چلتے ہوئے سب سے پہلے ''امام اہل سنت،، ہی پر کام کا فیصلہ کیا گیا۔

بات پہ بات نکل آتی ہے

امام احمد رضا پر تحقیقاتی کام کے لئے ضروری تھا کہ کوئی متحرک تنظیم آگے آئے اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھائے، میں اسے اسلامیان ہند کی فیروز بختی سمجھتا ہوں کہ آل انڈیا سنی لیگ کے حوصلہ مند اراکین نے تیزی کے ساتھ ضرورت کا احساس کیا۔ الحمد اللہ! مرکزی مجلس رضا ''کا وجود لیکر ابھرا'' ۹ر مارچ ۷۵ء کو آل انڈیا سنی لیگ کی ''مجدد اعظم کانفرنس'' میں ایک متفقہ ریزولیشن کے ذریعہ مجلس کی تشکیل کی گئی۔ اور

پھر دوسرے دن سے ،امام احمد رضا نمبر،، کی تیاریوں میں ہم سب لگ گئے ــــ بات پر بات نکل ہی آتی ۔ مجھے آج وہ گشتی مراسلہ یاد آرہا ہے، جسے ورلڈ اسلامک مشن کے دائــــرۃ المعــارف الــرضویہ کی جانب سے علماء اہل سنت کی خدمات بابرکات میں ارسال کیا گیا تھا، مئی ۱۹۷۷ء کے اس مراسلے میں ۱۵ دفعات کی روشنی میں امام احمد رضا پر کام کرنے کے لئے اکابرین جماعت سے درخواست پیش کی گئی۔

ورلڈ اسلامک مشن کو بھر پور اشتراک کا یقین دلاتے ہوئے گشتی مراسلے کے جواب میں میں نے ''دم'' کے سکریٹری جنرل کو لکھا تھا کہ مراسلت کی جائے۔ امام احمد رضا نمبر کیلئے ملک کے تقریباً تمام اکابرین امت اور اصحاب قلم سے رابطہ قائم کیا گیا، مضامین کیلئے گزارش کی گئی، کم سے کم درجے میں پیغام ہی ارسال فرمانے کی درخواست پیش کی گئی احساس ذمہ داری ہی تھی کہ ان حضرات کو ہم نے لکھے، یا براہ راست ملاقات کر کے معروضہ پیش کیا جن میں مذکورہ ذیل حضرات نے وعدہ فرمایا:

۱: حضرت مولانا مفتی برہان الحق صاحب جبل پوری
۲: حضرت مولانا قاضی شمس الدین جونپوری
۳: حضرت مولانا ارشد القادری صاحب
۴: حضرت مولانا ثناء اللہ مئوی
۵: حضرت مولانا اسرار الحق کوٹوی
۶: حضرت مولانا مشتاق نظامی صاحب
۷: حضرت مولانا شمیم اشرف خاں ازہری صاحب
۸: حضرت مولانا محمد قاسم فیض آبادی
۹: حضرت مولانا نسیم اشرف خاں حبیبی
۱۰: حضرت مولانا نسیم بستوی صاحب
۱۱: حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی
۱۲: حضرت مولانا اصغر امام انجھری

حسب ذیل علماء عظام نے علالت اور عدم فرصت کی بنا پر عذر نامے سے سرفراز فرمایا:

۱: حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب اعظمی
۲: حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب براؤں شریف
۳: حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب مبارکپوری
۴: حضرت مولانا حبیب اشرف سنبھلی
۵: حضرت مولانا محمد محبوب اشرفی کانپوری اور حضرت مولانا سید حسین صاحب۔ مندرجہ ذیل علماء کرام کے جواب سے ہم محروم رہے۔

۱: حضرت مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی صاحب
۲: حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ اعظمی
۳: حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی
۴: حضرت مولانا تحسین رضا خاں صاحب
۵: حضرت مولانا نور الدین نظامی بریلوی
۶: حضرت مولانا سخاوت علی بستوی
۷: حضرت مولانا عبد اللہ عزیزی گونڈی
۸: حضرت مولانا افتخار احمد اعظمی
۹: حضرت مولانا غلام ربانی فائق اعظمی
۱۰: حضرت مولانا بدر الدین قادری
۱۱: حضرت مولانا محمد احمد بھیروی
۱۲: حضرت مولانا عاشق الرحمن صاحب الہ آبادی

۱۳: حضرت مولانا مفتی مقبول حسین صاحب الہ آبادی
۱۴: حضرت مولانا محمود احمد کانپوری
۱۵: حضرت مولانا محمد احمد اشرفی کانپوری
۱۶: حضرت مولانا سید کلیم اشرف جائسی،

جن حضرات نے مضامین یا پیغامات سے نوازا ان کا تذکرہ زینت نمبر ہے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علماء کرام اگر دل پر لے لیں تو کیا نہیں ہوسکتا، مجھے دل کی گہرائیوں سے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علماء کی جماعت میں ایک سے ایک نادر روزگار صاحب فکر وفن اور قلم کے بادشاہ موجود ہیں جن کی تحریریں اپنی مثال آپ ہیں لیکن نہ جانے کب وہ ساعت آئے گی جب ہمارے علماء ''تن آسانی'' (الا ماشاء اللہ) کی وادیوں سے باہر آئیں گے اور موجودہ دور کے چیختے ہوئے تقاضوں پر کان دھریں گے۔

بات ہے ایک سال کی!

جب ۹ مارچ ۰۹ء کو ممبئی میں آل انڈیا سنی لیگ کی محمد اعظم کانفرنس میں مرکزی مجلس رضا، کے قیام کا اعلان کیا گیا، آزادی ہند کے بعد غالباً یہ پہلی سنی کانفرنس ہے جس نے صرف ایک تجویز پاس کی اور مسلسل ۳۶۵ دنوں تک تجویز کی روشنی میں کام کرتی رہی، سنی لیگ، اگر اپنی تجویز کو عملی روپ نہ دیتی تو ہم اس کا کر بھی کیا سکتے تھے، آج کل تجاویزیں پاس کراکے ردی کی ٹوکری میں پھینک دینا فیشن بن چکا ہے، سنی لیگ بھی تو اسی ماحول کی پیداوار ہے جتنے ضروری امور ہیں اسے بھی انجام دیدینا چاہئے تھا، مثلاً کانفرنس کرنا ضروری، کانفرنس کا انعقاد ہوا، تجویزیں پاس کرانا ضروری، تجویز بھی پاس ہوگئی، پاس شدہ تجویز کو طاق نسیاں کے سپرد کرنا ضروری؟..... یہی ضروری کام نہ ہوسکا؟ سارے ضروری کام انجام دیکر سنی لیگ، نے آخری کام نہ کر کے دیگر تنظیموں کی موجودہ روش سے اپنے کو علیحدہ کرلیا، اس کی یہ علیحدگی لائق مذمت ہے یا قابل تحسین اس کا فیصلہ قارئین کریں، لیکن میں اس بولتی حقیقت کو کیسے چھپا سکتا ہوں جو ایک کلوزن کے ساتھ بشکل امام احمد رضا نمبر آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ آپ کا بیدار ضمیر یہ بولنے پر مجبور ہوگا کہ ایسی کانفرنس ہر ماہ منعقد کی جائے تو ہم اس کی حوصلہ افزائی کریں گے، کوئی بھی تنظیم ہو اسکے کچھ رہنما اصول ہوتے ہیں، اصولوں پر چلنا جہاں اس تنظیم کو رشتۂ حیات سے منسلک کئے رہتا ہے وہیں وہ اصولوں سے صرف نظری پیغام موت لایا کرتی ہے، اور ہاں جو تنظیم ''کام'' کو عزیز رکھتی ہے، اسے آبرومندانہ مقام ملتا ہے ''کام'' کسی تنظیم کے لئے ''دو آتشہ'' کی حیثیت رکھتا ہے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ سنی لیگ، نے صحت مند قیادت کے لئے دو آتشہ حاصل کرلیا ہے، قوم کا سنجیدہ طبقہ اس وقت تک سنی لیگ کے ساتھ رہے گا۔ جب تک سنی لیگ، عملی سرگرمیوں سے دلچسپی لے گی، جس دن بے حسی اور مردنی کی کیفیت نے آ گھیرا، سنی لیگ بھی دوسری جماعتوں کی قطار میں نظر آئے گی۔

شیخ الاسلام کی غیر معمولی دلچسپی!

ادارۂ المیزان اور آل انڈیا سنی لیگ کی ایک سالہ بھاگ دوڑ اور تگ و دو نے ہمیں کام کرنے کا آہنی شعور بخشا ہے، چونکہ آج ہم جس تابناک منزل میں نظر آرہے ہیں!

یہاں آنے تک محبت ونفرت، شفقت وعداوت، تساہلی وسرگرمی، فرض ناشناسی وفرض شناسی، حسن زن وبدگمانی، بغض والفت، فراخدلی وحوصلہ شکنی، اعلیٰ ظرفی وتنگ نظری، قرار وبے چینی، خوشگوار اور ناخوشگوار حالات سے ہمیں گزرنا پڑا، یہ حالات کچھ تو ہمارے اور کچھ بے گانوں کے پیدا کردہ ہیں۔ جی چاہتا ہے اس روشن حقیقت کے اظہار کا، کہ امام احمد رضا نمبر کو تاریخ ساز نمبر بنانے میں اگر سب سے زیادہ کسی دینی رہنما نے دلچسپی دکھائی ہے تو وہ ہیں شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں (جانشین حضور محدث اعظم ہند) انہیں کی متعینہ راہ پر امام احمد رضا نمبر کا کام شروع کیا گیا، ان کا بے لوث تعاون ہر ہر قدم پر ملتا رہا، ملک کے طول وعرض کا دورہ کرتے ہوئے بھی شیخ الاسلام ہماری کارکردگیوں سے مطلع ہوتے رہے۔ تاکیدی خطوط، ضروری مشورے اور اہم ہدایتوں کا تانتا بندھا رہا، شیخ الاسلام کی غیر معمولی دلچسپی ایک مکتوب کے اقتباس سے واضح ہے:

''امام احمد رضا نمبر کو ایک تاریخی اور مثالی نمبر بنانے کیلئے جس قدر جد وجہد کی ضرورت ہے اس سے دریغ نہ کیا جائے اپنے عہد کے ایک عظیم امام اور عبقری شخصیت کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کا ارمغان خلوص پیش کرنا صرف اس کی عظیم اسلامی خدمات کا اعتراف ہی نہیں ہے بلکہ اس میں دینی اور ملی خدمت بھی ہے......''

شیخ الاسلام نے اہم ہدایتوں اور مالی اعانتوں سے جس طرح قوت عطا فرمائی ہے اسے المیزان، کے روشن مستقبل کی ضمانت سمجھنا چاہئے، سچ جانئے! شیخ اسلام کی کھلی حمایت اور بھرپور اعانت ہمیں حاصل نہ ہوتی تو وعدوں کے شامیانے تلے ہمیں میٹھی نیند آجاتی اور حرارت عمل ناامیدی کے سردخانے کی زینت بن جاتی! خدا بھلا کرے شیخ الاسلام کا جنہوں نے المیزان اور سنی لیگ دونوں منصوبوں کو نئی اسپرٹ عطا کی۔

شکریہ کیوں ادا کروں؟

کوئی بھی کام ہو چاہے سماجی یا سیاسی، قومی یا مذہبی شکریہ ادا کرنا ایک رسم سی بن گئی ہے، اور یہ ایسی رسم ہے جس کی ادائیگی ہر رسم کے بعد ہی انجام پزیر ہوتی ہے، آج کل پرانی رسموں سے گلوں خلاصی کی ہوا چل رہی ہے، میں بھی متاثر ہوا چاہتا تھا کہ اچانک حدیث پاک کے ان الفاظ نے مجھے سنبھالا:

''جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکریہ ادا نہ کیا......''

شکر الٰہی کے ناشکرا بننے سے بال بال بچ گیا، رسم شکریہ کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہوئے سب سے پہلے محب گرامی عالی جناب محمد یلیین انصاری کو امتنان وتشکر کا گلدستہ پیش کرتا ہوں جن کے سینے میں چھپے مجاہد نے ہر لمحہ ہمارا ساتھ دیا: بمبئی میں،، المیزان'' کا قدم جمانے میں انصاری صاحب کی رضا کارانہ خدمات کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں، ان کی زندگی کا یہ کوئی نیا کام نہیں ہے، ۵۰ رسالہ فعّال زندگی قومی، سیاسی اور مذہبی امور کی انجام دہی سے بھری پڑی ہے، ناموری اور شہرت پسندی سے گھبرانے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج سنی دنیا اس حقیقت سے ناآشنا ہے کہ

یٰسین انصاری صاحب آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے بانیوں میں سے ہیں، بزرگ رہنما الحاج نصرت اللہ عباسی سنی جمعیت کے بانی اور انصاری صاحب اس کے پہلے موئید اور پھر

''لوگ ساتھ ہوتے گئے اور کارواں بنتا گیا،،

دارالعلوم دیوان شاہ، آل انڈیا سنی جمعیت، آل انڈیا سنی لیگ، امام احمد رضا نمبر اور امام احمد رضا کانفرنس میں محترم یٰسین صاحب کا خون جگر شامل ہے، خدائے تعالیٰ انصاری صاحب کو صحت و سلامتی کیساتھ رکھے۔ اراکین سنی لیگ، سنی لیگ کی مجلس رضا، امام احمد رضا کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کا شکریہ جن الفاظ میں بھی ادا کروں کم ہے، مضامین کی فراہمی میں گرامی قدر و محترم سید امین اشرف ایم اے علیگ. مکرمی ڈاکٹر محمد اسد، غازی ملت حضرت ہاشمی میاں، حضرت العلام سید الزماں حمدوی (پوکھریروی)، محبّ گرامی محب الحق رضوی (علیگ) عزیزی طارق سعید بی اے (لکھنو) محبّ محترم مولانا محمد احمد مصباحی نے جس لگن سے کام کیا ہے اسے نظر انداز کرنا حکم تشکر کی صریح خلاف ورزی ہوگی. ملک کے موقر اخبار،، روزنامہ اردو ٹائمز، کے اسٹاف خصوصاً محترمی منظور احمد مالک اردو ٹائمز نے پرنٹنگ اور فیاض بائینڈنگ ورکس، کے مالک محمد الیاس صاحب نے بائینڈنگ میں اپنا مکمل خلوص پیش کیا اس خلوص کا بھرپور فائدہ محترم عبدالرزاق منشی، اختر اشرفی کی قیادت میں ہم نے حاصل کیا۔ اشتہارات کو جمع کرنے میں جناب محمد ابراہیم، حاجی عبدالغفار میمن، جناب شفیع اللہ خاں غازی پوری، صاحبزادہ صوفی سید جہانگیر اشرف، جناب عبدالقدیر چودھری جبلپوری، میسرزاے حق اینڈ برادرس پٹنہ، عزیزی عارف اور جلال میاں، محترمی منیر اشرفی، قاری جنید عالم اشرفی، الحاج جسیم سردار، محبی سرفراز فقیہ، ایڈوکیٹ حیدر پٹھان، عزیزی عبدالقیوم عطر والا، محترم یوسف قریشی اشرفی، مکرم نثار احمد نثار، جناب یوسف منہار، محبّ گرامی محمد ابراہیم اسمٰعیل زری والا، محبّ گرامی محمد یوسف تاثیر اور عزیز محترم مصطفٰی علی خاں مہتاب افتخاری نے جس محنت ولگن کا مظاہرہ کیا ہے، اس کا نتیجہ نمبر کے مطالعہ کے بعد ہی نکالا جا سکتا ہے۔

قوم کاتب کی مہربانیوں سے جن کا پالا پڑا ہے، انہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے، ایک مجلس میں کسی نے کہا تھا کے اگر کسی کو سزا دینا ہو تو کاتب بنا دیا جائے، اس پر کسی نے برجستہ جواب دیا کہ کسی کو عبرتناک سزا دینی ہو تو کاتب کے پاس پہنچا دیا جائے، لیکن کیا آپ یقین کرین گے کہ المیزان، کے کاتبوں نے ہماری راہ میں خلوص و محبت کے پھول برسائے ہیں، اتنا ضخیم نمبر اور اس قدر مہین کتابت وہ بھی انتہائی خوبصورت اور ایک جیسی، پھر بھی وقت سے پہلے ہمارے سپرد کر دینا، کسی کے لئے حیرت ناکی ہوسکتی ہے لیکن میرے سامنے حقیقی روپ دھارن کئے ہوئے ہے۔ دل سے دعا نکل رہی ہے کہ امام احمد رضا نمبر کاتبوں کے چہروں کو روشن کرے اور کتابت کے تعلق سے انکی آبرو میں چار چاند لگائے، آمین

مارہرہ، بریلی، کچھوچھا، جبلپور، علی گڑھ، کلیان، بھیمڑی اور بمبئی عظمٰی کے ان تمام محسنین کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے انتہائی خاموشی کے ساتھ المیز ان نوازی کا ثبوت دیا ہے۔

خانوادہ برکاتیہ کا تعاون

احسن العلماء حضرت علامہ شاہ سید حسن میاں صاحب

زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف کا بصمیم قلب شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بنا مانگے وہ شاہکار عطا فرمائے جسے خانوادہ برکاتیہ تقریباً ایک صدی سے گلے لگائے ہوئے ہے، امام احمد رضا کی عربی تحریر کا عکس، اس مقدس تخت کا فوٹو جس پر خاتم الاکابر نے امام احمد رضا کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا تھا اور دیگر ضروری عکسی تصاویر ارسال فرما کر ہمارے حوصلے کو پذیرائی بخشی۔ حضور سید العلماء حضرت علامہ سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور جانشین مخدوم زادہ حضرت حسنین میاں صاحب مارہروی نے بھی نمبر میں شامل ہوکر ہمارا تعاون فرمایا۔ حضرت احسن العلماء کے صاحبزادوں (عزیزان گرامی اشرف میاں اور امین میاں) نے بھی مضامین کے ذریعہ ہمیں حوصلگی دی۔ امام احمد رضا نمبر کیلئے ضروری مواد کی حصولیابی کے لئے جب راقم الحروف اور محترم یٰسین انصاری کو بریلی جانا ہوا تو وہاں حضرت علامہ ریحان رضا صاحب زیدعنایتہ نے ایک بزرگ رہنما حضرت سید فاروق احمد کو ہمارے سپرد کیا تاکہ آبا و اجداد تمام خاندانی حالات سے آگہی حاصل کی جاسکے، انہوں نے مسلسل ۴۸ گھنٹے بریلی کے اہم مقامات کی سیر کرائی اور خاندان رضویہ کے تاریخی حالات و واقعات سے ہمیں آگہی دی اور ہر قدم پر ہماری رہنمائی کی! محترم سید فاروق خاندان برکاتیہ کے متعلقین میں سے تھے، اور حضور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ والرضوان سے شرف بیعت حاصل تھی، سید صاحب موصوف نے مجھے چند نایاب تحفے بھی دیئے جس کی حفاظت وہ برسہا برس سے کرتے چلے آرہے تھے، سید فاروق صاحب پوسٹ گریجویٹ اور بریلی میونسپلٹی کے ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ تھے، افسوس صد افسوس! محترم سید صاحب نے ۲۰۔فروری ۱۹۷۶ء کو اچانک راہ بقا کو کوچ کیا، خدائے تعالیٰ، ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔

جب ہم بریلی پہنچے!

بریلی شریف میں جن حضرات نے تعاون فرمایا۔ ان کے ذکر کیساتھ ہم انکا شکریہ ادا کرتے ہیں، شہزادۂ امام احمد رضا سرکار مفتی اعظم ہند باوجود شدید علالت کے شرف ملاقات سے نوازا ہم نے انکی خدمت میں آل انڈیا سنی لیگ کے منصوبوں کو پیش کیا، حوصلہ افزائی کیلئے اپنے لٹر پیڈ پر پیغام مبارک باد اور دعائیہ کلمات تحریر کرا کے اپنا دستخط ثبت فرمایا پھر آخر میں سنی لیگ کی ترقی و بقا اور المیزان، کے فروغ و اشاعت کیلئے تین بار ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعاؤں سے سرفراز فرمایا پالنہار سرکار مفتی اعظم ہند کے سائیہ عاطفت کو سنیت کیلئے تادیر قائم رکھ آمین۔ نبیرہ زادگان امام احمد رضا حضرت علامہ ریحان رضا خاں رحمانی میاں ایم ایل سی، حضرت العلام اختر رضا خاں ازہری، صاحبزادہ حضرت قمر رضا خاں ایم اے علیگ نے بھی ہمارے حوصلے کو بڑھاوادیا رضوی خاندان سادات کے احترام واکرام میں اپنی مثال آپ ہے۔

ان حضرات نے بھی سادات نوازی کا مکمل ثبوت دیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان شہزادوں کو اپنے خاندانی بزرگوں کی روش پر ہمیشہ چلاتا رہے۔ آمین! امام احمد رضا کی تحریروں کا عکس لینے میں حضرت مولانا ساجد علی خاں نے بھی ہماری

معاونت کی۔ انکی ہدایت پر محب گرامی مولانا محمد اعظم صاحب نے جس دلچسپی کا ثبوت دیا ہم اسے فراموش نہ کر سکیں گے امام احمد رضا نے کتب احادیث وفقہ وغیرہ پر جو حاشیہ لکھا ہے، اسکی نشاندہی کرنے اور اسکے فوٹو لینے میں مولانا اعظم نے کافی وقت صرف کیا، اور تندہی سے یہ کام انجام دیا...... بریلی سہر کا گشت لگا کر تصاویر اتارنے میں،، شاہین اسٹوڈیوں کی خدمات بھی نہ بھولنے کے قابل ہیں۔ اسٹوڈیوں کے جواں سال مالک جناب شکیل انصاری نے نوٹوگرافی کی اچھی مثال قائم کی۔ تجارتی انداز فکر سے الگ ہو کر انہوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ کیوں کر نہ ہم انکا بھی شکریہ ادا کریں۔ مذکورہ بالا حضرات کیلئے اظہار تشکر کسی رسم کی تکمیل کے طور پر ہرگز نہ سمجھا جائے، حق تو یہ ہے اگر یہ تمام حضرات ہوش و جوش کے حسین امتزاج کے ساتھ مدد نہ فرماتے تو،، امام احمد رضا نمبر، موجودہ شکل وصورت کے ساتھ پیش کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا............

بکھرے ذرں کو اجتماعیت

سنی لیگ، کی مرکزی مجلس رضا اور ادارۂ المیزان، کی یک سالہ محنت وکاوش امام احمد رضا نمبر کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے، ایک سال قبل آل انڈیا سنی لیگ نے ایک جوت جلائی تھی، جسکی تیز لو نے بکھرے ذروں کو اجتماعیت دی۔ کام کا شعور دیا آگے بڑھنے کا ڈھنگ سکھایا جسکی نشاندہی مجدد اعظم کانفرنس منعقدہ ۹۔ مارچ ۱۹۷۵ء جس کی صدارت جواں سال خطیب مجاہد سنیت حضرت مولانا عبیداللہ خاں اعظمی رضوی سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ کر رہے تھے، (اب مولانا عبیداللہ اعظمی جماعت اہلسنت کے لیے بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں) صدر نشین آل انڈیا سنی لیگ غازی ملت حضرت مولانا سید ہاشمی میاں شہزادۂ حضور محدث اعظم ہند نے ان الفاظ میں کی تھی کہ، ہمارے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ

۱: ہم مجدد اعظم کے حالات زندگی معلوم کریں۔
۲: ان کے مجاہدانہ طرز حیات سے استفادہ کریں۔
۳: ان کی مقدس فکر ونظر سے ایمان کی شمعیں جلائیں۔
۴: ان کے حالات وکوائف کو جان کر ہم نہ صرف یہ کہ ایک تاریخی تقاضہ پورا کریں بلکہ اپنی فلاح ونجات کے تمام ممکنہ وسائل بھی مہیا کریں۔ (ماخوذ امام احمد رضا ایک نظر میں)

ندامت کے آنسو

لیجئے امام احمد رضا جیسی عبقری اسلام شخصیت کے حضور ہمارا یہ پہلا نذرانہ عقیدت ہے، کون ہے جو اپنے اس کارنامے پر فخر نہیں کریگا۔ سرور وانبساط میں مست نہیں ہوگا، خوشی ومسرت کے شادیانے نہیں بجائے گا۔ سر اونچا کر کے نہیں چلے گا، لیکن خدا گواہ ہے ہماری آنکھوں میں ندامت کے آنسو ہیں، ہم نے اپنے امام کی بارگاہ میں جو کچھ بھی ہدیہ کیا ہے اس کی حیثیت شیخ الاسلام کے ان الفاظ سے زیادہ نہیں کہ ''المیزان کا یہ تاریخی اور تحقیقی نذرانہ امام احمد رضا پر احسان نہیں ہے بلکہ ہم پر عائد ملی اور دینی فریضہ کی ادائیگی کا

ایک حقیر سا حصہ ہے'' امام احمد رضا نے ملت اسلامیہ کی حفاظت و صیانت کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں ان کے سامنے یہ نمبر ایک حقیر سا تحفہ ہے، خراج عقیدت کی ایک ہلکی سی جھلک ہے، ایسے نازک وقت میں جب کہ ایک طرف کاغذ کی ہوش ربا گرانی، طباعت و کتابت کے مشکل ترین مراحل۔ دوسری طرف مادی وسائل کی کمیابی، پھر بھی اسے فیض رضا کا مظہر کہہ لیجئے کہ امید وبیم کے ماحول سے گزر کر اطمنان بخش منزل میں پہونچ ہی گئے۔ امام احمد رضا کو اب صرف دینی مدارس اور مذہبی جلسوں تک گھیر کر نہیں رکھا جا سکے گا۔ اب کوئی بھی امام احمد رضا کو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جانے سے روک نہیں سکتا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب ریسرچ کی راہیں واہو کر رہیں گی۔

آخری بات!

امام احمد رضا نمبر ایک گلدستے کی شکل میں پیش خدمت ہے۔ اس گلدستے کو سجانے اور سنوارنے میں ہم کہاں تک کامیاب رہے۔ اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں۔ نمبر میں مختلف الخیال حضرات کے رشحات قلم شامل ہیں، کوئی ضروری نہیں کہ آپ ان سے اتفاق رکھیں۔ اختلاف کا جمہوری حق آپ کو حاصل ہے، سنجیدہ تنقید کو المیزان میں جگہ دیکر ہم صحافتی دیانتداری کا ثبوت دیں گے۔ اس نمبر کی تمام خوبیاں مرکزی مجلس رضا اور حسن تدوین کے تمام محاسن محبّ محترم مولانا محمد احمد مصباحی مبارکپوری کو بخشتا ہوں، جو خامیاں، کمزوریاں اور کوتاہیاں نظر آئیں انہیں میں اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔

❁❁❁

صحابۂ کرام اور مسلک اعلیٰ حضرت

مولانا سلطان اشرف

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب کفار قریش اور مشرکین مکہ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں تنقیص وتوہین کے اشعار لکھ کر مکے والوں کو سنائے تو دشمنان رسول بہت خوش ہوئے۔ لیکن جب سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو قلب نازک رنجیدہ ہو گیا اور مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچی۔

آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا ان اشعار کا جواب دو۔ حضرت کعب بن مالک اس دور کے بہت اچھے شاعر تھے انہوں نے جواب دیا۔

پھر عتبہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا، یہ بھی بہت اچھے شاعر تھے، ان سے بھی فرمایا جواب دو، انہوں نے بھی جواب دیا۔

پھر حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا جواب دو، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

ایسا جواب جس میں جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بھی تھی اور گستاخان رسالت کی مذمت وتردید بھی ایسا جواب جس میں عشق رسول کی وارفتگی بھی تھی اور دشمنان رسول سے نفرت کا اظہار بھی۔ ایسا جواب جسے سن کر سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا:۔

لقد شفيت يا حسان واشتفيت ''اے حسان تم نے شفا دی اور شفا پائی۔

اس مضمون کی متعدد احادیث مشکوٰۃ شریف ودیگر کتب احادیث میں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول هجاهم حسان فشفى واشفى یعنی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسان نے گستاخوں کی مذمت کی تو شفا دی اور شفا پائی۔ ناظرین غور کریں کہ شفا اس کیفیت کو کہتے ہیں جو کسی تکلیف کے خاتمہ کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ کفار ومشرکین مکہ

کے گستاخانہ اشعار سے غمگسار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو اذیت ہوئی اور صحابہ کرام کے اشعار سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسکین ملی اور ان سے مسلمانوں کے دلوں کو شفا و راحت ملی۔ پھر سرکار کا یہ فرمان کہ اے حسان تم نے شفا پائی۔ اس سے پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت وثنا کرنا بھی شفا پانا ہے اور سرکار کے دشمنوں کی مذمت کرنا بھی شفا حاصل کرنا ہے۔

مشکوٰۃ باب الشعر والبیان میں ہے کہ صحابی رسول حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے اشعار کے بارے میں سوال کیا جو جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں کی مذمت میں لکھے جائیں تو سرکار نے فرمایا:۔

ان المومن یجاھد بسیفه وبلسانه بے شک مومن جہاد کرتا ہے اپنی تلوار سے اور اپنی زبان سے۔

ارباب علم وفن بخوبی جانتے ہیں کہ لسان کا لفظ گفتار اور تحریر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کی شان یہی ہے کہ اللہ ورسول کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کا جواب تلوار سے دے اور اگر تلوار کا موقع نہ ہو تو زبان وقلم سے جواب دے۔

انیس بے کساں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک دن حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضری دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے لئے مسند کا اہتمام فرمایا۔ ان کے جانے کے بعد ام المومنین کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ حسان بن ثابت کے مسند لیے کے اہتمام کی وجہ کیا ہے۔

تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

کان ھو یجیب عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من اعداء ویشفی صدره.

حضرت حسان کے لئے مسند بچھانے کا سبب یہ ہے کہ حسان گستاخوں کو جواب دیتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اور سرکار کے قلب مبارک کو تسکین وراحت پہنچاتے تھے۔

مندرجہ بالا اقوال وواقعات سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کو جواب دینا اور سخت الفاظ میں ان کی مذمت کرنا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت ہے۔

۲۔ سرکار دو عالم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قلب مبارک کو راحت وتسکین پہنچانا ہے۔

۳۔ تلوار کا موقع نہ ہو تو زبان وقلم سے دشمنان رسالت کی مذمت کرنا جہاد ہے اور مومن کی پہچان ہے۔

۴۔ زبان وقلم سے دشمنان رسول کی مذمت کرنے والوں کی عزت وتکریم کرنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سنت پر عمل کرنا ہے۔

۵۔ مسند ومبر پر بیٹھنے کا حقدار وہی ہے جو سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بھی کرے اور دشمنان رسول کی توہین وتردید بھی کرے۔

۶۔ مدحت مصطفیٰ کرنا اور گستاخوں سے نفرت وبیزاری کا

اظہار، اپنے لئے شفاء حاصل کرنا ہے۔

۷۔ تعریف رسول سن کر خوش ہونا اور گستاخوں کی مذمت سن کر مسرور ہونا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مذکورہ حقائق سے ظاہر ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب کفار سے اظہار نفرت اور تلوار، قلم اور زبان سے جواب دینا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت ہے۔

احادیث شریفہ کی ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ خلفائے راشدین، صحابہ وتابعین، سلف صالحین، اولیائے امت وعلمائے ملت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اس طرز عمل پر کاربند رہے اور منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ دراصل قرآن عظیم بھی اسی طرز عمل کی تعلیم دے رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم.

مفہوم یہ ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کفار کے لئے بہت سخت ہیں اور آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ گویا کہ قرآن کریم نے مومن کے لئے ایک لائحہ زندگی متعین فرمادیا۔ ایک قانون حیات وضع کردیا۔ ایک شناخت اور ایک پہچان بتادی کہ مومن وہی لوگ ہیں جو عشق رسول اپنے سینے میں رکھتے ہیں اور اشداء علی الکفار ہیں۔

اور جذبۂ عشق ومحبت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ محبوب سے محبت ہے تو محبوب کے دشمنوں سے نفرت بھی ہونی چاہئے ورنہ عشق ومحبت کا دعویٰ محض زبانی جمع خرچ ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

جذبہ عشق رسالت کی یہی رنگینیاں تھیں جو کبھی صدیق اکبر وفاروق اعظم کی تلواروں میں چمکتی تھیں تو کبھی عثمان غنی وحیدر کرار کے فن سپہ گری میں نمودار ہوتی تھیں۔ کبھی حضرت حسان ابن ثابت، حضرت عبداللہ ابن رواحہ، حضرت کعب بن مالک کے زبان وقلم سے ظاہر ہوتی تھیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ محبت مصطفیٰ کی یہی جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی امام حسین کو تلوار بکف میدان کربلا کے تپتے ہوئے ریگزار میں لے گئیں تو کبھی حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق گوئی کے ساتھ ظالم حکمراں کے دربار میں۔

عشق رسالت کی یہی کارفرمائیاں تھیں جو امام اعظم ابو حنیفہ، امام محمد غزالی، امام فخر الدین رازی کی شکل میں علم وفن اور حکمت وعرفان کا دبستاں بن گئیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

یہی جذبۂ عشق رسالت تھا جس نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو غوث الاعظم، حضرت خواجہ معین الدین چشتی کو سلطان الہند غریب نواز، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو محدث علی الاطلاق اور شیخ احمد سرہندی کو امام ربانی مجدد الف ثانی بنادیا۔ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق کی یہی وارفتگی تھی اور اشداء علی الکفار کا یہی جذبہ تھا جس کے سبب حضرت مولانا احمد رضا خاں مجدد اعظم دین وملت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بن کر آسمان رشد وہدایت پر تابندہ ودرخشاں نظر آرہے ہیں۔

عشق ومحبت رسول کی یہی حدیث اور اشداء علی الکفار کی یہی سرشت۔ خلفائے راشدین کا ایمان صحابہ وتابعین کا دین، ائمہ کرام، اولیا وعلمائے عظام کا مذہب ہے۔

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یہی راستہ مجدد اعظم دین وملت، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، یہی وہ یہی وہ راستہ ہے جس پر چلنے کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

اسلامی تاریخ پر نظر رکھنے والے حضرات خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ والرضوان نے اس عالم رنگ وبو میں اس وقت آنکھ کھولی جب مغلیہ خاندان کا اقتدار آخری لمحوں میں تھا۔ اور تن کے گورے من کے کالے انگریز، مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے کے لئے مسلمانوں میں سے ہی کچھ صاحبان جبہ ودستار کو خرید کر اپنی اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کررہے تھے۔

وہابیت کا سیلاب امڈ رہا تھا اور توہین رسالت کا طوفان برپا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب اہل حق کا لباس پہن کر انگریزوں کے نمک خوار، اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہہ رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کو توحید کا نام دیا جارہا تھا۔ کوئی کہہ رہا تھا جس کا نام محمد ہے کسی چیز کا مالک ومختار نہیں ہے۔ کوئی لکھ رہا تھا کہ رسول کو علم غیب نہیں، کوئی یہ عقیدہ دے رہا تھا کہ رسول اللہ مرکر مٹی میں مل گئے۔ کوئی نبوت کا دعویٰ کررہا تھا اور کوئی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ختم نبوت کا انکار کررہا تھا۔ معاذ اللہ!

غرضیکہ اسی طرح کے باطل عقیدہ اہل اسلام کو دے کر انگریزوں کے کھنکتے ہوئے سکوں پر پلنے والے انگریزوں کا حق نمک ادا کررہے تھے۔

اس پرفتن دور میں ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ء مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو بریلی شریف کی عظیم وعبقری شخصیت حضرت علامہ مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر رشد وہدایت کا آفتاب طلوع ہوا۔ عزیز واقارب مبارک باد پیش کررہے تھے۔ لیکن مارہرہ شریف کی ایک عظیم ہستی کی دوربین نگاہیں ملاحظہ فرمارہی تھیں کہ مولانا نقی علی کے گھر پیدا ہونے والا بچہ یہ کوئی عام انسان نہیں ہے بلکہ ناموس رسالت کا پاسبان ونگہبان ہے۔ گمراہی وبددینی کے دور میں اسلام کا مجدد اعظم ہے۔ امام اہلسنّت ہے۔

اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب کے فرزند ارجمند احمد رضا خاں کے عہد طفلی میں جو اساتذہ تھے وہ حیران تھے یہ سوچکر کہ ہمارے سامنے زانوئے ادب طے کرنے والا یہ طالب علم کوئی عام بچہ نہیں ہے کیونکہ آثار بزرگی اس کی پیشانی میں نمایاں ہے۔

شب وروز گزررہے تھے۔ ماہ وسال بدل رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کا بچپن جوانی میں تبدیل ہورہا تھا اور ان کا شعور پکار رہا تھا احمد رضا، دیکھو یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، کیا لکھ رہے ہیں، ان آوازوں کو سنو، اللہ کو جھوٹا کہنا، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنی طرح بشر اور بے علم کہنا۔ اللہ کی شان کے آگے چوہرے چمار سے زیادہ ذلیل لکھنا معاذ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے اختیار لکھنا معاذ اللہ، یہ سب کچھ قرآنی فرمودات تو نہیں ہیں۔ یہ عقائد احادیث شریفہ کے مطابق تو نہیں ہیں۔ ان کی فکر وآگہی چیخ رہی تھی۔ امام احمد رضا خاں! یہ عقائد خلفائے راشدین کے ارشادات بھی نہیں ہیں۔ شہیدان کربلا، ائمہ عظام وعلمائے کرام کے اعتقادات ونظریات بھی نہیں ہیں اور پھر اعلیٰ حضرت کا قلم حرکت میں آگیا۔ ۸ سال کی عمر میں ہدایۃ النحو

کی شرح لکھی۔ ۱۳ ارسال کی عمر میں فتویٰ لکھا اور ایسا لکھا کہ اکابر علمائے کرام آفریں کہہ اٹھے اور پھر جو ایک عاشق رسول کا قلم چلا تو چلتا ہی رہا۔ ان کے قلم نے صحابہ کرام کی روش پر چل کر تقدیس رسالت کے ایسے پھول کھلائے کہ غلامان وفا شعار کے دل باغ باغ ہو گئے۔

ان کے قلم کی جنبش سے معرض وجود میں آنے والے فنی شہ پاروں کو دیکھ کر صاحبان علم ودانش نے ان کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے خطابات سے نوازا۔ تقریباً پچاس برس ان کا قلم چلتا رہا۔ ان کے قلم کی تیز رفتاری کا عالم یہ تھا کہ سیکڑوں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ایک ہزار سے زائد کتابیں منصۂ شہود پر آگئیں۔ اعلیٰ حضرت کے ان عظیم کارناموں کو دیکھ کر اکابر علمائے کرام اور اصحاب فکر ونظر حیران رہ گئے اور جب حیرت واستعجاب کے بادل چھٹے تو ان حضرات نے جو اپنے درس میں آسمان علم وفن کے شمس وقمر سمجھے جاتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں کو دین وملت کا مجدد اعظم تسلیم کرلیا۔ امام اہلسنّت نے اپنی طرف سے کوئی نیا عقیدہ ایجاد نہیں کیا اور نہ انہوں نے کسی نئے نظریئے اور نئی فکر کی بنیاد رکھی۔ وہ منقولات ومعقولات کے امام تھے۔ وہ انہیں عقائد پر کاربند تھے جو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ وتابعین سلف صالحین سے ثابت ہیں۔ انہوں نے کلمۂ طیبہ سے یہ درس لیا تھا کہ ایمان کی تکمیل کے لئے احقاق حق بھی ضروری ہے اور ابطال باطل بھی لازمی امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ایک ہزار سے زائد تصنیفات میں احقاق حق بھی ہے ابطال باطل بھی ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ جل علیٰ کی صفات جلیلہ اور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات عالیہ کا ثبوت ہے وہیں گستاخی اور باطل فرقوں کا رد بلیغ بھی ہے۔ یہی سنت صحابہ کرام بھی ہے۔ یہی مسلک اعلیٰ حضرت بھی ہے۔ یہی شفا یہی راحت وتسکین مومنین ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت وہی ہے جس کی تائید اکابر علماء ومفتیان عرب وعجم نے کی ہے۔ اہل عجم میں بہت سے صاحبان علوم وفنون ہیں۔ بہت سے سیاست داں ہیں جنہوں نے اعلیٰ حضرت کے بارے میں اپنے توصیفی خیالات واحساسات کا اظہار کیا ہے جن میں اپنے بھی ہیں بے گانے بھی، موافقین بھی ہیں، مخالفین بھی، ان میں مسلم بھی غیر مسلم بھی، ان میں صف اول کے شعراء بھی ہیں، پروفیسر بھی ڈاکٹر بھی ہیں۔ وکیل اور جج بھی، ان میں صاحبان جاگیر بھی ہیں مملکت کے وزیر بھی، ان میں حکومت پاکستان کے سابق دفاعی وزیر جناب کوثر نیازی بھی ہیں جنہوں نے ادارۂ تحقیقات امام رضا کراچی کے زیر اہتمام امام احمد رضا کانفرنس کے موقع پر اپنے مقالے میں کہا تھا:

وہ فنا فی الرسول تھے، اس لئے ان کی غیرت عشق، احتمال کے درجے میں بھی توہین رسول کا کوئی خفی سے خفی پہلو بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔ ادب واحتیاط کی یہی روش امام احمد رضا خاں کی تحریر وتقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ مخالفین جس بات کو شاہ احمد رضا کا تشدد کہتے ہیں وہ تشدد نہیں، عشق رسول ہے۔

(جناب کوثر نیازی کے اس مقالہ کو کراچی سے ادارۂ تحقیقات احمد رضا، لاہور سے معارف نعمانیہ اور گوجرانوالہ سے انجمن رضائے مصطفیٰ نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے)

انہیں میں فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان کے جج ہیں، جناب ڈاکٹر جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری انہوں نے اپنا فیصلہ اس طرح پیش کیا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کوئی نیا دین یا نیا مسلک پیش نہیں فرمایا ہے۔ وہ اسی مسلک کے مبلغ تھے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اہل بیت، صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم، اولیائے کرام رحمہم اللہ اجمعین سے منقول وماثور چلا آرہا ہے۔ یہی وہ مسلک ہے جو جنید بغدادی، بایزید بسطامی، معروف کرخی، شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ معین الدین چشتی، داتا گنج بخش ہجویری اور انہیں جسے صلحائے امت کا مسلک ہے جب میں مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کا مطالعہ کرتا ہوں تو ان کو اسلاف کے مسلک ومذہب سے منحرف نہیں پاتا ہوں بلکہ منحرفین کے تعاقب میں لگا پاتا ہوں۔

(جناب جسٹس ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری، فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان)

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ جسٹس سید شجاعت علی صاحب نے اپنے ججمینٹ میں مسلک اعلیٰ حضرت کا ذکر کیا ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کو اسلاف کے مذہب کے مطابق بتایا۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ آج فرقوں، گروہوں اور مسلکوں کے ہجوم میں ایک مسلک اعلیٰ حضرت ہی ہے جس میں عشق رسول کی وارفتگی ہے جس میں حضرت صدیق اکبر کا صدق وصفا ہے۔ حضرت فاروق اعظم کا عدل وانصاف ہے۔ حضرت عثمان غنی کا غنا وکرم ہے۔ حضرت علی حیدر کرار کی ہمت وشفاعت ہے۔ حضرت امام حسین کا اعلان حق بھی، غوث اعظم اور خواجہ اجمیری کا تصوف بھی۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا محققانہ طریقۂ استدلال بھی ہے اور مجدد الف ثانی کی بے باک تعلیمات بھی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

صدق وعدل وکرم وہمت میں
چار سو شہرے ہیں ان چاروں کے
کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے میری سرکاروں کے

اب جو شخص مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف کرے وہ اپنا مقام باطل فرقوں میں کہیں تلاش کرے۔ آج دنیائے اسلام کے کروڑوں دلوں کی دھڑکنوں سے یہ صدائیں آرہی ہیں۔ اے امام اہل سنت:

حضرت حسان کا حسن سخن یاد آگیا
آپ نے تو جان رحمت پر لکھا لاکھوں سلام
ایسی کی ہے آپ نے آقا کی مدحت السلام
آج دنیا کہہ رہی ہے اعلیٰ حضرت السلام

❁❁❁

مسلک اعلیٰ حضرت اور علمائے حیدر آباد

از: ادارہ ماہنامہ سنی آواز ناگپور

گذشتہ صدی سے عقائد باطلہ کے رد و ابطال میں اعلیٰ حضرت مجدد اسلام سیدنا امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ عرب وعجم میں مرکزی حیثیت سے جانے پہنچانے جاتے ہیں۔

انگریزی حکومت کے سہارے وہابیوں دیوبندیوں کے پیشوا جیسے مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی اشرف علی تھانوی، نے مسلمانوں کے متحدہ شیرازے کو منتشر کرنے کیلئے اپنی کتابوں میں جب کفری عقائد کو عبارتوں کے ذریعہ ظاہر کیا تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے دیکھتے ہی حکم کفر نہیں عائد کیا، بلکہ ان کو متنبہ کیا اور ان کا دینی، علمی اور شرعی مواخذہ کیا۔ برسوں ان سے خط وکتابت ہوتی رہی۔

اعلیٰ حضرت کا یہی مطالبہ تھا کہ عقائد باطلہ سے توبہ کرلیں تو جھگڑا ہمیشہ کیلئے ختم ہوجائے گا اور امت کے اتحاد کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے گا، برسوں گزرنے کے بعد بھی اکابر علمائے دیوبند اپنی کفری عبارتوں پر اٹل رہے جب گفت وشنید کی کوئی صورت کامیاب نہیں ہوتی تو اعلیٰ حضرت نے ان کی کفری عبارتوں پر حکم شرع بیان کیا اور اس حکم شرع کو عرب وعجم کے اکابر علماء کے سامنے پیش کیا۔

عرب وعجم کے اکابر علما نے ان پر لگے ہوئے حکم کفر وارتداد کی تصدیق کی۔ یہاں تک لکھ دیا کہ ان کی کفری عبارتوں کی وجہ سے ان پر لگے ہوئے کفر وارتداد میں جو شک کرے وہ بھی کافر و مرتد ہے۔

اکابر علمائے دیوبند پر جو حکم کفر وارتداد لگا ہے اس کی تصدیق کرنے والوں میں علمائے حیدرآباد دکن بھی تھے۔

علمائے دکن نے بڑے یقین واعتماد کے ساتھ ان اکابر علماء دیوبند پر حکم کفر کی تصدیق کی اور خود بھی ان کے خلاف فتوے دیئے۔ لیکن دکن میں دین سے بے پرواہی اور صلح کل پالیسی کی وجہ سے وہ دینی تصلب کمزور ہوتا گیا۔

آج یہ حالت ہے کہ دینی تصلب کے نام کی چیز علماء جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے اندر موجود نہیں ہے۔ اب وہ صلح کلیت پر عمل پیرا ہیں جس کی وجہ سے دکن سے دینی تصلب

دیباسرائے سنبھل مراد آباد یوپی

جاتا رہا۔ علماء قدیم حیدرآباد نے پچیس سال پہلے اکابر علمائے دیوبند پر ان کی کفری عبارتوں کی وجہ سے کفر وارتداد کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ ان قدیم علمائے اہل سنت حیدرآباد کا ہم وہی قدیم فتویٰ شائع کر رہے ہیں۔

ادارہ سنی آواز ناگپور

وہ فتویٰ آج علمائے جامعہ نظامیہ اور کل علماء دکن پر چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اگر واقعی موجودہ علماء جامعہ نظامیہ حیدرآباد اکابر علماء دیوبند کی تکفیر کے سلسلے میں اپنی غلط اور دین شکن پالیسی چھوڑ کر احقاق حق و ابطال باطل کی خاطر ''حسام الحرمین'' کی تصدیق کر کے صحیح حکم شرع بیان کر دیں تو مسلمان کفر وارتداد سے محفوظ ہو جائیں گے اب وہ فتویٰ سوال سمیت ملاحظہ فرمائیں:

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ پرآشوب وفتن میں اکثر وہابیہ، دیوبندیہ، نجدیہ، غیر مقلدین و رافضیہ نے اپنا شعار بنالیا اور تجربہ ہائے متواتر سے یہ ثابت ہے کہ یہ مذکورہ فرقے مدتوں میلاد شریف بھی کرتے ہیں اور یا شیخ عبد القادر جیلانی شیأ للہ اہل سنت کو دکھلانے کو دن رات پڑھتے بھی ہیں بلکہ قوالی تک سنتے ہیں اور جب لوگ ان کے معتقد ہو جاتے ہیں اور ان سے میل جول اچھی طرح ہو جاتا ہے تو پھر مذکورہ باتوں کو بدعت اور کفر نہیں بتاتے بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خوب تعریف کرتے ہیں۔

جب مسلمان ان کے فریب میں آجاتے ہیں تو پہلے فاتحہ خوانی و ختم آیت کریمہ ختم کرنے وغیرہ سے روکتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا درجہ حضور اقدس ﷺ کا ہے۔ انہیں کی نذر و نیاز کرو، میلاد شریف کرو، اولیاء اللہ میں کیا رکھا ہے۔ جب یہاں جمالیا تو اور آگے بڑھتے ہیں کہ سیکڑوں روپے میلاد میں خرچ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرو تو کتنا ثواب ہے۔

اگر اہل سنت و جماعت نے کہا کہ میاں حضور اقدس ﷺ سے ہمارا تعلق لگا رہنے دو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں ان کے چاہنے والوں کو خدا اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ تھوڑے روز کے بعد اس مرکز سے ہٹانے کو آخر کار کہہ دیتے ہیں (دیکھیے براہین قطعہ ص ۳ مصنفہ مولوی خلیل احمد انبٹھوی) پھر صاف صاف حضور اقدس ﷺ کی شان مبارک میں کلمات توہین اور بعض ائمہ اربعہ کی تقلید معین کو حرام تک کی تعلیم دے کر اہل سنت و جماعت میں تفرقہ انداز ہوتے ہیں اور بھولے بھالے اور سیدھے سادھے مسلمانوں کا راہ راست پر لانا دشوار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے بد مذہبوں کی بدولت جو گھر گھر فتنے ہو رہے ہیں ان کی جڑ کٹ جائے اور جو بد مذہبوں کی امامت سے اہل سنت و جماعت کی نمازیں برباد ہو رہی ہیں، وہ بھی بچ جائیں، ان مذکورہ فرقوں کی مفصل پہچان ساتھ دلائل کے مرحمت فرمائیے۔

بینوا وتوجروا

المستفتی کمترین محمد سلیم ساکن [illegible] پور ضلع لکھیم پور کھیری (یوپی)

الجواب هوالموفق للصواب

صورت مسئولہ و مرقومہ میں جب تم دیکھو کہ بلا خوف

جانی وہابی کوئی ملایا مولوی یا درویش قادری یا چشتی یا نقشبندی یا سہروردی کسی بدعتی وہابی دیوبندی یا چکڑالوی یا قادیانی یا بہائیہ یا خاکساریہ یا نیچریہ ورافضیہ وخارجیہ وکاندھلویہ وصلح کلیہ وغیرہم جملہ مبتدعین ومرتدین وملحدین کی خصوصاً ایسے وہابی نجدی جسکی نوبت کفر وارتداد تک پہنچ گئی جیسا کہ مصباح الانام اور براہین قاطعہ، تحذیر الناس، وحفظ الایمان وغیرہ میں ہے جن پران کی کفری عبارتوں کی وجہ سے علمائے عرب وعجم نے کفر وارتداد کا فتویٰ دیا جس کی صراحت مجدد مأة حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی کی تصنیف ''حسام الحرمین'' میں موجود ہے۔

پس جو شخص ان بد مذہبوں کی تعظیم وتکریم کرتا ہو، ان کے ساتھ دلی محبت کے ساتھ پیش آتا ہو۔ وقت بے وقت ان کی حمایت کرنے لگتا ہو، اور بد مذہب اس کے پاس محبت سے آتے جاتے ہوں اس کی تعریف کرتے ہوں۔ خواہ ہزار بار قیام میلاد شریف وگیارہویں شریف کرے، انگھوٹے چومے، یارسول اللہ پکارتا ہے یقیناً جان لو اور ہوشیار ہوجاؤ کہ دولت ایمان کا چور اور گھٹ کٹا ہے اور پکا بدعتی ہے اور گمراہ۔

چنانچہ باب الاعتصام مشکوۃ شریف میں ''قال قال رسول الله ﷺ من وقر صاحب بدعة فقد اتمان علی هدم الاسلام رواه البیهقی فی شعب الایمان''
یعنی شعب الایمان بیہقی میں ہے جس نے اہل بدعت کی تعظیم وتکریم کی بے شک اس نے اسلام کی دیوار ڈھانے میں مدد کی سمجھ لیجئے کہ مرتد فاسق کی مدد کرنے والا کون ہوا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

لاتجد قوما یومنون بالله والیوم الاخر یوادون الله من حادالله و رسوله ولو کانو اٰباوهم وابناهم او اخوانهم وعشیرتهم الایة.

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔ اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بد دینوں اور بد مذہبوں اور خدا رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں سے میل جول ومحبت وتعظیم وتکریم کرنا اگر چہ استاذ یا پیر ہو۔ جب ان کی بدعقیدگی ثابت ہوجائے تو ان سے دور ونفور رہیں۔

جیسا کہ مولانا روم علیہ الرحمہ مثنوی شریف میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اشعار کے ترجمے ذیل میں دیکھیں:

ترجمہ: یعنی اہل باطل کی اہل باطل پر ہی نظر پڑتی ہے اور بیکاروں کو بیکار ہی اچھے لگتے ہیں۔

۲: ہر جنس کا میلان اپنی ہی جنس کی طرف ہوتا ہے۔ گائے کبھی شیر کی طرف نہیں جاسکتی۔

۳: بھیڑیا یوسف علیہ السلام پر کیا عاشق ہوسکتا ہے۔ البتہ مکر وفریب سے کھانے کو تیار ہے۔

۴: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوشبوئے محمدی ازل سے پہنچ چکی تھی کہ صورت حضور اقدس ﷺ کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہ صورت جھوٹوں کی نہیں ہے۔

۵: اور ابوجہل کے دل میں درد عشق نہیں تھا کیوں کہ معجزۂ شق القمر دیکھ کر بھی باور نہیں کیا نہ ایمان لایا۔

۶: پس اگر چمگاڈر سورج سے حصہ لے اور یقیناً وہ جان لے کہ سورج سورج ہی نہیں ہے۔ یعنی اگر وہابی دیوبندی

نجدی سے سنی عالم یا امام محبت رکھے تو یقیناً جان لو کہ وہ مولوی ہرگز سنی عالم نہیں۔

۷: ہاں چمگاڈر کی نفرت کی دلیل یہ ہے کہ اس امر کی کہ بلاشبہ وہ سورج سورج ہے۔ یعنی اگر تم دیکھو کہ بدعتی فرقہ وہابیہ نجدیہ سنی عالم سے نفرت کرتا ہے تو یقیناً جان لو کہ وہ عالم پکا سنی حنفی ہے۔

۸: اگر گوبر کا کیڑا گلاب کی طرف محبت کرے تو جان لو کہ وہ گلاب ہرگز نہیں۔

۹: جس کسوٹی کی طرف کھوٹا سونا مائل ہو جائے جان لیجئے کہ وہ کسوٹی کسوٹی نہیں ہے۔ اسی طرح وہابی نجدی دیوبندی اسی سنی فرضی مولوی سے خوش رہتے ہیں۔ جو صلح کلی ہوں اور فرقہ وہابیہ، دیوبندیہ، مرزائیہ، قادیانیہ، چکڑالویہ و بہائیہ و خاکساریہ و نیچریہ و رافضیہ و خارجیہ و گاندھولیہ و صلح کلیہ وغیرہ سے ہو۔ اگر چہ یہ مذکورہ فرقے کلمہ پڑھتے ہوں اور مولوی اشرف علی تھانوی کی عبارت کفریہ مندرجہ حفظ الایمان۔ ص ۸/ پر جو لکھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنوں و بلکہ بہائم و جمیع حیوانات کے لئے بھی حاصل ہے۔ یعنی اس عبارت کو صحیح اور ایسی تشبیہ جو کہ ہر ایک جانور ہر ایک چارپائے و مجنوں و بہائم درندوں سے دینا جو کہ کھلا کفر ہے جملہ بد مذہب صحیح بتاتے ہوں تو ایسے بد مذہبوں سے اپنے دین کی حفاظت اور اغیار کی چالوں اور ابلہ فریبیوں سے ایمان کو بچانا اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرنا فرض اولیں ہے اور تقلید ائمہ اربعہ کی حق ہے۔

ترمذی میں ہے:

یخرج فی اٰخر الزمان یختلفون الدنیا بالدین والسنتھم احلی من الشکرو قلوبھم قلوب الذیاب ذکرۃ فی المشکوٰۃ رواہ الترمذی و اقال ھذا حدیث حسن.

''یعنی نکلیں گے آخر زمانے میں ایسے لوگ کہ حاصل کریں گے دنیا کو دین کے بدلے اور زبانیں ان کی میٹھی ہوں گی شکر سی اور قلوب ان کے بھیڑیئے ہوں گے ذکر کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث حسن ہے انتہی۔ بس معلوم ہوا ان احادیث صحیحہ سے کہ زمانہ تبع تابعین پر تمام ہوا اور بعد اس کے زمانے کے فساد دن بدن ترقی پر ہے۔ چنانچہ تقلید معین مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی کرنا واجب ہے۔''

تفسیر احمدی میں ہے:

قد وقع الاجماع علی ان الاتباع انما لجوز لماربع فلا یجوز الاتباع لمن حدث مجتھداً مخالفھم

''یعنی تحقیق واقع ہوا اجماع اس بات پر کہ تقلید جائز نہیں، مگر ان چاروں اماموں میں سے ایک کی تقلید جائز ہے۔ البتہ ایک کی اس کی پیروی جائز نہیں جو کہ نیا مجتہد ہونے کا دعویٰ کرے اور مخالف ائمہ اربعہ کا پس ائمہ اربعہ میں سے ایک کی تقلید کرنا واجب ہے۔''

مسلمانوں کا یہ مذہب ہے وہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا بھی ممکن بتاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ومن اصدق من اللہ قیلا، ومن اصدق من اللہ حدیثا

"یعنی کون ہے بڑا سچا اللہ تعالیٰ سے اپنی بات میں پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا صحیح بتائے وہ اسلام سے خارج۔"

پس جملہ بد مذہب مذکورین کا معتقد ضرور وہابی نجدی ہے۔ علمائے کرام کے فتاوے ان وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ کے بارے میں مدت ہوچکی دے چکے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز ہرگز جائز نہیں۔

یہ بد مذہب تقیہ باز یعنی اپنے مذہب کو چھپانا سنی مسلمانوں کو دھوکا دینا یہ ان کا طرز عمل پایہ ثبوت کو پہنچا ہے۔

مسلمان ہوشیار رہیں کہ یہ بد مذہب اپنے ذاتی فائدے سے موقع پاکر اپنے عقائد کو چھپا کر اپنے آپ کو خالص سنی ظاہر کرتے ہیں بہرحال اہل انصاف سنی مسلمان ان کے تقیہ بازی سے آگاہ رہیں۔ ان کی ظاہرہ کلمہ گوئی وقبلہ روئی وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ و من الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وماھم بمومنین.

ترجمہ: "کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔"

یہ آیت کریمہ کا شان نزول یہاں سے تیرہ آیتیں منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں جو کہ باطن میں کافر تھے اور ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان بتاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و ما ھم بمومنین وہ ایمان والے نہیں۔ اس آیت کریمہ کے مصداق وہابیہ، دیوبندیہ، نجدیہ ومنافقین اسلام سے خارج۔ چنانچہ تمام مذاہب گمراہ و گمراہ گر، وہابیہ، دیوبندیہ، نجدیہ سے جو سنی عالم یا امام یا استاد یا پیر محبت رکھے تو یقیناً وہ مولوی یا امام یا استاد صحیح العقیدہ ہرگز نہیں۔ ایسے ڈاکوؤں سے ایمان اور اپنی نمازیں بچانا ان کی چرب لسانی وساوس شیطانی اور دھوکوں سے دور ونفور رہیں۔

ان بد مذہبوں کے کفریات لاتعداد و لاتحصیٰ ہیں (گنتی کے باہر) جو سنی عالم یا امام یا پیر یا استاد کوئی مسلمان ایسے ملحدوں کو کافر نہ جانے گا وہ خود کافر ہوجائے گا۔ جس کی تصریح شیخ الاسلام والمسلمین مجدد مایۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ حسام الحرمین میں فرما چکے ہیں جس پر علمائے عرب وعجم کی تصدیق ہے جس پر عمل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس لئے کہ ان بد مذہبوں نے اللہ تعالیٰ اور حضور اقدس ﷺ کی عظمت ورفعت شان کو ہلکا جانا اور ان کے دشمنوں کو دشمن نہ جانا۔

اہل سنت و جماعت کی نماز ایسے عقائد والوں کے پیچھے نہیں ہوتی ایسے لوگوں کی امامت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتوے کو اپنا دستور العمل بنائیں اسلام وسنیت پر پختگی کے ساتھ قائم رہیں اور اتباع شریعت مطہرہ کو اپنی خواہشات پر مقدم رکھیں تاکہ کوئی بد مذہب اسلام وسنیت کے خلاف استعمال وشر انگیز نہ کر سکے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و ماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ اتیب واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ر رمضان ۱۳۵۷ھ

بقلم : فقیر خلیل احمد عفی عنہ خان فوری سنی حنفی چشتی القادری سند یافتہ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن چلکل گوڑہ مکان۔ ۱۷

الجواب صحیح : سید عبدالرزاق نقشبندی مجددی عفی عنہ بلدہ حیدرآباد۔ الجواب صحیح و المجیب نجیح و من انکرہ فھو کافر مرتد فضیح۔

ان سب بد مذہبوں کی گستاخی و بے ادبی کا دنداں شکن جواب مولانا مولوی خلیل احمد خان خانپوری دام ظلہ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد نے نہایت مدلل طریقہ سے دیا ہے۔ اس فتوے میں اچھی خبر لی گئی ہے جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ سراسر حق ہے۔ اس فتوے کے بعد سے حق واضح اور باطل سرنگوں ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ ان وہابیوں کے شرور آفات سے ہر مسلمان کو مامون و محفوظ رکھے۔

الفقیر الی اللہ الغنی السید محمد بادشاہ الحسینی واعظ مکہ مسجد حیدرآباد۔ دکن الجواب والمجیب مصیب، اس فتوے پر مسلمانوں کو عمل کرنا ضروری ہے۔

فقیر رشید احمد غفرلہ، بلاہ حیدرآباد۔ دکن الجواب صحیح۔

بیشک اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں نقص کا اعتقاد موجب کفر ہے، ایسا ہی تقلید ائمہ اربعین کا منکر کافر یہ فتویٰ مسلمانوں کی آگاہی کے لئے واجب الاشاعت ہے۔

احقر سید محمد اکبر عفی عنہ بیرون دبیر پورہ بلاہ حیدرآباد دکن۔

الجواب صحیح و المجیب نجیح

بد مذہبوں کے اقوال منقول کی نسبت علمائے اہلسنت کی جانب سے کثیر فتاوے ہو چکے ''حسام الحرمین'' پر علماء عرب و عجم کا اتفاق ہو چکا۔ پس اس فتوے کا ماننا حسب نقول صحیحہ معتبرہ لازم الاتباع۔

سید نور اللہ حسینی عفی عنہ بلاہ حیدرآباد، دکن

صحیح الجواب:

علامہ نے ان کے واسطے معیار سنیت پر جو فتویٰ تحریر کیا ہے سراسر حق و ہدایت ہے اس کا ماننا اور اس پر اہل سنت کو عمل کرنا لازم و ضروری ہے اس کا خلاف نہ کرے گا مگر گمراہ و بددین بندہ شیاطین۔

فقیر عبدالحق غفر اللہ لہ مدرس مدرسہ بیرون دبیر پور بلاہ حیدرآباد، دکن۔

قطعہ: (از: حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ)

گلہائے ثناء سے مہکتے ہوئے ہار
سقم شرعی سے ہیں منزہ اشعار
دشمن کی نظر میں یہ نہ کھٹکیں کیوں کر
ہیں پھول مگر ہیں چشم اعدا میں خار

❁❁❁

حضور مفتی اعظم ہند اور ان کی دعوتی، تبلیغی خدمات

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری

تیری معصوم نگاہوں کے تقدس کی قسم
دل نے کیا روح نے بھی تجھ سے محبت کی ہے

"اے رب کریم مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین، اور تیرے بندوں کی خدمت کرے" (دعائے رضا)

"یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گم راہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا" (بشارت نوری)

جس نے دعا مانگی وہ ہیں قطب الارشاد اور جس نے بشارت دی وہ ہیں قطب الاقطاب، ان دونوں قطبوں کی دعا وبشارت نے اس نومولود بچے کو بچپنے کی پگڈنڈی سے لے کر جوانی کی شاہراہ تک اور جوانی کی شاہ راہ سے لے کر حیات کی منزل مقصود تک، زاویہ ہائے فکر ونظر کو اس طرح نور و سرور سے معمور رکھا کہ اس بچہ کا ستارۂ اقبال مفتی اعظم بن کر چمکا تو چمکتا ہی چلا گیا......ابر کرم بن کر چھایا تو چھاتا ہی چلا گیا......سحاب دعوت وتبلیغ بن کر برسا تو برستا ہی چلا گیا......کشت زار حیات کو ان کی خدمات کے نوری پھوار نے ایسا نم کر دیا کہ کردار کی دنیا میں بہاروں کے قافلے اتر گئے......وہ چاہے عام آدمی کا عمومی کردار ہو یا علما وصوفیا کے علم و تصوف کا رنگین گلزار......وہ چاہے دیہات وقریہ کی سنسان فضا ہو یا شہر کی چیختی، چلاتی، بل کھاتی، اٹھلاتی چنچل ہوا......وہ چاہے کسی غریب کی غربت کا مرثیہ پڑھتی جھونپڑی ہو یا امیر کی امارت کا خطبہ دیتا امارت محل......وہ چاہے کسی فقیر کی فقیری کا نوحہ کرتی کٹیا ہو یا رئیس کی ریاست کا عشرت کدہ......وہ چاہے کسی کسان کا کھلیان ہو یا تاجر کی ہن برساتی دوکان......وہ چاہے کسی جاہل وگنوار کا مکان ہو یا شہر یار علم وفن کی مسند ذی شان......حضور مفتی اعظم کا اخلاق واخلاص......محبت وایثار......مروت وپیار......چاہت والفت......اپنائیت وفدائیت......دادودہش......کرم و نوازش سب کے لئے یکساں تھی، یہی ایک دریا تھا جہاں من

وتو کا کوئی تصور نہیں تھا......یہی ایک بندہ نواز تھا جس کا جلوہ ہر جا فیض لٹاتا نظر آتا تھا......جہاں سے کوئی مایوس نہیں لوٹتا تھا ......بلکہ ٹوٹی آسیں جہاں بندھائی جاتی تھیں، چھوٹی نبضیں جہاں چلائی جاتی تھیں، وہ آستانہ تھا مفتی اعظم کا آستانہ ...... کچھ شخصیتیں وہ ہوتی ہیں جو روپوش ہو کر بھی تذکرۂ بدوش ہی نہیں نعمہ بگوش بنی رہتی ہیں ......نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد بھی ان کے کارناموں کی ہلچل رہتی ہے، امتداد زمانہ کی کوئی گرداُن کی یادوں کے سورج کو گہن آلود نہیں کر پاتی، وہ خیابان ملت میں گلاب خلوص بن کر مہکتے اور عندلیب وفا بن کر چہکتے رہتے ہیں، ان کے خدمات کی دل آویز خوشبو فضا در فضا مشکبار رہتی ہے اور ان کے معاملات کی رنگینی آفاق حیات کو نو بہار رکھتی ہے، وہ چلے جاتے ہیں مگر ان کے وجود کی نغمگی ان کی موجودگی کا احساس تازہ رکھتی ہے، ایسی ایک البیلی شخصیت تھی ہمارے ممدوح شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت، مرشدی الکریم، سیدی العظیم، شبیہ غوث اعظم حضور مفتی اعظم کی شخصیت...... آپ اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، نازش انسان وانسانیت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان کے چھوٹے شہزادے ہیں، دنیا جانتی ہے امام احمد رضا نے بیک وقت کئی محاذوں کو تنہا سنبھالا تھا، وہ بحیثیت محدث علم کو شعور اور شعور کو علم کے انوار سے نوازتے نظر آرہے ہیں...... وہ بحیثیت مجدد تجدید واحیا کی مسند پر بھی رونق بخش دکھائی دے رہے ہیں ......وہ بحیثیت داعی ومبلغ محفل دعوت وتبلیغ کا فریضہ بھی ادا کر رہے ہیں ...... وہ بحیثیت متکلم ومناظر ریاض دین میں بدعقیدگی کے

خودرو پودوں سے خوش عقیدگی کے لالہ وگل کی حفاظت میں ڈٹے بھی دکھائی پڑتے ہیں ......وہ بحیثیت مصلح وہادی کردار وعمل سے انگریزیت ودہریت کا زنگ چھڑا کر سیرت مصطفیٰ کا رنگ چڑھاتے نظر آرہے ہیں ......وہ بحیثیت ادیب وشاعر شعر وادب کی پیشانی کو افکار نو کے جھومر سے سجاتے بھی مل رہے ہیں، المختصر ایک کثیر الجہات اور وسیع السمت شخصیت ہے امام احمد رضا کی ......اعلیٰ حضرت کو خوب احساس تھا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اور ہمیں کہاں کہاں کیا کیا کرنا ہے، انہیں تناظر میں انہیں یہ بھی فکر تھی کہ میرے بعد کام رکے نہیں بلکہ برق رفتاری سے کام منزل بہ منزل ہوتا رہے اور آگے بڑھتا رہے......علم وفکر ......دعوت وتبلیغ...... احیا وتجدید ...... تنظیم وتحریک......شعر وسخن......اخلاق وخلاص ......فقر وتصوف ......افتا وارشاد ......ادب وتواضع ...... تصنیف وتالیف ......اصلاح وہدایت ......کی جو جو بزم ہم نے سجائی ہے اس کی رونق ماند نہ پڑنے پائے، اسی لئے آپ نے بڑے دردمند دل اور پرسوز انداز میں خدائے قدیر وکریم کی بارگاہ میں دعا کے لئے اپنے ہاتھوں کو پھیلا دئے، ایسے میں قلب کی گہرائی سے سوز وگداز میں لبریز جو آواز نکلی وہ یہ تھی:

''اے رب کریم مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے''(۱)

سچے دل سے نکلی ہوئی دعا تھی، رضا کی زبان سے نکلی اور قبولیت کے آسمان تک پہونچی ...... بچے کی ولادت کا جب موقع آیا تو اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ چلے

گئے، عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کے یہاں ایسا موقع آتا ہے تو آدمی گھر پر رہنے کو ترجیح دیتا ہے، مگر امام احمد رضا کے گھر نیا مہمان آنے کو ہے اور وہ اپنے مرشد زادے کے مہمان بنے ہوئے ہیں، بات یہ ہے کہ آج وہ اس لئے حاضر تھے کہ اس در سے ایک ایسے فرزند کی خوشخبری لے کر جائیں، جو بڑا ہو کر تاجدار اہل سنت، محافظ شریعت وطریقت اور صاحب عشق ومحبت بنے۔ (۲)

فقیہ العصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی شب میں تقریباً نصف رات تک امام احمد رضا قدس سرہ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہ کے درمیان علمی مذاکرات رہے، پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے، اسی شب میں دونوں بزرگوں کو بچے کی ولادت کی بشارت دی گئی، (۳)

امام احمد رضا نے خواب میں دیکھا:

"چاند نے زمین کی طرف اترنا شروع کیا تو وہ زمین سے کئی گنا زیادہ بڑا تھا، جیسے جیسے وہ زمین پر آ رہا تھا، اس کا حجم گھٹ رہا تھا، اور روشنی بڑھ رہی تھی، یہاں تک کہ اتنا مختصر ہو گیا کہ وہ آسانی سے امام احمد رضا کی آغوش محبت میں آ گیا" (۴)

خواب سے بیداری پر دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے یہ فیصلہ کیا کہ بوقت ملاقات مبارکباد پیش کروں گا، فجر کی نماز کے لئے جب دونوں بزرگ مسجد پر پہونچے تو مسجد کے دروازے پر ہی دونوں کی ملاقات ہو گئی اور وہیں ایک نے دوسرے کو مبارک باد پیش کی، فجر کی نماز کے بعد سید المشائخ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے امام احمد رضا قدس سرہ سے ارشاد فرمایا:

"مولانا صاحب! آپ اس بچے کے ولی ہیں، اجازت دیں تو میں نومولود کو داخل سلسلہ کروں، امام احمد رضا قدس سرہ نے عرض کی، حضور وہ غلام زادہ ہے، اسے داخل سلسلہ فرما لیا جائے" (۵)

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے مصلیٰ ہی پر بیٹھے بیٹھے امام احمد رضا کے نور نظر، اور مستقبل کے مفتی اعظم کو غائبانہ داخل سلسلہ فرما لیا، حضرت سید المشائخ نے امام احمد رضا کو اپنا عمامہ، اور جبہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"میری یہ امانت آپ کے سپرد ہے جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہو جائے تو اسے دیدیں، مجھے خواب میں اس کا نام آل الرحمٰن بتایا گیا ہے، لہٰذا نومولود کا نام آل الرحمٰن رکھیئے، مجھے اس بچے کو دیکھنے کی تمنا ہے، وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے، میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہو کر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کروں گا۔" (۶)

حضور مفتی اعظم قدس سرہ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ ۷ جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق دنیا میں تشریف لائے۔ "والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ (۱۳۱۰) دوسرے روز جب ولادت کی خبر مارہرہ مطہرہ پہونچی تو سید المشائخ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے نومولود کا نام ابوالبرکات، محی الدین جیلانی منتخب فرمایا۔ آپ کا غیبی نام آل الرحمٰن، عقیقہ کا نام

محمد، پیرومرشد کا عطیہ ابوالبرکات، محی الدین جیلانی ہے، والد ماجد نے عرفی نام مصطفیٰ رضا تجویز فرمایا، اپنا تخلص شاعری اپنے مرشد کی نسبت سے نوری پسند فرمایا، مفتی اعظم ہند سے دنیا میں مشہور ہوئے۔(۷)

شہزادۂ حضور سید العلما حضور نظمی میاں صاحب رقم طراز ہیں:

''چھ ماہ بعد حضرت نوری میاں بریلی شریف تشریف لائے، نومولود کو نہالچہ پر سرکار کی خدمت میں پیش کیا گیا، نوری میاں نے بڑی شفقت سے گود میں لیا اور کلمہ کی انگلی بچہ کے منہ میں ڈال دیا، یہ نوری گھرانے کے نوری فرد، نوری میاں کی انگلی ہے، بچہ بڑے چاؤ سے انگلی چوس رہا ہے، اور نوری میاں بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے اپنے خاندان عالی کا نور بچے سینے میں انڈیل رہے ہیں، نوری میاں کی ساری دعائیں بچے کے حق میں صحیح ثابت ہوئیں۔''(۸)

سید المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور مفتی اعظم کو اس چھ ماہ کی ننھی سی عمر میں بیعت کرتے وقت ارشاد فرمایا:

''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا، اور مخلوق خدا کو اس کی ذات بہت فیض پہونچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا''۔

حلقہ بیعت میں لینے اور قادری نسبت کا دریائے فیض بنانے کے بعد یہ کہتے ہوئے حضرت نوری میاں نے امام احمد رضا کی گود میں اس نومولود کو دے دیا کہ......

''مبارک ہو آپ کو یہ قرآنی آیت ''واجعل لی وزیرا من اھلیکی تفسیر مقبول ہو کر آپ کی گود میں آگئی ہے''(۹)

تربیت وفراغت: عظیم مورخ، مصنف تذکرۂ علمائے اہل سنت حضرت مفتی محمود احمد قادری مظفر پوری، اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں:

''حضرت والدی سیدی الکریم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے عرض کیا، کچھ اپنی تعلیم کے بارے میں بھی فرمائیں؟ فرمایا! قرآن شریف اعلیٰ حضرت سے بھی پڑا، منجھلے اور چھوٹے چچا کے علاوہ مولانا (حامد رضا) رضا سے بھی پڑا، اس کے بعد فارسی عربی بھی انہیں حضرات سے پڑھی، جب مدرسہ اہل سنت قائم ہوا، تو اس کے اساتذہ مولانا سید بشیر احمد علی گڈھی، مولانا ظہیر الحسن فاروقی رام پوری سے بھی پڑا، جب مولانا رحم الٰہی مظفر نگری مدرس دوم ہو کر آئے تو ان سے خاص طور پر پڑھا۔''

''یہ میرے خاص استاذ تھے، جب متوسطات پڑھ چکا، تو زیادہ تر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حضوری حاصل رہتی، جس سے فوائد کثیرہ حاصل ہوئے، ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں بعمر اٹھارہ سال مرکز اہل سنت دارالعلوم منظر الاسلام سے فراغت پائی۔''(۱۰)

اعلیٰ حضرت کو آپ کی ذات سے جو بے شمار توقعات

تھیں ان میں سب سے اہم آپ کے بعد آپ کے مشن کو زندہ رکھنا اور چلانا تھا، اسی لئے امکانات کے تمام پہلو وہ آپ میں ڈھونڈ رہے ہے، اس مشن کے احیا وارتقا کے لئے آپ بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہوتے تھے، بنابریں قدم قدم، نفس نفس، اور روش روش خصوصی توجہ وتربیت سے نواز رہے تھے، تربیت کوئی بھی کرے اور کسی کی بھی کرے تربیت ہمیشہ ظاہر کی ہوتی ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کی برکات سے باطن کی دنیا بھی سیراب ہوجاتی ہے، عمر کے کتنے قافلے منزل آشنا ہوتے ہیں تب یہ جوہر نکھرتا ہے ......تب آدمی دیدہ وربنتا ہے......تب یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ شاہد وغائب ......ظاہر وباطن ......نہاں وعیا ں ......جسم وجاں سب یکساں نظر آنے لگتے ہیں، کتاب ہستی کھلی ہو یا بند، جہاں سے چاہے جو باب چاہے فرفر پڑھ دے ......یہ گوہر مقصود سب کو حاصل ہوجائے یہ بھی کوئی ضروری نہیں ، بہت سوں کی تو ریاضت ومجاہدے میں عمر گزر جاتی ہے مگر وہ جہاں تھے وہیں نظر آتے ہیں، مگر اعلیٰ حضرت کی تربیت کا کمال دیکھئے کہ دوران تربیت ہی وہ تمام جمالیاتی قدریں، ارتقائی اوصاف آپ میں اجاگر ہوگئی تھیں جہان سے قرب بعد، بستہ وکشادہ، بے حجابی وحجاب کے امتیازات اٹھ جاتے ہیں، اندر اور باہر کی تفریق مٹ جاتی ہے، مثلاً دوران تعلیم ایک دن آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، اور آپ کے سامنے ایک بند کتاب رکھی ہوئی تھی، اس بند کتاب کی طرف آپ بغور دیکھ رہے تھے اتنے میں آپ کے استاذ مولانا بشیر احمد علی گڈھی وہاں آگئے، اور بند کتاب کی طرف غایت درجہ انہماک دیکھ کر فرمانے لگے کہ بند کتاب کی طرف اس قدر انہماک سے دیکھنے سے کیا حاصل؟ تو آپ نے فرمایا: ''میں اس امکان کا جائزہ لے رہا ہوں کہ بند کتاب پڑھی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ مفتی اعظم کا یہ جملہ سن کر مولانا بشیر احمد علی گڈھی نے فرمایا: تو پھر آپ کس نتیجہ پر پہونچے؟ تو آپ نے فرمایا: بند کتاب بھی کھلی کتاب کی طرح پڑھی جاسکتی ہے، پھر استاذ گرامی مولانا بشیر احمد علی گڈھی نے جواباً فرمایا کہ آپ میں یہ صلاحیت ضرور ہونی چاہیے، کیوں کہ آپ پر غوث اعظم کا سایۂ رحمت ہے'' (۱۱)

کل جسے ملت کی کتاب ہستی کا بند ورق سیرت رسول عربی سے گلنار کرنا تھا آج ہی اسے وہ عقابی نگاہ بخش دی گئی تاکہ جب وہ وقت آئے تو کوئی دشواری نہ ہو، بلا جھجھک قوم کی چاک تقدیر کی رفوگری ہوسکے۔ دوران تربیت مفتی اعظم کی نگاہیں امکانات کی حدوں کو پار کررہی ہیں تو بعد تربیت کا عالم کیا پوچھنا، مولانا یٰسین اختر مصباحی گہر ریز ہیں:

''ہزاروں بدعقیدہ آپ کی صورت زیبا دیکھ کر، آپ کے تبلیغی جذبے سے متأثر ہوکر بدعقیدگی سے تائب ہوئے'' (۱۲)

حضور مفتی اعظم کے گلشن طفولیت کی سیر زیادہ دیر تک ہم اس لئے کرتے اور کراتے رہے تاکہ ان کی صبح زندگی کی تجلیات سے عمل کے نصف النہار کا اندازہ لگانا آسان ہوجائے اور اس طرح ان کی شام حیات کے رنگارنگ فیوض وبرکات کو تسلیم کرنے میں کسی کو کوئی تأمل نہ ہو، ظاہر ہے جس کی تعمیر سیرت اور تشکیل شخصیت اتنے اہتمام سے ہوئی ہوا سے اپنے زمانے کا امام برحق ہونا ہی چاہیئے، ایک طرف اعلیٰ حضرت کی تمنا ان کے کردار کا گیسو سنوار رہی تھی، تو

دوسری طرف حضرت نوری میاں کی نوری دعا ان کی روش و رفتار کو گل وگلزار بنا رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا تھا کہ امام اہل سنت کی نیابت کا بار اٹھانا، اور مجدد دین وملت کی گونا گوں ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہونا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ ان کے لئے فکر ونظر کے شجر طوبیٰ کی نازک شاخوں تک رسائی کے ساتھ علم وعمل کے ہمالہ کی چوٹی سر کرنا ضروری تھا۔ بعد کے حالات نے مفتی اعظم کو جیسا دیکھا اور جیسا پایا، دو ٹوک فیصلہ سنا دیا کہ تاجدار اہل سنت صرف مفتی اعظم کی ذات ہے، ان کے متنوع جلوؤں سے صرف نظر کر کے اس نشست میں ہمیں صرف ان کا دعوتی اور تبلیغی جلوہ دیکھنا ہے، آج سنیت جس شان، بان، آن کے ساتھ نظر آ رہی ہے، اور جہاں جائیے سنی چہرہ جو جگمگاتا مسکراتا نظر آ رہا ہے وہ مفتی اعظم کی شبانہ یومیہ انتھک محنت کا خوبصورت ثمرہ ہے، شجر سنیت کی ڈالی ڈالی، پتی پتی پر حضور مفتی اعظم کا خلوص مرتسم ہے...... اللہ کے بندوں کو سچا بندہ ...... اور رسول پاک کے امتی کو وفادار امتی دیکھنا اور بنانا مفتی اعظم کی اولین ترجیحات میں تھا...... وہ ایسے داعی دین اور مبلغ مذہب تھے کہ دعوت وتبلیغ کے لئے ان کے یہاں کوئی وقت متعین نہیں تھا...... ان کی دعوت دینی کا دروازہ چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا...... وہ جہاں بیٹھ جاتے دعوت کے ابر باراں اور تبلیغ کے موسم بہاراں سے پوری فضا جل تھل اور نہال ہو اٹھتی...... وہ جدھر چل دیتے ہدایت کا قافلہ ساتھ ہو جاتا...... وہ جدھر رخ کر دیتے بدکرداری کی بنجر زمین پر خوش کرداری کے پھول کھل اٹھتے...... اگر کچھ بول دیتے تو قال اللہ وقال الرسول کی خوشبو سے گرد وپیش معطر ہو جاتا...... وہ تو چلے آتے مگر گاؤں کا نصیبہ چمک اٹھتا...... شہر کا مقدر سنور جاتا...... صرف ان کی تعویذی دعوت سے جتنوں کی دنیا بدلی اور بھلا ہوا ہے اوروں کی برسوں کی جانکاہی بھی اتنا نہیں کر پاتی، لوگ گھنٹوں چیخ وپکار کر بھی دعوت وتبلیغ کا وہ حق نہیں ادا کر پاتے جو ان کی خاموشی کر دکھائی تھی۔ حضور مفتی اعظم اسلام کے لئے پیدا ہوئے، اسلام کی تبلیغ میں زندگی بسر کی، تبلیغ اسلام کو پیشہ نہیں فریضہ ہی سمجھا، اور اس فریضہ کو اس طرح ادا کیا جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب تھا۔ آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین اسلام کی سربلندی وسرفرازی قرار دیا تھا جس کو حاصل کرنے کے لئے ہمہ اقسام کی قربانیاں دیں، اور جادۂ ابتلا وآزمائش میں کبھی بھی مالی منفعت کو پسند نہیں کیا۔

ڈاکٹر علاؤالدین خاں بریلی کالج بریلی تحریر فرماتے ہیں: ”حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی حیات ظاہری میں جو عظیم کارنامے اسلام اور ملت اسلامیہ کی فلاح وبہبود کے لئے انجام دئے ہیں ان کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، آپ نے اپنی طویل عمر اطاعت اللہ عزوجل اور اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کی، عملاً یہ ثابت کر دیا کہ اسلام آج کے سائنسی دور میں بھی قابل عمل ہے...... حضور مفتی اعظم ہند کی پاکیزہ ومطہرہ، تقویٰ وورع میں رچی بسی حیات مقدسہ جدید تہذیب کے ہفوات کے بطلان کے لئے بہت کافی ہے، کیوں کہ مفتی اعظم ہند جدید تہذیب کے مسلمہ معیار سے مستغنی تھے۔“ (۱۳)

حضور مفتی اعظم ہند کی نظر میں معیار بس ایک ہی تھا اور وہ ہے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت کا

معیار، اس معیار سے محبت، اور اس پر ہر ہر سانس عمل آوری نے آپ کی ہر حرکت کو قوم مسلم کے لئے معیار بنا دیا، ان کی ادائیں دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے تھے کہ فرمان رسول اس بابت یہی ہے، پھر کسی کتاب کو کھولنے اور ماخذ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت کو جیسا کرتے، یا کہتے، دیکھ، یا سن لیا، یقین بولتا تھا کہ کتاب وسنت میں ایسا ہی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ محمد مدنی میاں صاحب رقمطراز ہیں:

''بخاری ومسلم کا سننے والا جس یقین واذعان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سنے اسی یقین واذعان کے ساتھ حضور مفتی اعظم ہند کو دیکھنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ کہے ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتی پھرتی تصویر دیکھی ہے۔'' (۱۴)

حضور مفتی اعظم معرکۂ دعوت وتبلیغ میں

دعوت وتبلیغ کا کام جان جوکھم کام ہے، یہ راہ صبر وتحمل کی راہ ہے، اس راہ میں سب سے پہلے خود کو آئینہ بنانا پڑتا ہے، تب دعوت وہدایت کی برکت سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ بھی شگفتہ اور درخشاں ہوتی ہے، یہ ٹھیک ہے یہ انبیاء علیہم السلام کی خدمات کا ورثہ بلکہ تتمہ ہے، مگر قدم بڑھانے سے پہلے اپنے آپ کو تولنا پڑتا ہے، کہ یہ راہ پھولوں کی سیج سے نہیں کانٹوں کی باڑھ سے گزرتی ہے، اسی لئے ہمارے اسلاف نے ان پانچ چیزوں کو اس کی لازمی شرط قرار دیا ہے (۱) علم نافع، (۲) عمل صالح، (۳) اخلاص فکر، (۴) عشق مصطفیٰ، (۵) اور خوف خدا۔ یہ تمام سنگ میل بھی ہیں، یہ راستے کے نشیب وفراز سے بھی آگہی بخشتی ہیں، یہ کامیابی وسرفرازی کا یقین بھی دلاتی ہیں، یہ نشان منزل بھی بنتی ہیں اور داعی ومبلغ اب سب کے خمار سے سرشار ہو جاتا ہے تو منزل مقصود بن کر ہم آغوش ہو جاتی ہیں۔ امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاکر علی نوری اپنے تلخ وشیریں تجربات کا نچوڑ یوں بیان کرتے ہیں:

''ایک کامیاب مبلغ بننے کے لئے ضروری ہے کہ جہاں وہ ایک طرف ذاتی طور پر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند، باکردار، اور نیک ہو، وہیں دوسری طرف اس کے اندر وہ صفات بھی موجود ہوں جو اسے اس قابل بنائیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ رہ کر ان نیک صفات کو اپنے کردار کے ذریعہ دوسروں میں منتقل کر سکے، دعوت کے راستے میں یہ بہت اہم ضرورت ہے، اس لئے کہ وہ شخص دعوت و تبلیغ کے میدان میں، صحیح معنوں میں قدم نہیں رکھ سکتا، اور نہ ہی کامیابی سے ہمکنا ہوسکتا ہے جو خود اپنے کردار میں اچھا نہ ہو۔'' (۱۵)

حضور مفتی اعظم ہند جب محاذ آرائے دعوت وتبلیغ ہوئے ہیں، پہلے انہوں نے بڑی باریک بینی سے سماجی منظر نامہ کا جائزہ لیا اور جزئیات اکھٹا کیا ہے، قومی مسائل معاشرتی مصائب، ملی نقائص، اور عملی غفلت وتساہل کا تحلیل وتجزیہ کیا ہے، اسباب خواری وذلت کا محاسبہ کیا ہے، پھر اتنی تحقیق وتنقید کے بعد آپ جس نتیجے پر پہونچے ہیں اس کی نقاب کشائی یوں کرتے ہیں:

میں مدتوں سرگرداں رہا اور اس مسئلہ پر غور کرتا رہا کہ مسلمان باوجود اسلام کے پستی وتنزل، اور قعر مذلت وتزلزل میں کیوں ہیں، میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ جو کچھ ہے اپنا ہی کرتوت ہے، جو بویا وہ کاٹ رہے ہیں، جو مصیبت ہم پر آئی یا آئے گی، وہ سب اپنے ہی ہاتھوں لائی ہوئی ہے یا ہوگی، ہاں، ہاں، اوامر الٰہی سے غفلت کا پھل، اور احکام شریعت حضرت رسالت پناہی سے بے پروائی کا ثمرہ ہے......سچ کہو آج کل مسلمانوں کی یہ حالت نہیں کہ اعمال تو اعمال عقائد سے بھی خبردار نہیں، جیسے انہیں ان سے کچھ سروکار نہیں، اور امر کی بجا آوری سے اجتناب ونفرت، نواہی کا ارتکاب بہ رغبت......آج مساجد نمازیوں کی کثرت کی بجائے قلت سے تنگ، رمضان مبارک روزہ داروں کی تلاش میں دنگ......آپس میں وداد وخلوص ورشک واتفاق کی جگہ بغض وحسد وشقاق ونفاق کی گرم بازاری، غیروں سے میل جول پیار ومحبت دیاری، کافروں مشرکوں سے ریت ہے، ملحدوں سے پیت''(١٦)

یہ حضور مفتی اعظم کا کمال ہے کہ دعوت وتبلیغ کے صحرا کو بھی آپ نے قدم رنجہ فرما کر گل گلزار کر دیا، اور کام نہیں کارنامہ انجام دیا ہے، سطور بالا کی سطر سطر ایک سچے داعی اور مخلص مبلغ کا پیغام نشر کر رہی ہے، ان سطور میں مرض کی تشخیص بھی ہے، دوا کا انتخاب بھی اور پرہیز وہدایت بھی، اگر مسلمانوں نے حضور مفتی اعظم ہند کی دعوت وتبلیغ پر دھیان دیا ہوتا، تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے جو ٹالے نہیں ٹل رہے ہیں، پھر تو سر بلندی ہی ہمارا مقدر ہوگی، حضور مفتی اعظم وہ تھے جن کا دل ملت کے درد میں دھڑکتا تھا، انہوں نے ملی فیروز مندی اور قومی سرخروی کے لئے اپنے آپ کو تج دیا تھا، بعض مواقع ایسے بھی آئے جہاں قوم کا وقار داؤ پر لگا تھا، صاحبان ہمت کی ہمت جواب دے گئی تھی مگر مفتی اعظم کی ہمت مومنانہ نے معرکہ سر کر کے ہی دم لیا، دعوت وتبلیغ کے حوالے سے ان عظیم کارناموں میں دو عظیم تر کارنامے جس کا خوب چرچا کرنے کی ضرورت ہے، ایک ہے لاکھوں مرتدوں کو مسلمان بنانے کا کارنامہ اور دوسرا ایمر جنسی کے بھیانک ماحول میں دعوت حق کا کارنامہ، مگر آیئے پہلے روزمرہ کی زندگی میں، چلتے پھرتے حالات میں، اٹھتے بیٹھتے ماحول میں ان کی دعوت وتبلیغ کے چند شاہکار سے اپنے ذوق جستجو کی تسکین کرلیں۔ ان چھوٹے موٹے واقعات میں مبلغ کی درد بھری پکار بھی ملے گی اور مجاہد کی مجاہدانہ للکار بھی...... داعی کا سوز بھی ملے گا......اور ہادی کا گداز بھی......محقق کی رفوگری بھی ملے گی......اور نقاد کی بخیہ دری بھی......ان میں صوفی کا اضطراب بھی ملے گا......اور مولوی کا اطمینان بھی ......بغیر کسی کے تبصرہ وتجزیہ کے اصل گنج گراں مایہ ہم ناظرین کی نذر کرتے ہیں:

✪ ''ایک بار رام پور سے بریلی شریف کار سے تشریف لے جارہے تھے، کسی نے دوران گفتگو کسی پنجابی کو سردار جی کہہ دیا تو حضرت نے سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، سردار تو بس ایک ہی ہیں، سکھ کہو پنجابی کہو''

✪ ''کوٹہ کے ایک صاحب بڑے گھن گرج کے ساتھ

تقریر کر رہے تھے، دوران تقریر انڈیا گورمنٹ، کی تعریف میں کہنے لگے، ہماری سرکار، حضرت مفتی اعظم قبلہ اسٹیج پر موجود تھے، فوراً ٹوکتے ہوئے فرمایا: گورمنٹ کہو، سرکار تو بس ایک ہی ہے مدینہ کی سرکار''

✪ ''الہ آباد میں ایک صاحب تعویذ لینے کے لئے حضرت کی خدمت میں آئے، حضرت نے جب ان کی طرف تعویذ بڑھادیا، تو انہوں نے لینے کے لئے اپنا بایاں ہاتھ بڑھایا، یہ دیکھ کر حضرت سخت برہم ہوئے اور فرمانے لگے، کیا آفت آگئی کیسے لوگ گلا کھلا رکھتے ہیں، ٹوپی سر پر نہیں رکھتے، بایاں ہاتھ بڑھاتے ہیں، صبح وشام داڑھی منڈانا، بس صبح وشام داڑھی صاف کرانا ان کا معمول بن گیا ہے، اور اپنے گھروں میں برکت تلاش کرتے ہیں، بے برکتی کی شکایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد تعویذ دے کر کر فرمایا، ہر نماز کے بعد یہ پڑھو اللہ تعالیٰ برکت دے گا، اس تنبیہ کا اتنا اثر ہوا کہ ان صاحب نے داڑھی رکھ لی، اور نماز بھی پڑھنے لگے''

✪ ''ایک مرتبہ بہار میں حضرت کی موجودگی میں ایک مولانا صاحب تقریر فرما رہے تھے، دوران تقریر ''گیا'' کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کسی بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے گیا کے بد نصیب مسلمانو! حضرت نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا مسلمان بد نصیب نہیں ہوتا، یوں کہوا ے مسلمانو! مولانا صاحب نے کچھ تاویل کرنی چاہی کہ میری یہ مراد تھی، وہ تھی، اس پر فرمایا: کچھ نہیں مسلمان بد نصیب نہیں ہوتا، پھر مولانا صاحب نے وہ لفظ چھوڑ دیا''

✪ ''بریلی میں ایک جگہ حضرت دعوت کے لئے تشریف لے گئے، جیسے ہی حضرت بیٹھے ایک صاحب کوٹ پتلون پہنے ہوئے، سامنے آئے، جن کی داڑھی صاف تھی، حضرت نے مصافحہ فرمایا، اس کے ساتھ ہی معلوم کیا نام کیا ہے؟ انہیں نے عرض کیا حبیب احمد، حضرت نے برجستہ فرمایا، نام حبیب احمد اور شکل یہ، **لاحول ولا قوة الا باالله العلی العظیم**

✪ ''ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرما رہے تھے، ڈبہ میں کسی غیر مسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا، آپ نے فرمایا! میاں کھانا داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں، اس نے جواب دیا، بابا میں مسلمان نہیں ہوں، حضرت نے فرمایا، ارے مسلمان نہیں ہو، انسان تو ہو'' (۱۷)

✪ ''ایک دفعہ دوا پٹو ڈیٹ، بے پردہ مسلمان عورتیں ساڑی میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لئے آئیں، آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اٹھائی، تو نگاہ ان پر پڑگئی، فوراً رخ پھیر لیا، اور سر نیچا کئے ہوئے لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے، انداز کچھ نرم اور بے حد تحسّر آمیز تھا، گویا انہیں دلی تکلیف پہونچی ہو، جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا، نہ اللہ ورسول کے حکم کا خوف، نہ اپنے طرز معاشرت کی پروا، نہ انجام کا خیال، اتنی دور سے تنہا عورتیں چلی آئیں، ساتھ میں کوئی محرم نہیں، اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس مسلمانون کا نہیں ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں، ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثے میں مر جائیں تو یہ کیسے پتہ چلے کہ مسلمان ہیں، خیال فرمایئے نہ مٹی نہ جنازہ، یونہی پھونک دی جائیں گی، یہ سب وبال ہے اللہ ورسول کی حکم کے خلاف ورزی کا، وہ عورتیں اپنی حالت پر

اس دعوت حق سے بے حد شرمسار ہوئیں“

✪ بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اپنی سرگزشت بیان کرتے ہیں: گیا کے جلسے میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا، رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نورا استعمال فرمایا، واپسی پر راستہ میں آپ نے فرمایا، رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کا لفظ استعمال فرمایا، اگر کہیں قرآن وحدیث میں یہ لفظ ذات باری تعالیٰ کے لئے آیا ہوگا تو اس کا بولنا صحیح ہوگا، ورنہ نہیں، اس امر کی تحقیق کر لیجئے گا، آج پندرہ بیس سال ہوگئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں، مجھے تو ایسا کوئی محل استعمال نہ ملا“ (۱۸)

✪ ”۱۹۷۲ء حیدرآباد دکن کی مشہور خانقاہ یحیٰ مسکن، قاضی ٹولہ میں حضرت مولانا سید محمد قادری کے کمرے میں حضور مفتی اعظم ہند تشریف فرما تھے، حیدرآبادی علما ومشائخ بھی زینت محفل تھے مختلف علمی موضوعات پر تبادلۂ خیال ہو رہا تھا، اچانک حضور مفتی اعظم ہند کی نگاہ سامنے کی دیوار کی طرف اٹھی، اور آپ نے استغفر اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے ہوئے سر نیچے جھکایا، حاضرین دم بخود تھے، کہ آخر ایسا بار بار کیوں ہو رہا ہے، اسی عالم میں حضور مفتی اعظم ہند کی آواز گونجتی ہے، کس نے اس کو لگایا ہے، اتارو پھینکو، اب جو دیکھا گیا تو اوپر طغریٰ آویزاں ہے، جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے:

اچھے تو بخشے جائیں گے گنہگار منہ تکیں
اے رحمت خدا تجھے ایسا نہ چاہئے

آپ نے ارشاد فرمایا: رحمت خدا کے ساتھ ایسے نازیبا کلمات کا استعمال جائز نہیں، اس لئے صاحب خانہ مولانا سید محمد قادری اس سے توبہ کر لیں، چاروناچار صاحب خانہ نے طغریٰ کو نیچے اتارا، پھر اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت وپشیماں کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں توبہ بھی کی، اس کے بعد حضور مفتی اعظم ہند نے التماساً کہا آپ لوگ گواہ رہیں میں بھی توبہ کرتا ہوں، حاضرین محو حیرت ہیں!!! آپ نے ازالۂ وسوسہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: تحریر کا ادب چاہیے، اس شعر میں چوں کہ رحمت خدا کا لفظ بھی شامل ہے جس کا ادب ہر لحاظ سے ضروری ہے، اور اس کے لئے میری زبان سے اتارو پھینکو کا جملہ نکل گیا ہے جو خلاف ادب ہے، اس لئے آپ حضرات کو گواہ بنا کر میں بھی توبہ کرتا ہوں، پھر فرمایا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (۱۹)۔

شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ، اپنی آپ بیتی بیان فرماتے ہیں، ”کلکتہ کے سفر میں یہ قصہ درپیش ہوا کہ ”فوجی“ آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے، ایک فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیدہ مریم عذرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کردی جو یہودی اور قادیانی کرتے اور بکتے ہیں، حضرت نے سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا، کہ کیا بکتا ہے، یہ جھوٹ ہے، افترا ہے، وہ بھونچکا رہ گیا، کہنے لگا میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں، پھر آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟ فرمایا: ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب واحترام اسی طرح کرتے ہیں جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا، میں تو ڈرا کہ

یہ وحشی درندے ہیں کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں، مگر ایک مردِ حق آگاہ کی ڈانٹ نے انہیں سہما دیا، اور مرعوب ہوگئے، یہی نہیں، اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔(۲۰)

حضور مفتی اعظم، حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے عرس میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے گئے تھے، کوچۂ چیلاں میں قیام کیا وہاں ایک بدعقیدہ ملا، آپ سے علم غیب کے مسئلہ پر الجھ پڑا، صاحب خانہ اشفاق احمد نے آپ سے مؤدبانہ گزارش کی، ''حضور یہ کج بحث ہیں، ان پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا'' حضور مفتی اعظم نے اپنے میزبان سے کہا، یہ اس وقت تمہارے گھر پر تشریف لائے ہوئے ہیں، ان کے متعلق تمہیں کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہیے، مولوی صاحب نے آج تک کسی کی بات سنی ہی نہیں، اس لئے اثر بھی قبول نہیں کیا، یہ تو صرف اپنی بات سناتے رہتے ہیں، اور وہ بھی ان سنی کردی جاتی ہے، آج میں ان کی بات توجہ سے سنوں گا، حاضرین بھی خاموشی سے سنیں، مولوی سعدالدین انبالوی نے سوا گھنٹے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، جب تھک خاموش ہوگئے، تو آپ نے فرمایا اگر کوئی دلیل تم اپنے موقف کی تائید میں بیان کرنا بھول گئے ہو تو یاد کرلو، مولوی صاحب پھر جوش تقریر میں آگئے اور پھر آدھا گھنٹے تک بولنے کے بعد کہا، پس یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، آپ نے فرمایا ''آپ اپنے باطل عقیدے سے فوراً توبہ کرلو، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ علم غیب عطا فرمایا تھا، آپ اس کے رد میں سب کچھ کہہ چکے ہیں جو کہہ سکتے تھے، اب اگر زحمت نہ ہو تو میرے دلائل بھی سن لیں، مولوی صاحب نے برہم ہوکر کہا، میں نے تم جیسے لوگوں کی ساری دلیلیں سن رکھی ہیں، مجھے سب معلوم ہے کہ تم کیا کہوگے، آپ بڑی تحمل سے کہا، ''مولوی صاحب، بیوہ ماں کے حقوق بیٹے پر کیا ہیں؟ میں غیر متعلق سوال کا جواب نہیں دوں گا، مولوی صاحب نے تیز آواز میں کہا، حضور مفتی اعظم نے کہا، اچھا تم میرے کسی سوال کا جواب نہ دینا، میرے چند سوالات تو سن لو... آپ کی بات سن کر مولوی صاحب بادل نخواستہ خاموش ہوگئے، تو آپ نے دوسرا سوال کیا، کیا کسی سے قرض لے کر روپوش ہوجانا جائز ہے؟ کیا اپنے معذور بیٹے کی کفالت سے دست کش ہوکر اسے بھیک مانگنے کے لئے چھوڑا جاسکتا ہے؟ کیا حج بدل کے اخراجات کسی سے لیکر حج...... ابھی آپ نے سوال مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ مولوی صاحب نے آگے بڑھکر قدم پکڑتے ہوئے کہا، بس کیجیے حضرت! مسئلہ حل ہوگیا، آج میری سمجھ میں بات آگئی کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو علم غیب حاصل تھا اور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس علم غیب ہونا ہی چاہیے، ورنہ منافقین مسلمانوں کی تنظیم کو برباد کردیتے، اللہ تعالیٰ جب آپ کو میرے متعلق ایسی باتیں بتادی ہیں جو یہاں کوئی نہیں جانتا، تو بارگاہ علیم سے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیا کیا انکشافات نہ ہوتے ہوں گے، مولوی صاحب اسی وقت تائب ہوکر مفتی اعظم کے مرید ہوگئے۔(۲۱)

یہ حضور مفتی اعظم کے سفر وحضر میں نجی مجلس میں دینی جلسہ میں کسی کے گھر دعوت میں اچانک ملاقات میں، برسے

ہوئے دعوت وتبلیغ کے آبگینوں کے چند نمونے ہیں، مطالعہ سیرت سے ایسے نوادرات کا ذخیرہ جمع ہوسکتا ہے، ان چند اقتباسات کی پہلی ملاقات میں جو چیز دل میں اتر جاتی ہے وہ ہے حضور مفتی اعظم کا دینی اخلاص، ملی درد، کسی کے گفتار و کردار سے اسلام کا کوئی قانون ٹوٹے، یا کسی کی زندگی میں اسلام کا کوئی اصول چھوٹ جائے، یہ مفتی اعظم کو گوارہ نہیں تھا، پیش آمدہ شخص چاہے کوئی بھی ہو، عامی ہو کہ عالم، امیر ہو کہ فقیر، دوست ہو کہ دشمن، سنی ہو کہ وہابی، شناسا ہو کہ اجنبی، خلاف شرع دیکھنے سننے پر برملا مفتی اعظم ٹوکتے، اصلاح فرماتے، موافق شرع کرنے، بولنے، زندگی گزارنے کی دعوت دیتے، ان کی دعوت میں خلوص سے مملو ایسی ہدایت، اوران کی تبلیغ میں اپنائیت کی ایسی تائید ہوتی کہ آدمی گردن جھکا دیتا، نہ کوئی قیل وقال، نہ کوئی دلیل، حجت، ان کے ایک ہاں یا نا پر پوری تھیوری بدل جاتی تھی، نظام عمل کا نقشہ تبدیل ہوجاتا تھا، انہیں چوں کہ مفتی اعظم کا لقب مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی نے دیا تھا۔(۲۲)

اس لئے وہ علی الاطلاق اپنے دور کے مفتی اعظم تھے، اوراسی لقب سے عالم آشکار میں، علاوہ ازیں خود انکی تخلیق بھی افتاء کی فطرت پر ہوئی تھی، جیسا کہ فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمان صاحب، حضور مفتی اعظم کی شان فقاہت کا جامع تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے حضور مفتی اعظم کے نفس کے اندر فقاہت ودیعت کردی تھی، قدرت نے ان کو مقصد شرع کے ادراک کی ایسی قوت عطا فرمائی تھی جسکی وجہ سے وہ الفاظ کے ذریعہ معانی تک پہونچنے کی کوشش کرتے تھے، بلکہ ان کے دل پر معانی کا القاء ہوتا تھا، جسکی تفسیر کے لئے وہ الفاظ کو استعمال میں لاتے تھے۔''(۲۳)

اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور مفتی اعظم کے مجموعہ فتاویٰ (فتاویٰ مصطفویہ) سے دعوت وتبلیغ کے چند نگینے پیش ہوں تاکہ قارئین ان جلوؤں سے بھی، آنکھیں ٹھنڈی جگر تازے جائیں سیراب کرسکیں، نہایت ایجاز واختصار کے ساتھ چند نظیریں نذر ہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اللہ عزوجل پر ہی خدا کا اطلاق ہوسکتا ہے، اورسلف سے لیکر خلف تک ہر قرن میں، تمام مسلمانوں میں بلانکیر اطلاق ہوتا رہا ہے، اور وہ اصل میں ''خود آ'' ہے جسکا معنی ہیں وہ جو خود موجود ہو، کسی اور کے موجود کیے موجود نہ ہوا ہو، اوروہ نہیں مگر اللہ عزوجل ہمارا سچا خدا۔(۲۴)

سوال: اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ، اللہ عزوجل، اللہ جلالہ، اللہ سبحانہ، اللہ عز شانہ، وغیرہ کہنا چاہیے، میاں نہ کہنا چاہیے، عوام میں یہ لفظ بولا جاتا ہے، اس سے انہیں احتراز کرنا چاہیے، تفصیل کیلئے احکام شریعت دیکھیں، اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مفصل تحریر فرمایا ہے، گناہ نہیں مگر یہ لفظ اس کی جناب میں بولنا برا ہے، اس کی شان وعزت کے لائق نہیں۔(۲۵)

سوال: ''ایک جلوس راج گدی کا اہل ہنود نکالنا چاہتے ہیں جس میں ہندو اوتاروں کی صورت میں انسان بٹھائے جاتے ہیں، اور مجمع عام اہل ہنود کا اس کے ساتھ ہوتا ہے، مسلمانوں سے اصرار کیا جاتا ہے کہ وہ بحالئی امن، اور رشتہ اتحاد مظبوط

کرنے کے لیے اس جلوس کے جلو میں چلیں، کیا اس حالت میں مسلمان بلد ارتکاب گناہ کئے ہوئے اس جلوس کی معیت میں چل سکتے ہیں؟

جواب: اس کے حرام، حرام، حرام، اشد حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں، کفار کے ایسے کاموں کے محض تماشہ کے لئے وہاں چلنا تو حرام ہے، نہ کہ رشتہ اتحاد قائم کرنے کے لئے، کفار سے رشتہ اتحاد کفار ہی کا ہے، مسلمان کا کسی کافر سے رشتہ اتحاد قائم نہیں ہوسکتا...... جولوگ اس نیت سے شریک ہوئے وہ ضرور کفار سے متحد ہوگئے، اسلام سے جدا، ایسے امور کفار کے جلوس میں شرکت ہی نہیں، اس کے جلوس میں چلنا ان کی تعظیم ہے، اور ان کے ایسے امور کی تعظیم سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم، چاہے یہ تعظیم خود کی ہو یا حکماً، آج اگر کسی حاکم کا حکم اس کے لئے مان لیا گیا اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھ لیا ہے، تو کل بتوں کو سجدہ کا بھی حکم ہوگا، اور ایسے بے خرد لوگ جب بھی تعمیل حکم کرینگے اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھیں گے، ولا وحول ولاقوۃ الا باللہ، یہی لوگ ہیں جنہوں نے ایسی ایسی کمزوریاں نمایاں کرکے اسلام کو نظر کفار میں معاذ اللہ ذلیل کیا ہے۔'' (۲۶)

سوال: زید کہتا ہے کہ ہندو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں اور ہم کعبہ میں جاکر پتھر کو سجدہ کرتے ہیں، اور ہندو پتھر پر پانی پھول چڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ پھول، پانی مہادیو کو پہنچاتا ہے، اور ہم کعبہ میں جاکر کنکریاں مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیطان کو چوٹ لگتی ہے، پھر ہم میں، اور ان میں کیا فرق ہے؟

جواب: کوئی مسلمان کعبہ کو سجدہ نہیں کرتا، جہت کعبہ، سجدہ خدا کو کرتا ہے، کافر بتوں کو سجدہ کرتا ہے، ان کی پرستش و بندگی و عبادت کرتا ہے، کعبہ جاکر پتھر کو سجدہ کرنا مسلمانوں پر محض افتراء ہے، جیسے کعبہ سے دور سمت قبلہ سجدہ ہوتا ہے، یوں ہی وہاں جاکر عین قبلہ کا استقبال کیا جاتا ہے، سجدہ یہاں وہاں سب جگہ خدا ہی کے لئے ہوتا ہے، کیا کوئی ادنیٰ سمجھ والا بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں مسلمان مسجد کی دیواروں کو سجدہ کرتے ہیں اور جو مسجد میں نماز نہیں پڑھتے وہ گھر کی دیوار کو سجدہ کرتے ہیں، مسجود الیہ کو مسجود لہ ٹھہرا کر فرق اسلام و کفر گنانا کیسی شدید بات ہے، وا احول ولاقوۃ الا باللہ۔ اس شخص پر توبہ فرض ہے، مسلمان رمی جمار محض امتثال امر کے لئے کرتے ہیں........... تو شیطان کے قلب پر کاری ضرب لگانے کے لئے، اس عدو اللہ کے ان مقامات پر جہاں وہ اللہ کے خلیل سے معترض ہوا مسلمان پتھر مارتے ہیں،...... دل پر چوٹ لگنے کے لئے جسم پہ پتھر لگنا ضروری نہیں، الخ۔ (۲۷)

سوال: زید کہتا ہے کہ میلا د شریف میں منبر اقدس پر بیٹھنے کے لئے عالم ہونا چاہئے، کیوں کہ علمائے کرام نائب رسول و پیشوائے دین ہیں، عوام الناس کے لئے بیٹھا روا نہیں؟ الخ

جواب: منبر ذاکرین کے لئے بچھایا جاتا ہے، اس سے تعظیم ذکر مقصود ہوتی ہے، ذاکر علماء بھی ہوسکتے ہیں اور وہ جاہل بھی جو علماء کی مستند کتب سے پڑھیں، باقی وہ لوگ من گھڑت موضوعات بکتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے آپ کو عالم بتائیں، ہرگز منبر کے مستحق نہیں، نہ وہ ان کی روایات کا ذبہ ذکر، نہ ان کا سننا جائز، ذاکرین میں بعض جماعتیں فساق و فجار پر بھی مشتمل ہوتی ہیں، ان فواسق کو منبر نہ دیا جائے، کہ تعظیم ذکر کے ساتھ ان کی بھی تعظیم ہوگی، اور فاسق کی تعظیم ناجائز و گناہ۔ الخ۔ (۲۸)

سوال: خاندان مداریہ کے سلسلے جاری ہیں یا سوخت ہیں؟

جواب: بے کار سوال کئے جاتے ہیں، نماز روزے وغیرہ ضروری مسائل تو پوچھے نہیں جاتے، یہ بیکار باتیں دریافت کی جاتی ہیں...... لوگ برابر اس سلسلہ میں بیعت کرتے، مرید ہوتے ہیں، انہیں یہ ثابت نہیں کہ یہ سلسلہ سوخت ہو چکا ہے، جن بزرگوں کو اس کی اطلاع ہے، انہوں نے ایسا تحریر فرمایا ہے، اس میں اس درجہ جاہلوں کو پڑنا کہ ایک دوسرے کا دشمن ہو جائے تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچ جائے ہرگز جائز نہیں، جو مداری سلسلہ میں ہوتے ہیں ان سے تعرض نہ کریں کہ اس بے کار بحث کا نتیجہ سوا فساد اور کچھ نہیں۔(۲۹)

سوال: ارواح مسلمان کی پاک ہیں یا ناپاک؟ اگر پاک ہے تو نار دوزخ کیسے جلائے گی؟

جواب: مسلمان کی روح نجاست کفر سے پاک ہے، مگر عاصی کو آلائش معاصی سے پاک کرنے کے لئے اسے اتنی مدت جہنم میں رہنا ہوگا، جب تک خدا چاہے، والعیاذ باللہ سبحانہ، وتعالیٰ اللھم اجرنا من النار۔ مسلمان کی روح کو ناپاک نہ کہنا چاہیئے، روح نہیں جلائی جاتی، نہ وہ جلنے کی چیز ہے، جسم جلایا جاتا ہے۔(۳۰)

سوال: دو پیر صاحبان ایک ہفتہ تک متصل مسجد فروکش رہے، مگر باوجودے کہ اذان و اقامت کی آواز برابر سنائی دیتی تھی مگر پیر صاحب نے کبھی مسجد میں جا کر نماز نہیں پڑھی، پیر صاحب کا شرعاً کیا حکم ہٗ؟

جواب: بلا وجہ شرعی جو تارک جماعت و مسجد ہو فاسق ہے، مگر جو نماز وہ گھر میں پڑھے گا ہو جائے گی، بے وجہ شرعی ترک جماعت و مسجد کا اس پر الزام ہوگا، مگر مسافر کہ اس کے لئے رخصت ہے، بہتر اس کے لئے بھی حاضری مسجد و جماعت ہے، مگر اس پر لازم نہیں، خصوصاً مقتداء و پیشوا اصحاب کے لئے ان کا ترک مسجد و جماعت محض بر بنائے سفر ہرگز مناسب نہیں، حد درجہ نامناسب ہے۔(۳۱)

سوال: ایک انجمن واسطے حقوق طلبی و تحفظ اسلام قائم ہوئی ہے، صرف ہنود راجہ و ہنود رعایا کے سامنے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا کام کرنے والی ہے، اس لئے اس میں بلا قید ہر فرقے کے کلمہ گو شامل ہو سکتے ہیں، کیا اس انجمن میں سنی، حنفی مسلمانوں کو شریک ہونا جائز ہے؟

جواب: اس کانفرنس میں شرکت برائے تحفظ حقوق اہلسنّت بمقابلہ فرق باطلہ و تحفظ حقوق اسلام بمقابلۂ اعدائے اسلام ضروری ہے، فرق باطلہ کے ساتھ و مجالست ناجائز و حرام ہے، جو بر بنائے محبت و موالات ہو، نیز وہ جو بے ضرورت و حاجت و مصلحت شرعیہ ہو، نہ وہ جو برائے تبلیغ ورد ہو۔(۳۲)

سوال: وہابی، نیچری، دیوبندی قادیانی، رافضی، شیعہ وغیرہم کے ساتھ رسم رکھنا، کھانا، پینا، کیسا ہے؟ جو لوگ ان سے ایسے معاملات رکھتے ہیں ان کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے؟

جواب: جو مرتدین ہیں نیچری ہیں، وہابی، دیوبندی، قادیانی، رافضی ان سے میل جول راہ و رسم کیسی، نری معاملت بھی حرام ہے، جو لوگ ان مرتدین کے عقائد کفریہ پر مطلع ہوتے ہوئے ان سے میل جول رکھتے ہیں حرام کار گنہگار ہیں، جس بدمذہب کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہنچی ہو جب اس سے میل جول ناجائز، تو ان مرتدین سے رسم و راہ کے کیا معنیٰ، بلکہ فاسق العقیدہ ہی نہیں فاسق العمل شخص کے پاس

بیٹھنے کی اجازت نہیں، جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ (۳۴)

سوال: مسلمان کو کافر کہنا کیسا ہے؟ بعض کہتے ہیں کسی کو برا نہیں کہنا چاہئے؟

جواب: مسلمان کو کافر کہنا بہت سخت شدید جرم عظیم ہے، خود اپنے اوپر بے وجہ کی تکفیر عود کرتی ہے، جو کہتے ہیں کسی کو برا نہ کہنا چاہئے، وہ اسی وقت تک کہہ رہے ہیں جب تک ان کا معاملہ نہیں، انہیں یا ان کے بھائی، یا کسی عزیز کو کوئی تم سے تو کہدے، بلکہ آپ سے تم کہہ دیں تو دیکھیں کہ کیسے آپ سے باہر ہوتے ہیں، قرآن و حدیث تو کافروں کو کافر فرمائیں اور یہ ایسا کہیں، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

تحریک شدھی سنگھٹن اور مفتی اعظم کا دعوتی جہاد

ایک وقت ہندستان کے مذہبی فلک پر، سیاسی کالی گھٹائیں ایسی بھی چھائی تھیں، جب اسلام کفر کے نرغے میں گھر رہا تھا، سو دو سو نہیں یا ہزار دو ہزار نہیں لاکھوں لاکھ مسلمان اسلام کا قلادہ اتار پھینکنے کے لئے تیار تھے، وہ اپنا کلمہ بھول چکے تھے، وہ اپنا نام بدل رہے تھے۔ ظاہر ہے اتنی بڑی تعداد کا اسلام سے برگشتہ ہو جانا حادثاتی طور پر اچانک نہیں ہوا ہوگا، منصوبہ بند طریقہ پر، برسوں منظّم محنت کی گئی ہو تب مطلوبہ اہداف حاصل ہوئے ہوں گے، حالانکہ مسلمان جسکی اپنے نبی سے اتھاہ محبت ضرب المثل ہے، جو دور ادبار اور گری سے گری حالت میں بھی اپنے اسلام اور اپنے اسلاف سے ٹوٹ کر الفت کرتے رہے ہیں، ایسی جانباز قوم کا اپنے مذہب سے پھر جانا ناقابل یقین حد تک حیرتناک ہے، مگر یہ زمینی حقائق ہیں، تاریخی شواہد بول رہے ہیں کہ ایسا ہوا ہے، جب ہم تاریخ کے رخ سے پردہ سرکاتے ہیں، تو بس یہ کہکر دل تھام لینا پڑتا ہے، کہ

''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''

اکبر بادشاہ نے اپنے دور اقتدار میں مختلف مذاہب کا آمیزہ تیار کر کے دین الٰہی کا ملغوبہ ہندستانیوں دیا تھا، اس کا نچوڑ صرف دو جملوں یہ تھا۔ ''سارے ادیان برابر ہیں سب کا یکساں احترام کرنا ہوگا''۔

''خوشی وغمی کی حالت میں، ہر ہندستانی کو ایک دوسرے کے شریک حال ہوکر متحدہ قومیت کا ثبوت دینا ہوگا'' گرچہ حضرت شیخ محقق عبدالحق دہلوی اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کی مساعی جمیلہ نے اس مفروضہ دین الٰہی کی کمر توڑ دی، مگر سسکیاں لے لے کر ہی سہی کہیں نہ کہیں اس کی روح زندہ رہی اسی لئے بعض حلقے میں اسکی اچھی پزیرائی اور اس کے اچھے اثرات تھے، اسی لئے اسلام کش کوئی نظریہ جب کبھی انگڑائی لیتا تو اس کا رشتہ صاف اکبری تحریک سے ملتا تھا، پھر وہی آواز، پھر وہی پیغا مکہ کامیابی سب کو ساتھ لیکر چلنے میں ہے، متحدہ قومیت ہی فلاح و بہبود کی کلید ہے، اکبر کے اس نعرہ کی گونج، انگریزی دور اقتدار میں کچھ صاحبان جبہ و دستار، سیاسی بساط کے کچھ ٹھکیدار کی حمایت سے پھر سنائی دینے لگی۔ فرق صرف اتنا تھا جلال الدین اکبر کی جگہ ''گاندھی'' کو بٹھا لیا گیا، اور ابوفضل وفیضی کی جگہ شیخ الہند، شیخ الاسلام اور امام الہند نے پر کر دی، اس وقت وہابی علما کا موقف یہ تھا کہ انگریزوں سے آزادی تو حاصل کی جائے لیکن ہندو لیڈروں کی سرکردگی میں ہندلیڈروں کی اندھی تقلید واقتدا میں وہ اتنے کھو گئے تھے

کہ کہاں کہاں ان سے اسلامی قدریں پامال ہو رہی تھیں اس کا کچھ بھی پاس وخیال نہ تھا، وہ صرف آقا بدلنا چاہتے تھے، گورے آقاؤں کی جگہ کالے آقا، اپنے اس انداز فداکاری پر وہ اتنے مصر تھے کہ پورے ہندستان میں بھونچال سا پیدا کر دیا گیا۔ یہاں پر یہ بھی یاد رہے کہ اکبر کے دین الٰہی کے لئے شیخ عبد الحق شرر و برق اور حضرت امام ربانی قہر آسمانی ثابت ہوئے، اور انگریزی دور کے اس متحدہ قومیت کے فتنے کے لئے امام احمد رضا سد سکندری بن کر کھڑے ہو گئے، امام احمد رضا نے اس شدت سے اس دین بیزار طوفان کا مقابلہ کیا کہ زور ٹوٹ کر رہ گیا (دیکھئے رسائل رضویہ جلد دوم) اپنے ان آقاؤں کی خوشنودی لوٹنے کے لئے ان حضرات نے وہ کچھ کیا کہ آج تک غیرت اسلامی سکتے میں ہے، گائے کی قربانی بند کروانے لگے ......گاندھی کی جے کے نعرے لگانے لگے......پیشانی پر قشقے کھنچوانے لگے......ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دیا......نجس مشرکوں کو خدا کی پاک مسجدوں میں بٹھایا گیا......تلقین کی گئی کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے......خود گاندھی کو اپنا امام مان کر اس کے احکام کی تعمیل کر ہی رہے تھے، مسلمانوں کو بھی کھلم کھلا ترغیب دینے لگے، برملا کہتے پھرتے تھے ہم کعبہ اور پریاگ کا فرق مٹانا چاہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ (۳۵) اعلان کرتے پھرتے کہ ملتیں اوطان سے بنتی ہیں، تبھی شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال کو کہنا پڑا؟

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
زدیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود برسر منبر کہ دین از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

مولوی حسین احمد کے علاوہ، مسٹر ابو الکلام آزاد، مولا ظفر علی خان ایڈیٹر روز نامہ ''زمیندار'' لاہور جیسے ذمہ دار لوگ گاندھی کی آندھی میں بہہ کر، بڑھ بڑھ کر اہل حرم کو سومنات کا راستہ دکھا رہے تھے، اخبار زمیندار نے یہاں تک لکھ ڈالا

'یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو
مگر ہم اس بت کافر کو رام کر لیں گے
بجائے کعبہ خدا آجکل ہے لندن میں
وہیں پہنچ کر ہم اس سے کلام کر لیں گے
جو مولوی نہ ملے گا، تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے

یہ سیاسی پس منظر وہ دردناک سانحہ ہے جس نے مذہب اسلام پر کاری ضرب لگایا، شوکت اسلام ہندستانیوں کی نظر میں گھٹایا، مسلمانوں کے اذہان سے عظمت دین نکالا، اور کافروں، بدمذہبوں، ملحدوں سے انس و لگاؤ کو قلوب میں جگہ دیا، لوگوں نے دیکھا جب بڑے بڑے صاحبان جبہ و دستار......سخنور و مضمون نگار......ادیب خطیب شعلہ بار، یہی کہہ رہے ہیں، یہی کر رہے ہیں، تو ہم کس گنتی میں ہیں۔

''چلو ادھر ہوا جدھر کی''

دوسری طرف شدھی تحریک کے ذمہ داروں نے دیکھا تاوا گرم ہے روٹی سینک لینی چاہیے......ماحول سازگار ہے سکہ اچھال دینا چاہیے، انہوں فورا اپنی تحریک کو دو آتشہ کر دیا، نتیجہ یہ کہ گاؤں کا گاؤں ظلمت کفر میں ڈوب گیا۔ یہ حالات کیوں پیدا ہوئے، حضور مفتی اعظم ہند جو ان سارے

حالات کے چشم دید گواہ ہیں، نے بھی روشنی ڈالی ہے، اور خوب ڈالی ہے۔

”آج یہ فتنۂ خبیثہ ارتداد، تمہارے اس نامراد اتحاد اورمحبت، وداد غلامی وانقیاد کا نتیجہ ہے، سچ کہو کیا پہلے بھی کسی نام کے مسلمان کو بھی ہندو ہوتے دیکھا ہے، اللہ اکبر دھونی پرشاد اور یہ ہمت، گھاس کے کھانے والوں میں یہ جرئت، مدعیان اسلام تم نے انہیں جری کیا، تم نے انہیں ہمت دلائی، تم نے انہیں دلیر بنایا، ہاں، ہاں، تم نے انہیں دلیر بنایا، ہاں ہاں تم نے انہیں ابھارا، نہ تم ان پر ایسے ہوش کھو کر فدا وثار ہوتے، نہ وہ غافل پا کر تمہارے شکار کو تیار ہوتے۔“ (۳۸)

یہ بھید صاف کھل گیا کہ گندم نما جو فروش، دوست نما دشمنوں کی عاقبت نا اندیشانہ حرکتوں نے جذبۂ اسلامی، اور ولولہ مسلمانی کو کمزور کیا، جس سے شدھی سنگٹھن تحریک کو بڑھاوا ملا، اور کام کر گزرنے کا موقع ہاتھ آیا۔

شدھی تحریک کا مختصر سا تاریخی تعارف یہ ہے کہ، سوامی دیانند نے ۱۰ اپریل ۱۸۷۵ء کو بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی، ۱۹۱۱ء میں اسی آریہ سماج کے بطن شدھی تحریک کا جنم ہوا، اس ذیلی شاخ کا مقصد تھا مسلمانوں کو زک پہونچانا، اور سیکڑوں برس پہلے مسلمان ہونے والے راجپوتوں کو دوبارہ ہندو دھرم میں شامل کرنا، اس تحریک کے وجود میں آتے ہی اس کی غرض وغایت کی تکمیل اور مطلوبہ مقاصد کی تحصیل کے لئے ہندو پونجی پتیوں نے اپنے تجوریوں کے منہ کھول دیئے، پھر کیا تھا شدھی تحریک پورے کر وفر کے ساتھ میدان عمل میں کود پڑی، قسم ہا قسم کے ساز وسامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کیلئے عازم سفر ہوگئی، قوت قہری کے ساتھ، عمدہ عمدہ باجے، اچھے اچھے گانے والی پری پیکر لڑکیوں کے ساتھ مسلم علاقوں کا دورہ شروع کر دیا، نرمی سے اگر بات بن گئی تو ٹھیک ہے، ورنہ مظالم کے پہاڑ بھی توڑے جانے لگے، مذکورہ الصدر سیاسی بازیگروں، اور دینی سوداگروں کو مثال میں پیش کر کے ان کی حرکات وسکنات کو شواہد بنا کر اسلام سے پھر جانے کا حکم دینے لگے..... علامہ شرف الدین جائسی حقائق نگار ہیں:

”آج میدان ارتداد میں منشی رام شردھا نند کا فوٹو جو جامع مسجد دہلی میں، اس کے منبر پر بیٹھے ہوئے اور لکچر دینے کا لیا گیا ہے، ملکانوں (راجپوتوں) کو دکھا دکھا کر مرتد کیا جا رہا ہے، شرم، شرم، شرم“ (۳۹)

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں کہیں کوئی آواز نہیں، کہیں کوئی احتجاج نہیں، کہیں کوئی ان مسلمانوں کا ہمدم ودمساز نہیں، مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں، تمام خانقاہوں میں جمود طاری تھا، سارے مسلمانوں کا مقتدا بننے والے چپ سادھے بیٹھے تھے، مگر جیسے ہی حضور مفتی اعظم کو آریوں کی کاروائیوں کا علم ہوا، اور ملک میں یہ خبر گونجی کہ ساڑھے چار لاکھ مسلمان راجپوت، جو آگرہ، میرٹھ، اور دہلی کے اضلاع میں رہتے ہیں، اس بات پر تیار ہیں کہ پھر سے ہندو دھرم اختیار کرلیں، یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی حضور مفتی اعظم بیچین ہو گئے اور فورا ہی اس فتنے کی سرکوبی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اولاً ۷ جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۳ء کو رام پور ”دبدبۂ سکندری“ اخبار کے دفتر پہونچے اور اخبار کے

ذریعہ ذمہ دار مسلمانوں کو اس فتنے کے تعلق سے متنبہ کرایا، بعدہ بریلی شریف میں ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کی میٹینگ لی، اور کیسے کیا کرنا ہے سب کچھ طے کرنے کے بعد دس افراد کے قافلے کے ساتھ اپنی منزل کی جانب روانہ ہوگئے، میرٹھ سے اپنے دورہ کا آغاز فرمایا، آگرہ کو جماعت رضائے مصطفیٰ کا مرکز بنایا، اور تحریک کے زد میں جتنے بھی علاقے آئے مثلاً آگرہ، متھرا، میرٹھ، بلند شہر، بھرت پور، علی گڑھ، ایٹہ، گوڑ گاؤں، اٹاوہ، اود ے پور، میواڑ، جے پور، وغیرہ سب میں اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ و دیگر مبلغین نے آریہ سماجیوں کا بھرپور مقابلہ کیا۔ اور اپنے مسلم بھائیوں کے ایمان بچانے کی دینی اخلاقی خدمت میں ڈوب گئے، یہ کام پتھر کا چنا چبانے سے زیادہ سخت تھا، فرداً فرداً لوگوں سے ملنا، اور ان کی آپ بیتی سننا، ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں رکھنا، اور اسلام کی طرف مائل کرنا، پھر اسلام پیش کرنا اگر مان گئے تو ٹھیک ہے، ورنہ ان کی سخت وسست سننے کے لئے تیار رہنا، اس میں بات بڑھنے اور بگڑنے کے خطرات سے دو چار رہنا، اور پھر یہ شخص واحد کا معاملہ نہیں تھا، (جیسا کہ پیچھے گزرا) اس کے پیچھے پوری تنظیم لگی ہوئی تھی، پورا نیٹورک تھا جو حالات کی کڑی نگرانی کر رہا تھا، گویا کہ اس راہ میں قدم رکھنا اس جمعیت کو چیلنج کرنے کے مترادف تھا، پھر ان نا ہنجاروں کی طرف سے کچھ بھی ہو سکتا تھا، اتنے سامان ستم تھے اور یک جانب عندلیب، حضور مفتی اعظم ہند نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ خود آگرہ میں آرام فرماتے اور مبلغین کو دوسرے مقامات پر بھیجتے رہتے، بلکہ آپ بھی کسی وفد کے ہمراہ رہتے، اللہ اکبر مفتی اعظم کی جفاکشی، دور دراز کے مقامات کا سفر کرتے، شہر سے دور مواضعات میں جہاں نہ پختہ سڑکیں تھیں نہ سواری کا انتظام، وہاں پاپیادہ تشریف لے جاتے، یہی وجہ ہے کہ پاؤں میں چھالے پڑے، بیمار ہوئے، مگر واہ رے دینی شغف فکر ہے تو مسلم بھائیوں کے ایمان کی، ساری پریشانیاں برداشت کرتے رہے، اور دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے، اس وقت تک گھر کا رخ نہیں کیا جبتک کہ فتنۂ ارتداد کو کچل نہ دیا، بلکہ پلٹ وار بھی کیا، ہندوؤں میں تبلیغ کر کے بہت سارے ہندوؤں کو داخل اسلام فرمایا۔ (۴۰)

شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ سے حضور مفتی اعظم نے اس سفر کے کچھ روداد بیان فرمایا تھا، تفصیل مفتی صاحب کے زرنگار قلم سے

''صرف ایک واقعہ سن لیں جو مجھ سے خود حضور مفتی اعظم نے بیان فرمایا تھا۔ اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلے پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے، اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں، اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہلسنّت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور ایک رفیق کو لیکر آگرہ سے چلے، جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے، اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا، اور کوئی سواری نہیں تھی، یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہونچے، جاکر دیکھا ایک مجمع اکٹھا ہے، آگ جل رہی ہے، گانا دھوم سے ہو رہا ہے، متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں، اور کئی نائی استرہ قینچی لئے بیٹھے ہیں، ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں، اور انہیں

ہندو بنانے کے لئے یہ جشن ہو رہا ہے، یہ لوگ کسی خطرہ کی پرواہ کئے بغیر، مجمع کو چیرتے پھاڑتے، اس فتنہ پرور کے پاس پہونچے، اس سے کہا آؤ مناظرہ کرلو، اس نے صاف انکار کردیا، اور کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں، اب مناظرے کی ضرورت نہیں، اس پر شیر بیشۂ اہل سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا، حضرت مفتی اعظم کی غیرت ملی کو جوش آیا شیر بیشۂ اہلسنت سے فرمایا کہ مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں، تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے، تو تم لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اس اپنی جلائی ہوئی آگ میں کودو، جو آگ سے زندہ بچ نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہونچا دیا، اس کے بعد ایک جوش و سرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے، اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، چل ہم دونوں اس آگ میں کودیں، ہیبت حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا، مبہوت ودم بخود رہ گیا، حضرت مفتی اعظم ہند نے جوش میں آکر گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا ٹس سے مس نہ ہوا، کچھ دیر یہی ہوتا رہا، گانے والے گانا بھول گئے، حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دی، سارہ مجمع ساکت وجامد دیکھتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو کھیا وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا، مولوی جی اسے چھوڑ دو اب ہماری سمجھ میں آ گیا کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل، ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا، اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا، اور سچے پکے مسلمان ہو گئے، حضرت شیر بیشۂ اہلسنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی، اور تقریر فرمائی۔

بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی تورانی بھی
اہل چین چین میں ایران میں ایرانی بھی
پر تیرے نام پر تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

صرف اس ایک واقعہ سے اس سفر کی جو صعوبت، بلا کشی، عزم وہمت، اخلاص و استقلال، جوش جنوں، ولولۂ صداقت، مؤمنانہ شان، کیف استغناء کا منظر سامنے آتا ہے اسے دیکھ کر مفتی اعظم کے جذبۂ استقامت کو سلام کرنا پڑتا ہے، اس پانچ سال سے زیادہ کی مدت میں اس طرح کے بلکہ اس سے بھی بڑے بڑے واقعات سامنے آتے ہونگے، کتنی ابتلا و آزمائش کی گھڑیوں سے گزرنا پڑا ہوگا، مگر وارے مفتی اعظم کی قوی جانثاری، کسی سانحہ نے ان کے عزم جواب کو متزلزل نہ کیا،...... حضور مفتی اعظم کی انتھک کوشش، اخلاص وایثار کا یہ اثر ہوا کہ شدھی تحریک کمزور اور بے اثر ہونے لگی، اور لوگ اسلام کے قریب آنے لگے، حضور مفتی اعظم ہند نے اپنے ہاتھوں سے سروں کی چوٹیاں کاٹیں، اور اسلامی نام رکھے، تقریبا پانچ لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھا کر داخل اسلام کیا... ۱۹۲۳ء میں شروع ہونے والی یہ تحریک کامیابیں کا تاج زیب سر کئے، ۱۹۸۲ء میں اس وقت اپنے اختتام کو پہونچی، جب شدھی تحریک نیست ونابود ہوگئی۔ (۴۲)

اب مفتی اعظم کے سامنے یہ مسئلہ سب سے اہم تھا کہ ان نومسلموں میں جذبۂ دینی کیسے پائدار کیا جائے، اور

غیرت اسلامی کیسے برقرار رکھا جائے اس کے لئے آپ نے شدھی تحریک زدہ آبادیوں میں، مکاتب و مدارس کا قیام، اور مفت دینی کتب کی فراہمی، اور اسلامی درد رکھنے والے مبلغین کا مستقل انتظام کیا، تاکہ پھر کسی باطل پرست قوت کو نقب زنی کا موقع نہ ملے، مولانا محمد شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں:

''اس بات کو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے محسوس کیا کہ مسلم راجپوتوں کے ذہن سے نسل پرستی کے چراغ کا خاتمہ، جذبۂ اخوت اسلامی پیدا کرتے ہی کیا جا سکتا ہے، چنانچہ حضور مفتی اعظم ہند نے، گاؤں، گاؤں میں مدارس قائم کیے اور ان مدارس میں مستقل اساتذہ رکھے، جوان مسلم راجپوتوں کو اسلامی تعلیم دیتے رہے، جماعت رضائے مصطفٰے اپنے بجٹ سے یہ سارا خرچ پورا کرتی تھی''۔(۴۳)

حضور مفتی اعظم کے وہ اکار ومعاصر وانا صر جنکی چاہت ونیک خواہشات، رفاقت و والہانہ جذبات، محبت وفدائی احساسات قدم قدم پر مفتی اعظم کے ساتھ رہے، بڑی ناانصافی ہوگی اگر ہم انکا ذکر نہ کریں، ان میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں ......امیر ملت حضرت مولانا پیر سید جاعت علی صاحب علی پوری، صدرالافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی،........مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ......حضرت مولانا محمد قطب الدین اشرفی ......اشرف المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی، کچھوچھوی.........استاذ العلماء حضرت مولانا حسنین رضا خانصاحب ''اڈیٹر ماہنامہ الرضا بریلی''.......ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری......ادیب شہیر مولا ابرار حسن حامدی، تلہری ایڈیٹر ماہنامہ یادگار رضا بریلی..... مفتی پاکستان حضرت مولانا سید احمد رضوی، الوری..... حضرت مولانا سید دیدار علی الوری......شیخ العلماء حضرت مولانا رحم الٰہی منگلوری...... برہان ملت حضرت مولانا برہان الحق صدیقی جبل پوری ....شیر بیشۂ اہلسنت حضرت مولا حشمت علی خان پیلی بھیتی ......حضرت مولان احمد مختا صدیقی، میرٹھی........حجرت مولان عرفان علی، رضوی سنپوری محقق دوراں، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بھاگلپوری ....چودھری عبد المجید ......رئیس اعظم شیروانی سہلور، وغیرہم۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنہ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ 'تاریخ اسلام کا وہ رفیع مینارۂ نور ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا، اس عظیم کارنامہ کا لوح سیمیں پر آب زر سے لکھنے کی ضرورت ہے، دوسرے لوگ اپنے اسلاف کے نا قابل ذکر واقعات کو بھی ذکر و تذکرہ کی میز پر لا کر قابل ذکر بنانے کی نا مسعود کوشش کرتے ہیں، بلکہ اگر بعض کارناموں کی فہرست ان کے بڑوں کے ذکر سے خالی ہو تو مفروضات سے کام چلانے میں بھی وہ لوگ دریغ نہیں کرتے، اور ہم ہیں کہ اپنے بزرگوں کے حقیقی واقعات، تاریخی کارناموں کو بھی کما حقہ پیش نہیں کر پاتے، جسکی وجہ سے بڑے سے بڑا کارنامہ پردۂ خفاء میں چلا جاتا ہے، اور لوگ تنقید کرتے ہیں کہ سماجی خدمت کے حوالے سے اس جماعت نے کیا کیا؟ ایک حضور مفتی اعظم کا تحریک انسداد

ارتاد کا کارنامہ اتنا عظیم الشان کارنامہ ہیکہ اگر باضابطہ اس کی پیش کش ہو، اور بار بار ہوتو یہ وہ سورج ہے جس کے ظہور اجلال کے ساتھ ہی تمام چراغ گل ہوجائینگے، اجالا ہوگا توصرف مفتی اعظم کے کارنامے کا، اوروں کے ہزاروں نہیں، لاکھوں کارناموں پر مفتی اعظم کا یہ کارنامہ تنہا بھاری ہے، اور حق یہ ہے کہ صدا بھاری رہے گا۔

ایمرجنسی کا زمانہ اور مفتی اعظم کا تاریخی، تبلیغی کارنامہ

۷۷۔۱۹۷۶ء کا دور جسے ایمرجنسی کا دور کہا جاتا ہے جس دور سراپا جور میں اندرا حکومت نے نسبندی کا جبری قانون نافذ کیا، خاندان کا خاندان، اور گھر کا گھر اس کی لپیٹ میں آگیا، لوگوں کو پکڑ پکڑ کر، زبردستی ان کی نسبندی کی جانے لگی، حکومتی کارندے شہر، شہر، گاؤں، محلّہ، محلّہ، اور گھر، گھر دے رہے ہیں، اور پوچھ رہے ہیں آپ کے کتنے بچے ہیں اگر دو یا تین ہیں تو نس بندی کرالیجیے، کہیں لالچ دیکر، کہیں ڈرادھمکا کر آئندہ کا سلسلہ بند کیا جارہا ہے، گورمنٹ کے ملازمین کو سخت تاکید کی گئی کہ خود نسبندی کراؤ، اور پانچ، دس آدمیوں کو پکڑ کر لاؤ، ورنہ تنخواہ روک دیجائے گی، یا ملازمت سے نکال دیئے جاؤ گے، حکومت کا یہ ظلم وزیادتیاں تنی بڑھی کہ نئے، نویلے دولہے کی بھی نس بندی کردی گئی، پورے ملک میں کھلبلی مچ گئی کانگریسی مفتی جو پہلے انگریز، اور اب کانگریس کے اشارۂ ابرو پر کام کرتے رہے، اپنوں نے حکومت وقت سے سودا کرلیا، اور نس بندی کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا، آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے ایک آواز بلند ہوتی ہے، اب تک منفی پہلو پر غور کیا گیا، اب مثبت پہلو پر غور کرنا چاہیے، یہ آواز تھی حضرت جی کی آواز جس غیور کان سے ٹکرائی سنسنی پھیلاتی چلی گئی، شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی تحریر فرماتے ہیں۔'' ایمرجنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم وجور کی انتہا کردی، اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لئے وہ ستم ڈھائے کہ الماں والحفیظ، اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگ ہوگئیں، ابن الوقت، حکومت وقت کی حمایت میں اتر آئے، کرائے کے مفتی دارافتاء کی مٹی پلید کرنے لگے ''(۴۴)

حکومت نے اس فتویٰ کو ذریعہ بنا کر نس بندی میں اور شدت پیدا کردی، گاؤں اور دیہات میں گھوم گھوم کر نسبندی کی جانے لگی، جب نسبندی ٹیم کی گاڑی گاؤں میں پہونچ جاتی تو لوگ گھر چھوڑ کر بھاگ جاتے، اور کھیتوں، جنگلوں میں چھپ جاتے، علمائے حق نے جب اسپر احتجاج کیا تو حکومت سخت برہم ہوگئی، اور ان میں سے بعض کو جیل میں ڈال دیا، اور دوسرے علمائے حق کی سخت نگرانی کی جانے لگی، حالات نے بہت ہی خطرناک رخ اختیار کرلیا تھا، حکومت کے خلاف آواز نکالنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تھا، ایسے میں ایک طرف مسلمانان ہند امید بھری نظروں سے مفتی اعظم کا منہ تک رہے تھے، تو دوسری طرف حکومت کی نگاہ بھی صرف مفتی اعظم پر ٹک کر رہ گئی تھی، اس لئے صرف دربار تھا جسکا سودا کرنے میں حکومت ابتک ناکام تھی، مفتی اعظم پر دباؤ بڑھتا جارہا تھا کہ آپ نسبندی کی حمایت میں ایک بیان جاری فرماں دیں، تاکہ مسلمانوں کے لئے راستہ ہموار ہو جائے، مسلمان کھلے دل سے اس کی ضرورت کے معترف

ہوجائیں، مگر ایسے نازک حالات، اور اتنے حکومتی دباؤ، نیز ایمرجنسی کے قہر کے باوجود مفتی اعظم نے وہی جواب دیا جسکی اس ذات بابرکات سے امید تھی، حضور مفتی اعظم، حکومت کے مقابل کلمہ حق کہنے کے لئے کھڑے ہوگئے، اور بڑی بے باکی سے کام لیتے ہوئے تبلیغ حق کا فریضہ ادا کردیا، فتویٰ لکھ دیا، کہ

''ضبط تولید کے لئے مرد کی نس بندی، یا عورت کا آپریشن متعدد وجوہ سے شرعاً ناجائز وحرام ہے، اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے، اور یہ قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز وحرام ہے، قرآن عظیم میں ہے ''ولآمرنھم فلیغیرن خلق اللہ'' یعنی شیطان بولا میں ان کو بہکاؤنگا، تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدلینگے، تفسیر صاوی میں ہے ـــــ ''من ذالک تغییر الجسم'' اور اس میں سے ہے جسم کی تغییر اور تفسیر کبیر میں ہے ''ان معنی تغییر خلق اللہ ھھنا ھوالا خصاء، الخ۔ یعنی اس آیت میں تغییر خلق کا معنی خصی کرنا وغیرہ ہے، بخاری ومسلم کی حدیث ہے ''لعن اللہ المغیرات خلق اللہ'' ''ملخصاً یعنی اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز (جسم کے قدرتی بناوٹ) کو بدلنے والی ہیں، ....الحاصل نسبندی، یا آپریشن شریعت اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں، لہٰذا اس سے نفرت لازم ہے'' (۴۵)

فتویٰ تو لکھدیا اب اسے پھیلائیں کیسے، پریس پر پابندی، چھاپا کھانے پر پابندی، حمل ونقل پر پابندی، ابلاغ وترسیل پر پابندی، مگر مفتی اعظم نے ان پابندیوں کی جکڑبندیوں کے بیچ اس فتویٰ کو سائیکلو اسٹائل کرایا، اور ملک کے گوشے گوشے میں جیسے بھی ہوسکا روانہ کر کے سچے مبلغ اسلام اور مخلص داعی دین کا فریضہ ادا کردیا، مسلمانان ہند جو اس کس مپرسی کے عالم میں بریلی کی راہ دیکھ رہے تھے، جو نہی مفتی اعظم کے فتویٰ کی خبر ملی خوشیوں کا سیلاب آگیا، مفتی اعظم ہند زندہ باد، مفتی اعظم ہند زندہ باد، کے نعروں سے فضائے ہند دہل گئی، حق وصداقت کی ترجمانی جو بریلی کا قرۂ امتیاز رہی ہے، ایک بار پھر مفتی اعظم نے خوف وہراس کے بیچ احقاق حق کر کے جریدۂ عالم پر بریلی کی حق کوشی کا نقش ثبت کردیا، جب حکومت کو مفتی اعظم کے اس تاریخی فتویٰ کا علم ہوا تو حکومت بیچین ہوگئی، اور مفتی اعظم کے باز پرس کی سرگوشیاں ہونے لگیں، مگر چونکہ مفتی اعظم پورے عالم اسلام میں مرکزی شخصیت تھے، آپ کی ذات شریف قطعی غیر متنازعہ تھی، آپ کا فرمودہ ایک ایک حرف، مسلمانان عالم کیلئے حرز جاں تھا، اس صوبائی حکومت بھی اچانک کوئی اقدام کر کے بلائے ناگہانی کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی، ضلع کلکٹر کے ذریعہ مسلح فورس کے ساتھ حق گوئی کے اس سالار اعظم کی گرفتاری کی ہدایتیں جاری کیں، لیکن ایک صوبائی وزیر، اور سابق اسپیکر، یوپی نے مرکزی حکومت کو صورت حال سے آگاہ کیا، اور کہا کہ اگر مفتی اعظم کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑگئی تو پورا ہندستان خون میں نہا جائے گا، حکومت کے کارندے آئے، حضور مفتی اعظم کا سامنا ہوا ہیبت حق کے جلال سے قہری طاقت پر ناز کرنے والے مرعوب ہو گئے، پوچھا، کیا یہ فتویٰ آپ نے لکھا ہے؟ حکومت کی آنکھ میں

آنکھ ڈال فرمایا ہاں ہم نے لکھا ہے. سوال ہوا، ایمر جنسی کے دور، حکومت کے فرمان، اور قانون کے آہنی پنجے کا آپ نے لحاظ نہ کیا؟ ارشاد فرمایا ہمارے نزدیک اصل چیز نظام مصطفٰے کی حفاظت ہے، ہم قانون کے بھی وہیں تک پابند ہیں جہاں تک قانون نظام مصطفٰے کا پابند ہے، حکومت کی کوئی قوت، اور ایمر جنسی کی کوئی پابندی قانو مصطفٰے کے اجراء میں ہمیں پابند نہیں کرسکتی، ہمارا تن، من، دھن، اس الٰہی قانون کے تحفظ پر نثار ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم خدا کی زمین پر، مصطفائی حکومت میں جی رہے ہیں، یہ دنیاوی حکومت آنی، جانی، اور فانی ہے، مگر وہ حکومت باقی ہے، اور قیامت تک باقی رہے گی، اور زمانے نے دیکھ لیا کہ جس حکومت کو مفتی اعظم نے فانی کہد یا تھا تھوڑے ہی دنوں میں فنا ہوگئی، جو لوگ گرفتار کرنے آئے تھے وہ گرفتار حق وصداقت ہو کر نامراد واپس ہوگئے، اس طرح حضرت کی گرفتاری کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا، اور مفتی اعظم نے وہ کام کر دیا کہ تاریخ ہند کے سینے پر انکی جرائت و بے باکی کی داستان درج ہوگئی۔

اس زندگی کے حسن کی تابندگی نہ پوچھ
جو حادثوں کی دھوپ میں تپ کر نکھر گئی

حضرت شیخ الاسلام نے پوری اسلامی تاریخ کے سمندر کو چند جملوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جب انہوں نے یہ کہا کہ:

''جب منکرین زکاۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے 'صدیق اکبرؓ' سے پیغام رسول کی حفاظت فرمائی، قیصر وکسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا، تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی فاروق اعظم کے ذریعہ، یونہی جب خوارج نے قرآنی آیات کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی، تو خدا نے پیغام مصطفوی کی حفاظت فرمائی مولائے کائنات کے ذریعہ، جب یزید نے سرکشی کا سر اٹھایا، تو خدا نے اپنا دین بچایا حسین ابن علی کے ذریعہ، جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل کو بچایا امام احمد بن حنبل کے ذریعہ، جب شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کے نام پر حقیقی دین الٰہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا مجدد الف ثانی کے ذریعہ، جب وہابیت وقادیانیت نے اپنی فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا امام احمد رضا کے ذریعہ، جب ایمر جنسی کے دور میں خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لئے حکومت نے جور وستم ڈھائے تو ایسے خوف وہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم کے ذریعہ''۔

حضور مفتی اعظم کے اس تاریخ ساز فتویٰ سے دیگر بے شمار فوائد کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس فتویٰ نے لاکھوں ہی نہیں، ان گنت بچوں کو پیدائش سے پہلے قتل ہونے سے بچالیا، اس لئے ہم نے اس فتویٰ کے منظر، پس منظر کو سامنے رکھ کر اپنے تحقیقی مقالہ ''امام احمد رضا اور عشق مصطفٰے'' میں یہ تحریر کیا ہے کہ:

''۱۹۷۷ء کے بعد سے جو مسلم نسل کی فصل نظر آرہی ہے، جو بچے وجود میں آرہے ہیں، مفتی اعظم

کے اسی تاریخی فتویٰ کی چلتی پھرتی نشانیاں ہیں، قوم مسلم کو حضور مفتی اعظم کا شکر گزار رہنا چاہیے کہ انہوں نے ان کی گود کو سونی ہونے سے بچا کر ہمیشہ کے لئے ہری بھری کر دیا ہے۔'' (۴۷)

حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افق حیات سے دعوت وتبلیغ کے چند چمکتے آفتاب ہم نے پیش کیے ہیں، ضرورت ہے کہ ان دعوتی، تبلیغی لعل وگوہر سے ہم اپنے دستار عمل کو سنواریں، طرۂ علم کو سجائیں، آج کے اس دین سے دوری کا المناک ماحول پوری شدت سے حضور مفتی اعظم کو آئیڈیل بنا کر دعوت وتبلیغ کا علم تھام لینے کا تقاضہ کررہا ہے، دعوت تبلیغ علما کے منصب کا اٹوٹ حصہ ہے، کہیں نہ کہیں ضرور اس منصب سے ناانصافی ہورہی ہے کہ جہل علم کو چیلنج کررہا ہے، حالاں کہ روشنی کی ہلکی سی کرن، پورے میدان کی ظلمت کا کلیجہ چیر دیتی ہے، تو پھر جب علم بڑھ رہا ہے تو جہالت گھٹ کیوں نہیں رہی ہے، دعوت وتبلیغ کی راہ میں ضرور کہیں ہم سے بھول ہورہی ہے اس کے محاکے کی ضرورت ہے، علما کا منصب ہی حق گوئی، حق کوشی، اور حق بیانی کا منصب ہے، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''وہ عالم جو حق بات کہنے کے موقع پر چپ رہے وہ گونگا شیطان ہے'' ملک العلما حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین تحریر فرماتے ہیں:

''اعلیحضرت امام اہل سنت قدس سرہ العزیز جس طرح اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ وہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے، اور علمائے کرام ورثۃ الانبیا ہیں، اسی طرح اس پر بھی یقین کامل رکھتے تھے کہ علماء کے ذمہ دو فرض ہیں، ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا، دوسرا فرض مسلمانوں کو انکی دینی باتوں سے واقف بنانا، ان پر مطلع کرنا'' (۴۸)

معلوم ہوا دعوت وتبلیغ بھی اعلیحضرت کی نظر میں علما پر فرض ہے، اس فرض کو ہم کتنا نبھا رہے ہیں، اس کے ساتھ کتنا انصاف کررہے ہیں اپنا اپنا جائزہ لینے، محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے آیئے حضور مفتی اعظم کی کتاب زندگی کو رہنما اصول مانتے ہوئے، انہیں اپنا آئیڈیل تسلیم کرتے ہوئے دعوت وتبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی میں جٹ جائیں، مفتی اعظم کا فیضان کرم ہمارے انتظار میں ہے، حضور مفتی اعظم نے تقریباً ۷۵ سال (پون صدی) تک دعوت وتبلیغ فرمائی، دین، ملت کی خدمت کی، اہل علم میں علم کا گوہر لٹا کر.....عام لوگوں کو کردار کا سنگھار بخش کر......فقہا کو فقہ کا رمز سمجھا کر .....صوفیا میں اصل تصوف کی روح جگا کر......ادبا کو ادب کی مانگ سجا کر.......شعراء کو شعریت وشریعت کا ہم آہنگ بنا کر.....غرضیکہ ہر طبقے کو اپنے محاسن وب اوصاف کی چاندی سے مالا مال کیا.....ایک مفتی اعظم اور پورے برصغیر کی خصوصاً عالم اسلام کی خصوصاً دینی روحانی قیادت' عقل حیران ہے کہ مفتی اعظم تنہا ان سارے محاذات سے کیسے نبرد آزما رہے، اور جب بھی رہے سرخرو ہی رہے،....عزت ان پر نچھاور ہوتی تھی......عظمت ان کی بلائیں لیتی تھی..... طوفان ان قدموں پر سر پٹک کر پلٹ جاتا تھا.......اگر کبھی بے سروسامان عقل حیران ہوجائے کہ یہ سب کیسے ہوا.....اور

کیسے ہوتا تھا ....تو اسے مفتی اعظمکے فوز و فلاح کے سازو سامان، قطب الارشاد کی، امام احمد رضا کی دعاء اور قطب الاقطاب حضرت سید ابو الحسین احمد نوری کی بشارت سنا دیجائے۔ ''اے رب کریم! مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصۂ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے'' (دعائے رضا)

''یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہوں سے گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا'' (بشارت نوری)

مضطرب عقل پر یقین کا کیف چھا جائے گا اور وہ بھی پکار اٹھے گی، کاش کہ میں بھی عشق کے کنبے میں پیدا ہوئی ہوتی۔

❁❁❁

حوالے

(۱) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ص، ۳۹
(۲) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، حضرت سید نظمی میاں صاحب قبلہ، ص ۳۲
(۳) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت .... مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ص ۴۰، ۴۱
(۴) حیات مفتی اعظم، مصنف، مرزا عبدالوحید بیگ، ص ۴۵
(۵) مفتی اعظم اور ان کے خلفا مقدمہ، حضرت سید مفتی شاہد علی رامپوری، ۲۳
(۶) جہان مفتی اعظم، مضمون حضرت سید مفتی شاہد علی رامپوری ۱۰۳
(۷) جہان مفتی اعظم، مضمون حضرت سید مفتی شاہد علی رامپوری ۱۰۲
۸ پیغام رضا، مضمون، حضرت سید نظمی میاں صاحب قبلہ، ص ۲۳
(۹) جہان مفتی اعظم، مضمون، حضرت سید شاہد علی رامپوری ۱۰۴
(۱۰) جہان مفتی اعظم، حضرت سید شاہد علی رامپوری ۱۰۴
(۱۱) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم ۲۵۲
(۱۲) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم ۲۵۲
۱۳ تین برگزیدہ شخصیتیں، مضمون، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ۱۳
(۱۴) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، ڈاکٹر علاؤ الدین خاں، ۱۷۵..۱۷۶
(۱۵) برکات شریعت، مصنف، مولانا شاکر علی نوری ص: ۶۷۲-۶۷۳
(۱۶) رسائل نوری، ص، ۴، ۷، پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مولانا محمد شمشاد حسین، ۱۲۶..۱۲۷
(۱۷) استقامت کانپور، مفتی اعظم نمبر..مدیر، مولانا ظہیرالدین خان ۱۷۵..۱۷۶
(۱۸) تاجدار اہلسنت، ناشر، رضا اکیڈمی، ۶۷، تا، ۷۷
(۱۹) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت ...مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ۱۷۸..۱۷۹
(۲۰) انوار مفتی اعظم، مضمون، مفتی محمد شریف الحق امجدی ص: ۲۶۲
(۲۱) مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، مصنف، مفتی عابد حسین مصباحی، ص ۲۰۱..۲۰۲
(۲۲) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، محمد مطیع الرحمان، ص: ۷۱
(۲۳) پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مضمون، محمد مطیع الرحمان، ص: ۸۸
(۲۴) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۳۱
(۲۵) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۳۲
(۲۶) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۱۰۳
(۲۷) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۱۵، ۱۶
(۲۸) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۴۳۷
(۲۹) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۴۵۴
(۳۰) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۴۵۵
(۳۱) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۴۵۶

(۳۲) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۴۵۷

(۳۳) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۴۷۷

(۳۴) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم ص: ۳۱

(۳۵) رسائل رضویہ، ج، دوم، مقدمہ، مولانا عبدالحکیم، اختر شاہجہاں پوری ۹

(۳۶) کلیات اقبال، مصنف، ڈاکٹر اقبال، ص: ۳۵۲

(۳۷) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۹۷

(۳۸) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۶۹

(۳۹) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۶۱

(۴۰) جہان مفتی اعظم، مضمون، مولانا توفیق احمد نعیمی، ص: ۸۹۷

(۴۱) انوار مفتی اعظم، مصنف، مفتی شریف الحق امجدی، ص: ۲۸۱،۲۸۰

(۴۲) پیغام رضا نمبر، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، ص: ۱۷۲

(۴۳) پیغام رضا نمبر، مفتی اعظم نمبر، مضمون، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، ص: ۱۷۲

(۴۴) امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ، مصنف، مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، ص: ۴۰۷

(۴۵) فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ص: ۵۳۱

(۴۶) تاجدار اہل سنت، ناشر، رضا اکیڈمی، ص: ۱۷۵

(۴۷) امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ، مصنف، مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، ۴۰۶

(۴۸) حیات اعلیٰ حضرت، مصنف، ملک العلما، مولانا سید ظفر الدین، ص: ۲۱۷

منابع ومراجع

۱۔ رسائل رضویہ، ج، دوم، مصنف، امام احمد رضا، ناشر مکتبہ حامدیہ، لاہور ۱۹۷۶ء

۲۔ فتاویٰ مصطفویہ، مصنف، حضور مفتی اعظم، ناشر، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۰ء

۳۔ حیات اعلیٰحضرت، مصنف، ملک العلما، مولانا سید محمد ظفر الدین، ناشر، قادری کتاب گھر، بریلی، ندارد

۴۔ مفتی اعظم اور ان کے خلفا، مصنف، مولانا محمد شہاب الدین، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۲ء

۵۔ امام احمد رضا اور عشق رسول، مصنف، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، ناشر، رضا فاؤنڈیشن بنگلور، ۲۰۰۳ء

۶۔ پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، مدیر، مولانا رحمت اللہ صدیقی، ناشر، رضا دار المطالعہ، پوکھریرا، ۱۹۷۷ء

۷۔ جہان مفتی اعظم، مرتب، مولانا مقبول احمد سالک مصباحی، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ء

۸۔ حیات مفتی اعظم، مؤلف، مرزا عبدالوحید بیگ، ناشر، رضا دار الاشاعت، بریلی، ۱۹۹۰ء

۹۔ انوار مفتی اعظم، مرتب، مولانا محمد احمد مصباحی، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۲ء

۱۰۔ استقامت، مفتی اعظم نمبر، مدیر، مولانا ظہیر الدین قادری ناشر، ادارۂ استقامت، کانپور، ۱۹۸۳ء

۱۱۔ برکات شریعت، مصنف، مولانا شاکر علی نوری، ناشر، مکتبہ طیبہ، ممبئی، ۲۰۰۷ء

۱۲۔ تاجدار اہلسنت، مدیر، الحاج محمد سعید نوری، ناشر، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۴۲۷ھ

۱۳۔ تین برگزیدہ شخصیتیں، مصنف، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ناشر، رضوی کتاب گھر، دہلی، ۱۹۹۳ء

۱۴۔ مفتی اعظم کی استقامت وکرامت، مصنف، مولانا عابد حسین مصباحی، ناشر، مکتبہ جام نور، دہلی، ۲۰۰۳ء

۱۵۔ کلیات اقبال مصنف، ڈاکٹر اقبال، ناشر، ادبی دنیا، دہلی، ۱۹۷۵ء

شمالی بہار ایک مظلوم شخصیت

حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن محبیٓ

محمد رحمت اللہ صدیقی

اعلیٰحضرت امام احمد راضا قادری برکاتی قدسرہ کی ولادت ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۶ء میں ہوئی اور حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن محبیٓ علیہ الرحمہ کی بھی تاریخ ولادت یہی ہے۔آپ کی جائے ولادت سیتا مڑھی بہار کی ایک مردم خیز بستی پوکھریا ہے۔آپ کی ولادت کے ایک سال بعد ملک کی آزادی کا صور پھونکا گیا یعنی آپ جذبۂ آزادی سے سرشار ہوکر پیدا ہوئے۔آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت والدین نے کی۔اعلیٰ تعلیم اس زمانے کے مشاہر اساتذہ سے حاصل کی۔ اولادغوث اعظم حضرت سید شاہ داتا نورالحلیم کاشغری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیت وارادت کی دولت پائی اور تاحیات اپنے مرشد کریم کی عظمت ورفعت کا خطبہ پڑھتے رہے۔لیکن قادری نسبت پہ رضویت کا رنگ بہت گہرا تھا۔ حالانکہ قادریت اور رضویت دونوں ایک ہی سکے کے دورخ ہیں۔ اس لیے کہ قادریت کی ترویج میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے تجدیدی کردار ادا کیا ہے۔ آج وہی قادریت اہمیت کی حامل ہے جس پر امام احمد رضا کی محبت کی مہر لگی ہو۔ یہ پہلو تفصیل طلب ہے۔ کھری قادریت کے دعویدار تو بہت ہیں لیکن ہر دعویٰ دلیل چاہتا ہے۔

حضرت محبیٓ کا مسلک ومشرب

حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن محبیٓ دیناً محمدی، مذہباً حنفی، مشرباً قادری نسلاً شیخ صدیقی اور وطناً بہاری تھے اور اپنے مذہب ومسلک میں مخلص ہی نہیں بلکہ انتہائی متصلب تھے۔

حضرت محبیٓ اور شمالی بہار

حضرت مولانا محمد عبدالرحمان محبی کی ذات شمالی بہار کے مسلمانوں کے لئے رب کائنات کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت تھی۔اگر آپ کی ولادت نہ ہوتی تو شمالی بہار میں مذہبی،مسلکی اور علمی انقلاب کا خواب خواب ہی رہ جاتا، یہ حقیقت ہے کہ رب کائنات اپنے جس بندے سے کام لینا چاہتا ہے اسے اپنی رحمتوں سے وافر حصہ عطا فرماتا ہے،اور وہ ہر وقت رحمت الٰہی کی بارشوں میں نہاتا رہتا ہے،قدرت

نے حضرت محمی کو بے شمار فضائل وکمالات سے بہرور فرمایا تھا وہ بکثرت علوم وفنون کے ماہر بھی تھے اور عامل بھی، ان کی ولادت سے شمالی بہار میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، انہوں نے اپنی قوم کو علمی، عملی اور اعتقادی بیداری کا پیغام دیا، ان کے پیغام میں بڑی کشش تھی۔ ان کی نیت میں خلوص تھا، ان کے جذبے میں صداقت تھی اور ان کی آواز میں درد تھا۔ ان کے عہد میں بہار ہی نہیں بلکہ پورا غیر منقسم ہندوستان غیر یقینی صورت حال کا شکار تھا، ایک تباہ حال مسلم معاشرے کی تعمیر نو کے لئے کس طرح کے آلات اور جذبے کی ضرورت ہوتی ہے اس سے وہ بخوبی واقف تھے۔ علوم رسالت اور عشق رسالت کا جو چراغ ان کے حریم دل میں روشن تھا اس چراغ سے وہ مسلمانوں کے قلوب کو روشن ومنور کر دینا چاہتے تھے اور انہوں نے قدم بقدم اس کے عملی مظاہر پیش کئے۔ ان کی شخصیت ڈاکٹر اقبال کے اس شعر کی مکمل آئینہ دار تھی

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

حضرت محمی اور قیادت

قیادت کے لغوی معنی ہیں رہبری، رہنمائی اور سرداری، انسانی زندگی کے مختلف شعبے ہیں اور ہر انسان کو زندگی کے ہر شعبے میں کسی مخلص رہنما کی ضرورت ہوتی ہے، بغیر رہبر کے کامیاب زندگی کا تصور بہت مشکل ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انسان کو ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک کسی مخلص رہنما کی ضرورت ہوتی ہے، اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جو بچہ اپنے ابتدائی دنوں میں ماں باپ کی شفقتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور اسے کوئی شفیق سایہ نہیں ملتا تو اس کی زندگی خطرات سے بھر جاتی ہے اور وہ اپنے لئے کوئی محفوظ راہ متعین نہیں کر پاتا۔ در بدری اس کا مقدر بن جاتی ہے، اسی لئے اسلام نے یتیم اور بے سہارا افراد کی خبر گیری پہ زور دیا ہے،

ہر فرد، ہر قوم، اور ہر جماعت کو قائد کی ضرورت پیش آتی ہے، جس قوم کا کوئی قائد نہیں ہوتا وہ قوم دنیا میں باعزت زندگی سے محروم ہو جاتی ہے، اور اقوام عالم میں اس کا کوئی مقام ومرتبہ نہیں ہوتا اور تاریخ میں اسے کوئی جگہ نہیں ملتی۔ یہی نظام کائنات ہے، دنیا میں صوبائی اور مرکزی حکومتوں کا رواج ہے، چاہے وہ صوبائی حکومت ہو یا مرکزی حکومت ہر جگہ ہر قوم اور جماعت کے نمائندے ہوتے ہیں جو اپنی قوم اور جماعت کے لئے حکومت سے مراعات کا مطالبہ کرتے ہیں، اپنی قوم کے جائز حقوق کے لئے آواز اٹھاتے ہیں۔ خود حکومت کی نگاہ بھی ہر قوم اور ہر جماعت کے نمائندوں پہ ہوتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر حکومت ہر قوم کے نمائندوں کو ایوان حکومت میں مدعو کرتی ہے اور ان سے ان کے مسائل جاننے کی کوشش کرتی ہے۔ یہاں بھی جس قوم کا نمائندہ نہیں ہوتا وہ قوم حکومتی مراعات حاصل نہیں کر پاتی۔

مذہب، سیاست اور معیشت ہر شعبے کے لئے جدا جدا قائد ہوتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی قائد زندگی کے تمام شعبوں میں قوم کی رہنمائی کرتا ہے، تاریخ میں اس کی بہت ساری نظیریں ملتی ہیں، ماضی قریب کی تاریخ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات ایک ایسی ذات ہے جس نے ملک وقوم کی زندگی کے تمام

شعبوں میں کامیاب رہنمائی کی ہے اور مستقبل کے لئے پائیدار اور قابل عمل خطوط متعین کئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن محبیؔ ایک عالم باعمل کی حیثیت سے شمالی بہار میں نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے منظر پہ چھا گئے، آپ کے جذبات واحساسات پاگیزگی کے آئینہ دار تھے، آپ کے عہد میں شمالی بہار میں کسی دوسری موثر قیادت کے ذکر سے تاریخ کے اوراق خالی ہیں، ان کی اس نمایاں خصوصیت کا اپنے بیگانے سب اعتراف کرتے ہیں، آپ نے شمالی بہار کے مسلمانوں کی زندگی کی ہر شعبے میں رہنمائی کی ہے اور ہر لحاظ سے مسلم معاشرے کو وقار واعتبار دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، اپنی آواز اور اپنے پیغام کو موثر بنانے کے لئے اور مسلم معاشرے کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لئے آپ نے ملک کی اعلیٰ قیادتوں کو بار بار اپنے گاؤں میں اکٹھا کیا ہے، اس طرح آپ کے پیغام سے ملک کا ہر مرکزی خطہ متعارف ہوا یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کی تمام اکابر شخصیات نے آپکے ملی درد کو تسلیم کیا اور آپ کی خوب خوب حوصلہ افزائی کی، اس زمانے کے اخبار ورسائل میں اس چیز کو دیکھا جا سکتا ہے۔ خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے آپ کی خدمات کو سراہا ہے اور آپ کو خصوصی انعام واکرام سے بھی نوازا ہے یہ پہلو بھی تاریخ کا حصہ ہے۔

حضرت محبیؔ کا عہد

جس زمانے میں حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن محبی کی ولادت ہوئی وہ زمانہ اسلامیان ہند کے لئے انتہائی پر آشوب، پر خطر اور پر مسائل تھا، غیر منقسم ہندوستان سے مسلمان کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور پورے ملک پر انگریزوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی انگریزوں نے مسلمانوں سے تخت وتاج چھینا تھا اس لئے اسے سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا مسلمان انگریزی حکومت کی آنکھ میں خار بنکر چبھ رہے تھے حکومت کے کسی اہم عہدے پر مسلمانوں کا تقرر بہت مشکل تھا، حکومت میں مسلمانوں کی نمائندگی بھی برائے نام تھی، مسلمانوں کی اجتماعیت سے حکومت ہر وقت سراسیمہ تھی حکومت مسلمانوں کی طاقت اور اجتماعیت کا راز سمجھ چکی تھی، حکومت اس بات پر سنجیدہ تھی کہ مسلمانوں کا آپسی اتحاد حکومت کے لئے کبھی بھی خطرہ ثابت ہو سکتا ہے، اس لئے اس اتحاد کو توڑنے کی راہیں وہ ڈھونتی رہتی تھی بہت غور وفکر کے بعد اس نے مسلمانوں میں سے ایسے ضمیر فروشوں کی ایک جماعت تیار کر لی جو اسلامی معمولات ومراسم کو حرف تنقید بناتی رہے، اس طرح مسلمان آپس میں الجھتے رہیں گے۔ حکومت کی مسلسل ریشہ دوانیوں سے مسلمان پہلے ہی سے پریشان تھے اور اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے ایسے عالم میں چند مسلم نما چہرے علما کا لباس پہن کر اسلامی معمولات ومراسم پر سوالیہ نشان لگانے لگے، ان کے قلم کی زد سے تقدیس الوھیت وناموس رسالت بھی محفوظ نہ رہ سکا، یہ مسلمانوں کے لئے دوہری مصیبت اور ایک نیا محاذ جنگ تھا یہی سے مسلمانوں میں آپسی انتشار کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور آج بھی آپسی اختلاف کی آگ میں مسلم معاشرہ جھلس رہا ہے،

حضرت محبی کے عہد میں اہلسنت و جماعت کے

مقابلے میں کئی باطل جماعتیں اور فرقے وجود میں آچکے تھے اور ان باطل جماعتوں کا کام صرف اور صرف مسلمانوں میں انتشار کو ہوا دینا اور ایمان وعقیدے کی دولت پہ شب خون مارنا تھا، اسلامی مبلغین اور مصلحین کو پہلے پہل اپنی طاقت کا زیادہ حصہ انھیں پر صرف کرنا پڑتا تھا اگر ان باطل جماعتون کا وجود نہ ہوتا تو آج ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی، ملی اور سیاسی حیثیت مختلف ہوتی۔ حضرت مولانا محمد عبدالرحمان محبی نے تعلیم وتربیت سے فراغت کے بعد جب دعوت وتبلیغ کے میدان میں قدم رکھا تو انھیں بھی پہلے پہل انھیں باطل اور افکار سوز جماعتوں سے محاذ آرا ہونا پڑا، حضرت محبی کے تحریری سرمائے سے بھی اس بات کا بھرپور ثبوت ملتا ہے، آپ کی تالیفات وتصنیفات کی تعداد تین درجن سے زائد ہیں ان میں بیشتر کتابیں تردیدی اور مناظراتی رنگ وآہنگ لئے ہوئے ہیں

حضرت محبیؒ کا علمی مقام

یہ بات مسلم ہے کہ کسی بھی شخص کے علمی مقام ومرتبے کا صحیح اندازہ اس کے تلامذہ اور اس کی تالیفات وتصنیفات سے لگایا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی درس وتدریس کے جملہ شعبوں میں مہارت رکھتا ہے لیکن اس کے اندر کوئی کتاب یا مضمون وغیرہ لکھنے کی قدرت بالکل نہیں ہوتی ایسی بہت ساری مثالیں تاریخ میں موجود ہیں راقم کے بڑے ابا حضرت مولانا سلیمان صدیقی حامدی فارسی زبان کے امام مانے جاتے تھے تا حیات مدرسہ نور الہدیٰ کے استاذ کی حیثیت سے کام کرتے رہے انکے عہد میں شمالی بہار میں فارسی کا ان سے زیادہ ماہر استاذ نہیں تھا لیکن تحریر کے شعبے میں ان کا کوئی نقش نہیں ملتا وہ اپنے تلامذہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور ان کے تلامذہ بھی انھیں ٹوٹ کر چاہتے تھے اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ میرے ایک اور چچا تھے حضرت مولانا ظفیر عالم صدیقی حامدی جنکا ابھی اسی رمضان المبارک میں شب قدر میں جمعہ کے دن انتقال ہوا ہے وہ بھی فارسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ درسگاہوں میں بڑے بڑے ماہرین علم وفن موجود ہیں مگر ان میں تحریری صلاحیت نہ کے برابر ہیں بلکہ میری نگاہ میں کچھ ایسی شخصیات بھی ہیں جن کی علمی قابلیت پر علماء کا اتفاق ہے جن کو جماعتی نمائندگی کے لئے اہل علم کی کسی بھی بزم میں فخریہ طور پر پیش کیا جاسکتا ہے مگر ان کے تحریری نمونے کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بے خیالی میں کچھ لکیریں کاغذ کے سینے کو داغدار کر گئی ہیں حاصل یہ کہ تحریر، تدریس، اور تقریر یہ علمی مقام ومرتبے کو سمجھنے کے اہم شعبے ہیں، تقریر تو ایرے غیرے سب کر لیتے ہیں لیکن علمی تقریر کوئی ذی علم شخص ہی کر سکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد عبدالرحمان محبیؒ کا اپنے عہد کی علمی شخصیات میں شمار ہوتا ہے، ان کے زمانے کے اہل علم و بصیرت نے ان کے علمی مقام ومرتبے کو تسلیم کیا ہے افسوس اس بات پہ ہوتا ہے کہ ان کے حالات وکوائف کو قید تحریر میں لانے کی کوشش نہیں کی گئی یہاں تک کے ان کی علمی باقیات کو بھی تحفظ فراہم نہیں کیا گیا یہی وجہ ہے کہ محققین کا طبقہ ان کے طرف توجہ نہیں دے سکا تحقیق، شواہد ہی کی روشنی میں ہوتی ہے۔ محققین ہمیشہ بنیاد کی تلاش میں ہوتے ہیں تحقیق کی عمارت حقائق پہ کھڑی ہوتی ہے سنی سنائی باتوں پہ

محققین کبھی توجہ نہیں دیتے حضرت مجی کے حوالے سے ان کی بستی کے دانشور حضرات بھی ان کی علمی شان وشوکت سے بہت دنوں تک غافل رہے بہت سارے حضرات انھیں ایک زمانے تک نیم خواندہ مولوی تصور کرتے رہے اہل خاندان کو بھی اس کی کبھی کوئی فکر نہیں ہوئی جبکہ خود ان کے صاحبزادگان اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے ان کے خاندان میں دینی علوم وراثت کی شکل میں تقسیم ہوتے آرہے ہیں۔ آج بھی خاندان میں علوم دین کو غلبہ حاصل ہے اگر اہل خاندان کی اس سمت تھوڑی توجہ ہو جاتی تو ان کے باقیات کو تحفظ مل جاتا۔ اللہ بھلا کرے حضرت مولانا ریحان رضا انجم کا کہ انہوں نے اس طرف توجہ دی اور ان کے بہت سارے علمی سرمائے کو ڈھونڈ نکالا اور اسی سرمائے کی روشنی میں ان پہ غور وفکر کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اب دانشور حضرات بھی حضرت مجی کے حوالے سے سنجیدہ دکھائی دینے لگے ہیں۔

حضرت مولانا محمد عبدالرحمان مجی یقیناً علوم وفنون کے درشاہوار تھے، سات سال کی عمر میں انہوں نے قرآن حکیم حفظ کرلیا تھا اٹھارہ سے بیس سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کر لی تھی اور مسند درس وتدریس پر بیٹھ گئے تھے اور افتاء وارشاد کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا، وہ اپنے وقت کے عظیم فقیہ بھی تھے اور محدث بھی ان کے فتاوے کے نمونے سے ان کی فقاہت کا اندازہ ہوتا ہے اور احادیث کی مختلف کتابوں کے تراجم سے ان کی محدثانہ عظمت کا اظہار ہوتا ہے، وہ اپنے وقت کے دیدہ ور مفسر بھی تھے ان کے تفسیری نمونے کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ تعلیم تفسیر مجی کے نام سے انہوں نے قرآن حکیم کے کچھ پاروں کی تفسیر بھی لکھی ہے، منطق، فلسفہ اور ریاضی میں بھی وہ درک رکھتے تھے، ان کے تلامذہ میں فقیہ، محدث، منطقی، فلسفی اور ریاضی داں سب نظر آتے ہیں، انہوں نے قرآن حکیم کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا ہے یہ ترجمہ محفوظ ہے، ترجمہ نگاری کے لئے کس طرح کی صلاحیتو کی ضرورت ہوتی ہے اس سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ ان کی مختلف علوم وفنون میں تین درجن سے زائد کتابیں دریافت کر لی گئی ہیں ان میں بعض کی جدید اشاعت بھی ہوئی ہے۔ قلت وسائل کے باعث اشاعت کی رفتار بہت سست ہے انکے مریدین وتلامذہ کا اب کوئی حلقہ موجود نہیں ہے ورنہ کام کی رفتار تیز ہو جاتی پھر بھی کام کا سلسلہ چل پڑا ہے اور انشاء اللہ چلتا رہے گا۔ اس لئے کہ حقائق زیادہ دنوں تک پردۂ خفا میں نہیں رہتے اور جو بھی نیک نیتی کے ساتھ دین کی خدمت کرتا ہے اللہ کی رحمتیں ایک نہ ایک دن اسے ابھار دیتی ہیں۔

حضرت مجی کے علمی سرمائے کی تجدید وقت کا اہم تقاضا ہے اس سے جدید نسل کے سوچنے کا انداز بدلے گا اور ان میں کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہوگا اس لئے کہ اکابر کے نقوش ہی اصاغر کے لئے رہنما ہوتے ہیں، جو لوگ اکابر کو نظر انداز کر کے سفر کرتے ہیں ان کو کبھی منزل نہیں ملتی یہ دور اخلاقی گراوٹ کا دور ہے جماعت میں ایک گروپ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو تسلسل کے ساتھ اکابر بیزار جزبوں کو ہوا دے رہا ہے، حضرت مجی تاحیات اکابیر دوستی کی پر زور وکالت کرتے رہے۔ ان کی تالیفات وتصنیفات سے اس چیز کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، حضرت مجی کی بہت ساری حیثیتیں

ہیں ان ساری حیثیتوں کو علمی انداز میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، لیکن یہ انتہائی دشوار کام ہے، اس کے لئے بہت ساری گلیوں کا تسلسل کے ساتھ طواف کرنا ہوگا۔ اب ذیل میں حضرت محؔی کی تصنیفات کی ایک نامکمل فہرست ملاحظہ کریں۔

(۱) تعلیم التفسیر محؔی ۱۳۱۹ھ (۲) شرح نسائی المعروف ترجمۃ المجتبی (۳) نور الھدی فی ترجمۃ المحلی (۴) نور الطلاب فی العلم الانساب اول دوم (۵) غرۂ مجلین ۱۳۴۶ھ (۶) المعروف نوراسلام حصہ اول حصہ دوم ۱۳۴۶ھ (۸) الحبل القوی لھدایت الغوی (۹) بارہ ماسہ ریاضی ۱۳۳۵ھ (۱۰) چہک بلبل نا داں (۱۱) نور الجمعہ (۱۲) تمسک اقوی باحادیث نبی الانبیا ۱۳۲۲ھ (۱۳) اول حصہ دوم (۱۴) انفع الشواہد

(۱۴) الجواب المستحسن فی ردھفوات مرتضی حسن ۱۳۲۷ھ (۱۵) دیور بھاوج ۱۳۰۹ھ (۱۶) نور المغیب (۱۷) نور کلید عظیم (۱۸) ثبات بحیات حبیب (۱۹) نجم المیلاد (۲۰) نور الحجاب (۲۱) تعلیمات مرغوب محؔی (۲۲) خطبۂ عید الفطر (۲۳) شش تکبیر عید واجب (۲۴) معلومات محؔی (۲۵) نورالاسلام (۲۶) دیو بندی کا بطال تلبیذ (۲۷) قندطفلاں اول (۲۸) دوم (۲۹) لا بریٔ عذاب القبر (۳۰) بارہ ماسہ محبی (۳۱) شمع شبستاں (۳۲) دستور السواک (۳۳) ترجمہ قرآن حکیم فارسی

حضرت محؔی کے معاصرین

حضرت مولانا محمد عبدالرحمن اپنے عہد میں ایک علمی شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے ان کے دور بینی اور ظرف نگاہی مشہور تھی ان کی علمی، فقہی جلالت کو ان کے ہم عصر علماء مشائخ نے تسلیم کیا ہے اس سلسلے میں مشائخ کے تاثرات بھی ملتے ہیں اگر ان سب تاثرات کو جمع کردیا جائے تو ایک ضخیم مقالہ تیار ہوجائے ان کے چند ہم عصر مشاہیر علماء ومشائخ کے اسماء ذیل میں ملاحظہ کریں۔

اعلیحضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی (۱۲۷۲ھ ۱۸۵۶ء) صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۳ء حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی، حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی (۱۲۷۶ھ ۱۸۶۰ء) حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین پیلی بھیتی (۱۲۹۰ھ۔۱۸۷۵ء) حضرت مولانا شاہ عبدالسلام جبل پوری (۱۲۷۲ھ۔۱۸۵۶ء) حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف جیلانی (۱۲۸۶ھ۔۱۸۶۷ء) حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا بریلوی (۱۲۹۰ھ۔۱۸۷۵ء) صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی (۱۲۹۶ھ۔۱۸۸۰ء) حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری (۱۲۵۰ھ۔۱۸۳۴ء) حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی (۱۳۱۰ھ۔۱۸۹۳ء) حضور محدث اعظم ہند حضرت مولانا ابوالمحامد محمد اشرف جیلانی (۱۳۱۱ھ۔۱۸۹۴ء) حضرت مولانا شاہ عبدالبصیر پیلی بھیتی (۱۲۷۹ھ۔۱۸۶۲ء) مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (۱۳۱۰ھ۔۱۸۹۳ء) حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی (۱۲۹۴ھ۔۱۸۷۸ء) ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین بہاری (۱۳۰۳ھ۔۱۸۸۰ء) حضرت مولانا شاہ تیغ علی

قادری (۱۳۷۸ھ م ۱۹۵۸ء) حضرت مولانا شاہ مبارک حسین قادری آروی (۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) حضرت مولانا شاہ محمد معین الدین قادری (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) اور بھی دوسرے اہم علماء ومشائخ ہیں جن کا عہد حضرت محّی نے پایا ہے یہاں اتنے ہی پر اکتفا کیا جا تا ہے ورنہ مقالہ کافی طویل ہو جائیگا (تاریخ مشائخ قادریہ حصہ دوم/سوم)۔

حضرت محی علماء ومشائخ کے نظر میں

علماء ومشائخ کی حیثیت وارث انبیاء کی ہوتی ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں فرمانے الٰہی و ارشادات رسالت پناہی ﷺ کی روشنی میں کہتے ہیں قرآن واحادیث میں علماء کی فضیلتوں کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔روئے زمین پر علماء سے بہتر کوئی دوسری جماعت نہیں ہے،کسی دینی مسئلہ کو جاننے کے لیے چند ساعت علماء کی مجلس میں بیٹھنا رات بھر نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔شریعت میں علماء اوران کے قول وفعل کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جا تا ہے اس لئے کہ ان کے بیانات مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں۔جو لوگ دین وشریعت کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہیں علماء ان کی ہر جہت سے حوصلہ افزائی کرتے ہیں حضرت محّی عالم ربانی تھے اور دین کے بے لوث خادم تھے انہوں نے خدمت دین کو مقصد حیات بنالیا تھا اور ہر جہت سے تاحیات دینی قدروں کے فروغ میں مصروف رہے یہی وجہ کہ علماء ومشائخ نے انہیں ہمیشہ قدروں کی نگاہ سے دیکھا۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ حضرت محی سے بے حد متاثر تھے اور انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے حضرت محّی کے حوالے سے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں......فقیر غفرلہ مولی القدیر اس رسالہ الجبل القوی لہدایۃ الغوی،،کو مطالعہ کیا حق سبحانہ تعالیٰ مولانا المکرّم سالک طریق الامم حامی السنن، ماحی الفشن، نجدی شکن، وہابی فگن، مولانا مولوی محمد عبد الرحمن صاحب بمعروف محبی جزاہ اللہ سبحانہ اجزاء الاحباء کو تائیدین، و تبکیت مفسدین، واعانت راشدین واہانت معاندین کے ساتھ دائم قائم رکھے۔

الجبل القوی لہدایت الغوی صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں:

خصوصیت کے ساتھ ذکر کے قابل حضرت مولانا مولوی ابوالولی محمد عبدالرحمن صاحب کی ذات گرامی ہے جو ایک ولی خصائل بزرگ ہیں اور دین کی حمایت میں رات دین مشغول اور مصروف۔اللہ کا ان پر فضل عام ہے کہ ان کا گھر علماء سے بھرا ہوا ہے اوران کے صاحبزادے،ان کے بھتیجے،ان کے داماد سب کے سب عالم ہیں اور خدمات اسلام میں سرگرم۔السواد اعظم (۱۳۴۵ھ)

پاسبان ملت حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی تحریر فرماتے ہیں کہ

پوکھریرا سے اہلسنت کو ایسا قلبی تعلق ہے کہ تقریبات وملاقات کی صورتیں تلاش کرتے رہتے ہیں،پوکھریرا کسی گاوں دیہی کا نام نہیں بلکہ یہ علم کا ایک شہر ہے،یہاں کی نکھری ہوئی سنیت ورضویت پر بار بار قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔یہاں کا ذرہ ذرہ رشک آفتاب و ماہتاب ہے،آسمان علم وحکمت کے انگنت و بے شمار ماہ ونجوم سے علاقہ کا علاقہ درخشندہ وتابندہ ہے، اہل علم،اہل قلم،واہل زبان کی کمی

نہیں، اس دور قحط الرجال میں یہاں کے علماء، حفاظ، قراء ملک کی درسگاہوں پر بادل بن کر چھائے ہوئے ہیں، یہ جو کچھ بھی ہے سراج السالکین شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن محبی علیہ الرحمۃ والرضوان کی روحانی برکتوں کا ثمرہ ہے۔ کسی جماعت کو صدیوں بعد ایسی تاریخ ساز شخصیت میسر آتی ہے، آج بھی حضرت کا آستانہ مرجع خلائق ہے، عوام وخواص دونوں یہاں سے فیضاب ہوتے ہیں، بریلی شریف جو اہلسنت کا مرکز ہے وہاں کے اکابر مشائخ ہر دور میں یہاں آتے جاتے رہے ہیں اور نہ تو مرکز نے دینے میں بخل کیا اور نہ یہاں کے حضرات نے لینے میں کوتاہی کی۔ آج اسی کا نتیجہ ہے کہ اسے دوسرا بریلی کہتے ہیں۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت (۲۰۰۰ء ص ۶۷۵ ۶۷۷)

بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی

صوبہ بہار کے ضلع مظفر پور (موجودہ ضلع سیتامڑھی) علاقہ پوکھریرہ میں حامی دین وملت، عالم اہلسنت، ذات بابرکت حضرت مولانا عبدالرحمان محبی سنی مسلمانوں کے رہنماء، دین دار، دین پناہ سنی مسلمانوں کی جملہ دینی ضرورتوں اور مشکلوں کے عقدہ کشا خیرخواہ تھے۔

درس و تدریس، تقریر وتحریر، بحث ومناظرہ، اور تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ صاحب ارشاد واصلاح، تنظیم وتحریک کے سربراہ وہ ان سارے مورچوں پر بیک وقت نہایت مستعدی سے مصروف وعمل رہتے تھے (عظمت امام اعظم ص ۱۱)

محدث جلیل حضرت مولانا عبدالشکور صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔

صدیوں سے خانقاہیں اہل اسلام کو رشد وہدایت کی لازوال نعمتوں سے مالا مال کرتی چلی آرہی ہیں اور یہاں سے قلوب واذہان کی تطہیر، ذہن وفکر اور کردار وعمل کی اصلاح کا کام بحسن وخوبی ہوتا رہا ہے، انہیں میں سے ایک خانقاہ رحمانیہ ہے جو شمالی بہار سیتا مڑھی کے مشہور ومعروف قصبہ پوکھریرا میں واقع ہے۔ اس کے بانی شیخ طریقت، عالم شریعت حضرت علامہ ومولانا عبدالرحمٰن صاحب محبی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں جو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبوب ومحبّ ہیں، تیرھویں صدی کے اواخر سے چودھویں صدی کے اوائل تک آپ کی ذات سے خانقاہ رحمانیہ مینارۂ ہدایت واہل سنت وجماعت کیلئے مرکز بنی رہی اور یہاں سے تبلیغ دین واشاعت دین کا اہم ونمایاں کام انجام پاتا رہا۔ جب باطل فرقے مسلمانوں کے درمیان زہریلے افکار اور اسلام مخالف نظریات پھیلانے لگے، مصلح کے روپ میں فاسد معتقدات باتیں لوگوں کے ذہن تک پہونچانے میں شب وروز جد وجہد کرنے لگے، مبلغ بن کر ایمان وایقان کی جگہ مفروضہ ایمان وتوحید کی تبلیغ سے ماحول کو مسموم بنانے پر اترائے تو آپ (محبی) نے دعوت وتبلیغ کا کام تیز کرکے مسلمانوں کے مابین پاکیزہ وصحت مند ماحول بنایا ان کو ایمانی افکار ونظریات سے آگاہ کرکے راہ راست پر قائم رہنے کے لئے ذہن دیا، باطل کے مکر وفریب سے بچنے کیلئے تدبیریں بتائیں اور خود پاسبانی کا حق ادا کرتے

رہے (عظمت وامام اعظم ص ۱۳۳ سن اشاعت ۲۰۰۹ء)

حضرت محبی اور ان کی تحریکات

حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن محبیؒ کے فضائل مسلم ہیں ان کے کسبی و وھبی کمالات کو اجاگر کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی ان کے باقیات ہی کی حفاظت کا اگر انتظام ہو جاتا تو ان سے ان کے مقام و مرتبہ کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی، ان کے وصال ۱۹۳۱ء کے بعد ان کی تحریکات کو زندہ اور موثر بنانے کے لئے سنجیدہ مزاجی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا یہی وجہ کہ ان کی تحریکات رفتار رفتار زمانہ کے ساتھ زوال کا شکار ہوتی گئی، انہوں نے اپنے بعد ٹیم ورک کے لئے جو افراد چھوڑے تھے ان میں اعلیٰ صلاحیتیں موجود تھیں، پھر بھی کام کی رفتار دن بدن متاثر ہوتی رہی، اور زمینی حدود کا دائرہ روز بروز سمٹتا رہا اس پہلو پہ اب بھی غور کیا جا سکتا ہے اور تابناک مستقبل کے لئے موثر راہیں نکالی جا سکتی ہے. دنیا میں کسی بھی قوم کا وقار علم کے بغیر بلند نہیں ہو سکتا، دنیا میں جو قوم آج تیزی کے ساتھ بلندیوں کی سمت بڑھ رہی ہے اس کی ساری وجہ علم ہے، علم کے بغیر معرفت الٰہی کا حصول مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے، یہی وجہ ہے کہ ادیان عالم میں اسلام ہی واحد دین ہے جس نے حصول علم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ پر قرآن حکیم کی جو سب سے پہلی آیت اتری وہ علم ہی کے حوالے سے اتری۔ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان مرد عورت کے لئے حصول علم کو فرض قرار دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن محبیؒ علم دین کی دولت سے خوب اچھی طرح بہرور تھے، ان کے سینے میں مختلف علوم و فنون کی جو قندیلیں جل رہی تھیں ان قندیلوں سے وہ مسلمانوں کے سینوں کو روشن کر دینا چاہتے تھے، ان کا پاکیزہ سینہ مذہبی درد سے معمور تھا، اپنے علم کو انہوں نے حصول دولت کا ذریعہ بنانے سے یکسر گریز کیا، اگر ان کے دل میں حصول دولت کا جذبہ ہوتا تو وہ اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر ڈھیر ساری دولت اکٹھا کر لیتے، لیکن انہوں نے اپنے لئے کبھی نہیں سوچا، ان کا پورا وجود قومی و ملی درد کا آتش فشاں تھا، ان کے لئے ملک کی ہر بڑی درسگاہ کا دروازہ کھلا تھا مگر انہوں نے دعوت و تبلیغ کے لئے گاؤں کا انتخاب کیا یہ فیصلہ بھی ان کا تاریخی فیصلہ تھا کسی بھی فرد کا گاؤں میں رہ کر اپنی تحریکات کو کامیابیوں سے ہمکنار کر لینا یہ بہت دل گردے کی بات ہے، فولادی جگر کے حامل افراد بھی بہت کم ایسی جرأت کا مظاہرہ کر پاتے ہیں اس کے بہت سارے اسباب ہیں اور ان اسباب پہ روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی تو بات بہت طویل ہو جائیگی۔ حضرت محبیؒ نے سب سے پہلے اپنے گاؤں پوکھریرا میں مدرسہ نورالہدیٰ کی بنیاد رکھی اور اولین استاد کی حیثیت سے خود مسند درس وتدریس پر بیٹھ گئے۔ مدرسہ نورالہدیٰ، اس زمانے میں شمالی بہار کا سب سے پہلا مرکزی ادارہ تھا۔ شمالی بہار میں اس زمانے میں مدرسہ نورالہدیٰ کے علاوہ کسی دوسری مرکزی درسگاہ کا سراغ نہیں ملتا۔ مکاتب کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آج شمالی بہار میں بہت سارے قابل ذکر ادارے مصروف کار ہیں۔ انہیں مدرسہ نور الہدا کی تجلی ہی کا نام دیا جا سکتا ہے، یہی حقیقت ہے، اپنے طور پر کوئی کچھ کہہ سکتا ہے، لیکن حقیقت

کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے، مدرسہ نورالہدیٰ کو اگر صحیح سمت دینے کی کوشش کی جاتی تو آج اس کی حیثیت کسی یونیورسٹی سے کسی طرح کم نہ ہوتی۔ کسی چراغ کو اگر ایدھن فراہم نہ کیا جائے تو وہ بجھ جاتا ہے۔

انگریزی حکومت جہاں مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں پیچھے ڈھکیل دینا چاہتی تھی وہیں وہابیت مسلمانوں کے ایمان و عقیدے کے لئے زہر ہلاہل بنی ہوتی تھی مدرسہ نورالہدیٰ، ان دونوں طاقتوں کے خلاف وجود میں آیا تھا اور دونوں محاذوں پر اس کی کارکردگی اطمینان بخش نظر آتی ہے، صیہونیت کا تو پورے ملک سے جنازہ نکل گیا اور وہابیت پورے شمالی بہار میں بے آبرو ہو کر رہ گئی، لیکن عصر حاضر کا منظرنامہ پہلے کے بالکل برعکس ہے، اہل علم کو اس پہلو پہ متحد ہو کر سوچنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن محبیؔ نے مدرسہ نورالہدیٰ کی شکل میں علم کا جو پودا لگایا تھا جلد ہی وہ ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر گیا اور اس پاکیزہ درخت کے پھولوں کی خوشبو سے انسانیت کی مشام جاں معطر ہونے لگی، مدرسہ نورالہدیٰ کی تعمیر و ترقی میں آپ نے اپنے وجود کی ساری توانائی جھونک دی اور جلد ہی اسے قابل ذکر اداروں کی صف میں لا کھڑا کیا، انہوں نے درس و تدریس کے لئے قابل اساتذہ کا تقرر کیا اور انکی کارکردگی کا خود جائزہ لیتے۔ اگر کہیں کوئی کمی نظر آتی تو حسن تدبیر سے اس کی اصلاح فرماتے طلبہ کو بہت عزیز رکھتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے، ادارے کی شہرت جلد ہی شمالی بہار کے سرحدوں سے نکل کر دور دراز علاقوں تک پہونچ گئی اور تشنگان علوم کے قافلے جوق در جوق آنے لگے۔ ان کی تعمیر کردہ ادارہ راقم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ان کا تعمیر کردہ عمارت آج کی بنسبت اچھی تھی، پہلے کی عمارت سے ان کا خلوص اور علمی رعب ٹپکتا تھا۔ شمالی بہار میں فروغ علم کے حوالے سے مدرسہ نورالہدیٰ کی تاریخ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، مدرسہ نورالہدیٰ کا ماضی اور حال کے عنوان سے مستقبل ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حضرت محبیؔ کے حوالے سے راقم نے جب مقالہ لکھنے کا ارادہ کیا تو ذاتی لائبریری میں ڈاکٹر حسن رضا خاں صاحب کی پی، ایچ، ڈی کی تھیسس پر نگاہ پڑی سوچا کہ اس میں حضرت محبیؔ کا تذکرہ ضرور ہوگا اس لئے کہ حضرت محبیؔ اعلیٰ حضرت کے معاصر تھے اور فکر رضا کی ترویج میں ان کا قائدانہ رول رہا ہے، لیکن پوری کتاب دیکھنے کے بعد شدید افسوس ہوا، ڈاکٹر موصوف نے کہیں بھی ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے جبکہ کتاب کے کئی عناوین ایسے ہیں جہاں ان کے ذکر کی کافی گنجائش تھی۔

حضرت محبیؔ جہاں بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے وہیں وہ اپنے وقت کے فقیہ بھی تھے، اور ان کی فقہی خدمات بھی روشن ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اعلیٰ حضرت کے معاصر فقہاء کا عنوان قائم کیا ہے اس عنوان کے ضمن میں انہوں نے فقہائے دیابنہ اور وہابیہ کا ذکر کیا ہے لیکن حضرت محبیؔ کا ذکر نہیں کیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے قصداً حضرت کو نظر انداز کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے معاصرین میں بھی ان کا ذکر ہو سکتا تھا۔ ڈاکٹر حسن رضا خاں صاحب نے بہت دنوں تک مدرسہ نورالہدیٰ میں تعلیم بھی حاصل کی

ہے اور آج وہ جو کچھ ہیں وہ سب نور الہدیٰ کا فیضان ہے۔انہوں نے حضرت محبیؔ کی دینی خدمات کو زیادہ قریب سے دیکھا ہے۔وہ چاہتے تو ان کا تفصیلی سوانحی خاکہ پیش کر سکتے تھے، چونکہ اعلیحضرت پہ پی، ایچ، ڈی کرنے والوں میں انہیں اولیت حاصل ہے اسطرح حضرت محبیؔ کی خدمات سے ایک زمانہ متعارف ہوسکتا تھا، آج فقیہ اسلام کو ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ ہر چند کے اس کے بہت سارے پہلو پر کلام کیا جاسکتا ہے اور بحث وتمحیص کے دروازے کھولے جا سکتے ہیں۔ بہت سارے مقامات پر ایک عام قاری تشنگی کا احساس کرتا ہے۔

حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن محبیؔ کی شخصیت دینی درد سے عبارت تھی آپ کی دینی خدمات کا دائرہ قریب قریب چھ دہائیوں پر محیط ہے۔ کسی بھی تحریک کو کامیابیوں کی دہلیز تک پہنچنے کے لیے چھ دہائیوں کا عرصہ کم نہیں ہوتا، تاریخی شواہد سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی ہر تحریک کا شباب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے اپنی مسلسل جدو جہد سے شمالی بہار میں کسی بھی اسلام مخالف طاقت کو اس لائق نہیں رہنے دیا تھا جو ان کے سامنے سر اٹھا کر دیکھ سکے۔

انجمن نور الاسلام

حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن محبیؔ کی تین اہم تحریکات تھی، درس وتدریس کے لئے مدرسہ نور الہدیٰ، دعوت وتبلیغ اور تالیف وتصنیف کے لئے انجمن الاسلام اور ذہنی وفکری اصلاح کے لئے رسالہ نور الہدیٰ۔ اسلامی اقدار وروایات کی ترویج واشاعت کے لئے یہ تحریکات معزز کی حیثت رکھتی ہیں جس جماعت کے پاس اس طرح کی تحریکات ہوں گی پورا انسانی ماحول اس کے کنٹرول میں ہوگا اور ان کے سہارے انسانی فکر و خیال کا قبلہ آسانی کے ساتھ بدلا جاسکتا ہے، مجھے حضرت محبیؔ کی فراست اور جرأت و ہمت پہ حیرت ہوتی ہے وہ ایک بنجر دیہات میں بیٹھ کر اپنی اس طرح کی تحریکات کے لئے وسائل کہاں سے اکٹھا کر لیتے تھے۔ غریبی، مفلسی اور تنگ دستی اس عہد کے مسلمانوں کے بنیادی مسائل تھے ایسے ماحول میں قومی تعمیر وترقی کا بیڑا اٹھانا اور ہر جگہ اپنی موجودگی کا احساس دلانا یہ بڑے جگر کی بات ہے اور ایسا جرأت مندانہ قدم وہی اٹھا سکتا ہے جسے رحمت الٰہی پہ کامل اعتماد ہو اور جو فراست مومنانہ کا حامل ہو۔ آج وسائل کی کثرت کے باوجود اہل سنت وجماعت کی تحریکات غیر موثر نظر آتی ہیں۔ رسائل وجرائد کے معاملے میں بھی اہلسنت کسی قطار میں نظر نہیں آتے۔

انجمن نور الاسلام حضرت محبیؔ کی ایک انتہائی موثر تحریک تھی، اس تحریک کے دائرۂ کار میں بڑی وسعت تھی، اس میں شمالی بہار کے ممتاز خطوں کے ممتاز افراد شریک تھے، انجمن کی مجلس شوریٰ میں علماء ومشائخ کی اکثریت تھی، ہنگامی صورت میں تمام نمائندہ کو صدر دفتر میں مدعو کیا جاتا اور انہیں ان کی ذمہ داریاں سونپ دی جاتیں۔ اس تحریک نے شمالی بہار کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے بہت قریب کر دیا تھا اور سب کے سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تھے۔ حضرت محبیؔ نے پورے خطے میں مشربی اختلافات کو کبھی ابھر نے نہیں دیا وہ خود نور الحلیمی تھے لیکن ان پہ رضویت کا رنگ

غالب تھا اور انہوں نے تا حیات مسلک رضویت کی ترویج کو اپنی زندگی کا ترجیحی حصہ بنائے رکھا اور آج ان کی آل واولاد بھی ان کی اس محبوب روش کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

انجمن نورالاسلام کے پلیٹ فارم سے دعوت وتبلیغ، اصلاح فکر واعتقاد اور ردوہابیہ کے لئے باصلاحیت علماء کی ٹیم پورے علاقے کا دورہ کرتی اور اپنی روداد صدر دفتر میں پیش کرتی، حضرت محبیؔ اس روداد کا خود جائزہ لیتے اور اس کی روشنی میں آگے کی حکمت عملی تیار کرتے، جس طرح ایک درد مند باپ اپنے تمام بچوں پہ کڑی نگاہ رکھتا ہے اور ان کی تعلیم وتربیت پہ خصوصی توجہ دیتا ہے اسی طرح حضرت محبیؔ پورے شمالی بہار کے مسلمانوں کی فلاح کے لئے کوشاں رہتے، ان کی ذات فولادی عزم کی حامل تھی، ان کے عزم کو دیکھ کر بڑے بڑے طوفان اپنا رخ بدلنے پر مجبور ہو جاتے تھے، وہ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے اور جو فیصلہ کرتے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے یہی وجہ ہے کہ ان کی رائے سے کبھی کسی کو اختلاف کا موقع نہیں ملا۔ رحمت الٰہی ہر وقت ان کی پناہ گاہ بنی رہی۔

انجمن نورالاسلام کے اغراض ومقاصد میں جلسے وجلوس کا انعقاد بھی شامل تھا۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت محبیؔ اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے تاریخ ساز کانفرنس کیا کرتے تھے اور ان کانفرنسوں میں پورے ملک کی نمائندگی ہوتی تھی، حیرت سرنوچتی ہے کہ ایک بستی جہاں اس ترقی یافتہ دور میں بھی بنیادی سہولتوں کا فقدان ہے حضرت محبیؔ اتنے بڑے بڑے پروگرام کس طرح کرلیا کرتے تھے بے سروسامانی کے عالم میں جس طرح کا وہ تاریخی اجلاس کیا کرتے تھے آج کثرت وسائل کے وجود ویسے اجلاس کے تصور سے جسم میں کپکپی پیدا ہو جاتی ہے ان کے تاریخی کارناموں سے اس احساس کو تقویت ملتی ہے کہ ان کہ ساتھ بڑی غیبی طاقت تھی۔ سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کا دماغ حاضر رہتا، مشکلات سے کھیلنا ان کی عادت تھی ان کی ذات ہر دور کہ مصلحتیں امت کے لئے نمونہ ہے، اب ذیل میں انجمن نورالاسلام کے اغراض ملاحظہ کریں۔

(۱) بد مذہبوں کے بیجا اعتراضات کا دنداں شکن جواب دینا اور رسالہ جات ان کے رد میں شائع کرنا۔

(۲) علمائے دور ونزدیک کو تشریف آوری کی تکلیف دیکر مسلمانان موجودہ کو ان کے درر اور پند ونصائح سے مالا مال کرنا۔

(۳) نامی واعظین اور خود ناظم انجمن کا گشت کر کے ہدایت کرنا۔

(۴) نادار یتیموں کے لئے تعلیم کا بار کفالت اپنے سر لینا۔

(۵) عند الضرورت حسب وسعت تیاری مسجدوں میں مدد دینا۔

(۶) نومسلموں کی پرورش، پرداخت کی طرف توجہ رکھنا

(۷) ایک مدرسہ قائم رکھنا جس میں غرباء ویتیم لڑکے تعلیم پائیں بالخصوص اور امراء بالعموم

(۸) ہر استفتاء کا جواب برطبق مذہب حقہ حنفیہ با التحقیقات علماء ربانیں اور حسب رواج مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ دینا۔

(۹) نادار غربا بیماروں کا علاج کرانا (...... پیغام رضا فکر و

(تدبیر نمبر ص ۱۸۶۔۱۸۷ جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء)

انجمن نور الاسلام کے مذکورہ اغراض و مقاصد سے ان کے خیالات و تصورات کی وسعت اور ملی دور کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ اغراض و مقاصد صرف رجسٹر کی زینت نہیں تھے جیسا کہ آج کی تنظیموں کا مزاج ہے۔ آج جو تنظیمیں وجود میں آتی ہیں ان کا دائرہ صرف اور صرف کاغذ تک محدود ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور جو بھی تنظیمیں تشکیل پاتی ہیں آل انڈیا ہوتی ہیں، صوبائی اور علاقائی سطح کی تنظیم بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے انجمن نور الاسلام علاقائی سطح کی تنظیم تھی لیکن اس کے اثرات سے شمالی بہار کا کوئی حصہ خالی نہ تھا، بلکہ ملک کے مرکزی مقامات تک اس کی آواز پہنچتی تھی، اور ملک کی مشاہر شخصیات اس کی کارکردگی سے متعارف بھی تھیں اور متاثر بھی ان سب کے باوجود ملک کا دانشور طبقہ مسلسل حضرت محبیٰ کو نظر انداز کرتا آرہا ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی تحریکات سے ان کا رشتہ کبھی ٹوٹا نہ کمزور ہوا۔ ان کی ذات ہر اعتبار سے سفیر فکر رضا تھی محققین رضویات کو اس حوالے سے سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے، ان کی شخصیت کھوکھلی نہیں تھی وہ علم و عمل اور عشق کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے ان کے علمی مقام و مرتبہ کو ان کی تصنیفات سے سمجھا جا سکتا ہے۔

رسالہ نور الہدیٰ

صحافت عربی زباں کا لفظ ہے اور صحف سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ صفحہ، کتاب یا رسالے کے ہیں۔ اردو دائرہ المعارف اسلامیہ کے مطابق صحیفہ کے لغوی معنی وہ چیز ہے جس پر لکھا جا سکے جدید عربی میں صحیفہ کے معنی جریدہ اور اخبار کے بھی ہیں

صحافت معاشرے کی بہتر تربیت بھی کرتی ہے۔ قیام امن میں معاون بھی ہوتی ہے اقدار و روایات کو تحفظ بھی فراہم کرتی ہے اور عوامی رجحانات کی رہنمائی کے ساتھ عوام کے حقوق کی حفاظت بھی کرتی ہے۔

رسالہ نور الہدیٰ پندرہ روزہ رسالہ تھا کسی رسالے کا اجرا کس قدر دشوار ہے اہل نظر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس سے مالی منفعت کی توقع فضول ہے صحافت ایک ایسی وادی ہے جہاں پاؤں ہی نہیں پورا وجود لہولہان ہوتا ہے۔ لیکن جنہیں ملک وملت کا درد عزیز ہوتا ہے، خطرات سے کھیلنا ان کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح عشق ذات پات اور رنگ و نسل کی تمیز نہیں کرتا اسی طرح ملی درد خطرات کو خاطر میں نہیں لاتا، درد ملت انسان کو ہر وقت بیدار رکھتا ہے۔ صحافت کے میدان میں وہی شخص قدم رکھتا ہے جو کسی نہ کسی درد سے آشنا ہوتا ہے۔ حضرت محبیٰ کا پورا وجود ملی درد میں ڈوبا ہوا تھا وہ صدیوں کا کام منٹوں میں کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنی قوم کو زندگی کے ہر شعبے میں متحرک دیکھنا چاہتے تھے۔ اسلام مخالف قوتوں کے بڑھتے ہوئے اثرات انہیں کسی کروٹ چین لینے نہیں دیتے تھے۔ وہ ہر باطل قوت کو اپنے عمل سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنی آواز اپنا پیغام شمالی بہار کے ہر خطے میں تسلسل کے ساتھ پہنچانا چاہتے تھے اور اس کیلئے رسالے سے بہتر وسیلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ تقریر کا اثر دیرپا نہیں ہوتا لیکن تحریر کا اثر اور اسکی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر حضرت محبیٰ کے کتب و رسائل تمام کے تمام دستیاب

ہو جائیں تو اس کی روشنی میں شمالی بہار کی مکمل تاریخ ترتیب دی جاسکتی ہے۔رسالہ نورالہدیٰ کی غرض و غایت جو تحریر ملتی ہے ذیل میں دیکھیں۔

الحمدللہ کہ افق ترہت سے آفتاب ہدایت نے طلوع فرما کر اپنے دینی نور سے عالم کو منور کیا۔شب جہل وضلالت کافور،ظلمت وبطالت دور ہوئی،اہل طغیاں کیں آنکھیں مثل موش کور بے نور کور ہوئیں۔اہل بطلان کی اس کے مطالعہ سے آنکھیں کھل گئیں۔عوام اہل سنت کے لئے کحل بصیرت افزاء،خواص حق کی آنکھوں کا تارا مسمیٰ بہ نورالہدیٰ فی ترجمۃ المجتبیٰ جو تالیف سے حامئی اہل سنت،ماحئی بدعت مولانا مولوی محمد عبد الرحمٰن صاحب محبیؔ پوکھریروی کے ماہ بماہ جز پوکھریرا، ڈاکخانہ رائے پور،ضلع مظفر پور سے شائع ہوتا ہے اور تین روپیئے سالانہ پر ہر شائق کی خدمت میں پہونچتا ہے اگر شائقین نے توجہ کامل فرمائی تو بہت جلد اس ترجمہ مجتبیٰ یعنی نسائی شریف کی تکمیل ہو جائیگی اور دو جز سے زائد ماہانہ طبع کی نوبت آئے گی واللہ ولی التوفیق حضرت محبیؔ کا گوشہ حیات ۴۴۲

حضرت محبیؔ شمالی بہار کا ایک ایسا کردار ہے جسے نظرانداز کر کے شمالی بہار کی کوئی تاریخ مکمل نہیں سمجھی جاسکتی، ان کے بعد شمالی بہار میں اہلسنت و جماعت میں ان سے بڑا کوئی مصلح مبلغ اور داعی پیدا نہیں ہوا۔آج شمالی بہار میں اہلسنّت کی جو بہاریں نظر آرہی ہیں سب انہیں کی رہین منت ہیں ان کے بعد دوسرے ملغین بھی نمودار ہوئے ہم ان کی خدمات سے انکار نہیں کرسکتے لیکن حضرت محبیؔ کو ہر حال میں مقدمۃ الجیش کی حیثیت حاصل رہے گی۔آج وہ ہم میں موجود نہیں ہیں پھر بھی ان کے جذبات واحساسات کی پرنور کرنیں آگے بڑھنے کا ہمیں حوصلہ فراہم کرتی ہیں،ان کی شخصیت کو تعصب،تنگ نظری اور خاندانی عصبیت سے بالاتر ہوکر سمجھنے کی ضرورت ہے آج متحد ہوکر ان کی تحریکات کو پھر سے زندہ کرنے کی راہیں ہموار کی جائیں۔اگر ہم نے ایسا کرلیا تو جماعتی حوالے سے ایک نئے دور کا آغاز ہوجائیگا

حضرت محبیؔ کے باقیات

حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن محبیؔ تاحیات دینی، ملی اور معاشرتی ذمہ داریوں میں خود کو الجھائے رکھا، ان کی تبلیغی ودعوتی خدمات کا دائرہ چھ دہائیوں سے زائد پر پھیلا ہوا ہے، ان چھ دہائیوں میں انہوں نے کس قدر تحریری، تدریسی، تقریری اور تبلیغی جواہر پاروں کو وجود بخشا ہوگا اس کا صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔اس لئے کہ انہوں نے جو بھی کام کیا ہے مشینی انداز میں کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنے آخری سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے اس وقت پورا شمالی بہار دینی افکار کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔انہوں نے عوامی سطح پر عقیدہ اور سنیت کے فلسفے کو پورے طور پر مسلمانوں کے ذہنوں پر اتار دیا تھا۔بدعقیدگی اور خوش عقیدگی کے فرق کو خوب اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔انہوں نے تالیفات و تصنیفات کی شکل میں اپنا بہت بڑا تحریری سرمایہ چھوڑا۔درسگاہ کی شکل میں مدرسہ نورالہدیٰ، چھوڑا اور اپنی تحریک کو آگے بڑھاتے رہنے کے لئے اپنے صاحبزادگان وتلامذہ کی بہت بڑی جماعت چھوڑی،انہوں نے اپنے بچوں اور تلامذہ کو زندگی اور زندہ رہنے کے طریقوں سے آگاہ کردیا تھا اور

مذھب ومسلک کی سربلندی وسرفرازی کے لئے جس طرح آلات کی ضرورت ہوتی ہے اس سے بھی آگاہ کردیا تھا۔ انہوں نے خاص طور پر اپنے صاحبزادگان کے دلوں میں دینی جذبہ اور دینی علوم وفنون کے حصول کی جو تڑپ بھر دی تھی وہ تڑپ دیرپا ثابت ہوئی۔ آج بھی اہل خاندان اس تڑپ کو اپنے سینوں میں بسائے ہوئے ہیں اور مجھے اسی جذبے اور تڑپ پہ گفتگو کرنی ہے۔

پوکھریرا علماء مشائخ کا گڑھ سمجھا جاتا ہے وہاں کا ہر فرد پہلے اپنے بچوں کو دینی شعور کی دولت سے آراستہ دیکھنا چاہتا تھا لیکن اب یہ جذبہ بہت حد تک سرد پڑ چکا ہے۔ وہ خانوادے جو اپنی فرضی برتری کا ڈھول پیٹ پیٹ کر لوگوں کی نیند خراب کررہے ہیں ان کے گھروں سے بھی دینی علوم وفنون کے حصول کا جذبہ رخت سفر باندھ چکا ہے۔ مگر حضرت محیؔ کی نسل میں آج بھی یہ جذبہ پورے آب وتاب کے ساتھ موجود ہے۔ میں یہاں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے کسی کے خانگی دعائیہ معاملات سے کوئی مطلب نہیں اور نہ کسی کی ذاتی زندگی میں مجھے جھانکنے کی ضرورت ہے۔ مجھے صرف دینی علوم کے حصول کے جذبے کا ذکر مقصود ہے، ذیل کی گفتگو سے قارئین کو اس چیز کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

رب کائنات نے حضرت محیؔ کو جہاں اپنی دوسری بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا وہیں انہیں اولاد کی نعمت سے بھی بہرور فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں عطا کی تھی اور انہوں نے سب کو دینی علوم وفنون کی دولت سے آراستہ کیا تھا۔ ان کے صاحبزدگان کا اپنے وقت کے موقر علماء میں شمار ہوتا تھا اس چیز کا اعتراف اس دور کے اکابر علماء ومشائخ نے بھی کیا ہے، اس سلسلے میں آگے حضور صدر الافاضل کا اعترافیہ گزر چکا ہے اور بھی دوسرے علماء کے اعترافی بیانات ملتے ہیں، چونکہ اس دور میں اس طرح کی تحریروں کے تحفظ کا سامان نہیں کیا گیا اس لیے آج ان کے حوالے سے کسی بات کے ثبوت کے لیے در در کی خاک چھاننے کی ضرورت پڑتی ہے، اب ذیل میں حضرت محیؔ کے خاندان میں علم دین سے ربط وتعلق اور جذب وشوق ملاحظہ کریں۔

حضرت محیؔ کے صاحبزدگان

(۱) حضرت مولانا شاہ ولی الرحمٰن صاحب (۲) حضرت مولانا حکیم عطاء الرحمٰن صاحب۔ (۳) حضرت مولانا حافظ شریف الرحمٰن صاحب۔ (۴) مولوی حبیب الرحمٰن صاحب

حضرت مولانا شاہ ولی الرحمٰن علیہ الرحمہ کا شمار اپنے وقت کے جید علماء میں ہوتا تھا انہیں بہت سارے علوم وفنون پہ مہارت تامہ حاصل تھی۔ زہد وتقویٰ میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کو حضور حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی شاہ حامد رضا خان بریلوی اور حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری علیہما الرحمہ سے خلافت واجازت حاصل تھی، حضرت مولانا حکیم عطاء الرحمٰن صاحب کو بھی کچھ اکابر شخصیات سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ ان کا بھی علمی پایہ بہت بلند تھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزدگان

(۱) سلطان المناظرین حضرت مولانا عبید الرحمٰن صاحب (۲) حضرت مولانا حافظ حمید الرحمٰن صاحب (۳) حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب۔ (۴) حضرت مولانا عذید الرحمٰن صاحب (مرحوم)

حضرت مولانا حکیم عطاء الرحمٰن صاحب کے صاحبزادگان

(۱) حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمٰن نوریؔ علیہ الرحمہ اپنے وقت کے زبردست عالم تھے، اور اپنے آبائے کرام کے سچے علمی وارث بھی (۲) حضرت مولانا حافظ الطاف الرحمٰن، (۳) حضرت مولانا عقیل الرحمٰن نعمانی مصباحی، (۴) حضرت مولانا حافظ نور الرحمٰن شوقؔ مظفر پوری۔

حضرت مولانا حافظ شریف الرحمٰن کے صاحبزادگان

(۱) حضرت مولانا ظریف الرحمٰن، (۲) حضرت مولانا لطیف الرحمٰن، (۳) حضرت مولانا قاری نجیف الرحمٰن، (۴) حضرت مولانا علیف الرحمٰن مصباحیؔ،

مولوی حبیب الرحمٰن کے صاحبزدگان میں کوئی عالم نہیں ہوا لیکن دینی جذبوں سے سب معمور تھے۔

مذکورہ بالا حضرات سے خاندان محبؔی کی علمی و افرادی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے خاندان کی جو بھی صورت حال ہے اس پر بھی مذہبی رنگ غالب ہے، اور ہر گھر میں علماء کی اکثریت ہے، اس کے باوجود حضرت محبؔی کے مشن کو جو فروغ ملنا چاہیے وہ نہیں مل سکا، بلکہ انہوں نے جو ماحول سازی کر دی تھی اسے بھی تحفظ دینے کی کوشش نہیں کی گئی، حضرت محبؔی کے بے لوث دینی جذبات کے باعث پوکھریرا کو مرکزی حیثیت مل گئی تھی، اب گاؤں کی مرکزیت پر سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔

ہم نے اوپر حضرت محبؔی کی دو نسل کا ذکر کیا ہے۔ ابھی ان کی چار نسل کا ذکر باقی ہے پوکھریرا میں تین دینی درسگاہیں ہیں ایک حضرت محبؔی کا قائم کردہ ادارہ مدرسہ نور الہدیٰ ہے جس کے صدر مدرس حضرت مولانا حافظ حسن الرحمٰن ہیں دوسرا ادارہ مدرسہ رحمانیہ، حامدیہ ہے۔ حضرت مولانا حافظ حمید الرحمٰن صاحب اس کے ناظم اعلیٰ ہیں اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد رضا صاحب صدر مدرس ہیں تیسرے ادارے کے بانی و سربراہ حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب ہیں۔

حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن محبؔی علیہ الرحمہ کا دل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی کی محبت کا مدینہ تھا یہ دولت خاندان میں وراثت کے طور پر تقسیم ہوتی آ رہی ہے۔

خانقاہ رضویہ سے خانقاہ رحمانیہ کا رشتہ آج بھی بڑا مربوط ہے۔ خانقاہ رحمانیہ شمالی بہار میں مسلک اعلیٰحضرت کی ترجمان اور نمائندہ خانقاہ ہے۔

مظہر اعلیٰ حضرت، ایک مظلوم داعی

مولانا محمد نقیب الرحمٰن حشمتی

ہر دور میں حق شعاروں کو باطل قوتوں نے ظلم واستبداد کا نشانہ بنایا، ان پر جبر وتشدد کے پہاڑ توڑے گئے، انہیں مشق ستم بنایا گیا۔ یہ سلسلہ دور نمرودی سے اسلام کی آبیاری کے زمانے تک پھر کربلا کے خونی منظر سے گزرتا ہوا خلق قرآن کا مسئلہ پیش آنے تک اور اکبر کے خود ساختہ ''دین الٰہی'' کے دور سے تجاوز کرتا ہوا چودھویں صدی ہجری تک پہونچا جس وقت ہر چہار جانب سے بد مذہبیت والا دینیت کا سیلاب امنڈ پڑا تھا ایک سالار اعظم کمر بستہ ہوا اور تمام باطل مذاہب کے شیش محل کو چکنا چور کرتا چلا گیا جو یہ دیکھے بغیر کہ کون اپنا ہے اور کون بیگانہ، برملا اظہار حق کرتا رہا جس کے صلہ میں لوگوں نے مغلظات بھرے خطوط بھیجے اور ان کی عزت وحرمت کو مجروح کرنے کی خاطر طرح طرح کی سازشیں رچیں گئیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے مگر، دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست کے مطابق حاسدین ومعاندین کو ہمیشہ اپنے منہ کی کھانی پڑی اور اس عظیم رہبر پرسوز داعی اور مصلح امت کی شخصیت دن بدن نکھرتی چلی گئی۔

اس ذات گرامی کو دنیا امام اہلسنن، فخر زمین وزمن، سرمایۂ علم وفن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ اسی جلیل القدر بارگاہ کا پروردہ اپنے مربی ومرشد کا مظہر بن کر باطل مذاہب وادیان کے مقابل صف آرا ہو گیا اور گستاخان رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زندگی بھر یہ کہتا رہا۔

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر یہ ہم سے کبھی نہ ہوگا نبی کا جاہ وجلال دیں گے

اس عظیم المرتبت شخصیت کا نام مظہر اعلیٰ حضرت شیر بیشۂ اہلسنّت امام المناظرین غیظ المنافقین علامہ الحاج الشاہ مفتی ابوالفتح عبید الرضا محمد حشمت علی خاں صاحب قبلہ قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ ہے جو عمر بھر دشمنوں کا مشق ستم بنا رہا اور اپنوں کی بھی اذیتیں برداشت کرتا رہا مگر صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑا۔ اور اعدائے اسلام کے لئے ''استداء علیٰ الکفار'' کی عملی تفسیر بنا رہا اور اسلام کے ماننے والوں کے لئے ''رحماء بینھم'' کی عملی تشریح کرتا

متعلم جامعہ اسلامیہ روناہی، فیض آباد، (یوپی)

رہا چنانچہ شہزادۂ محدث اعظم ہند شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

دشمنوں پہ بن کے چمکا ذوالفقار حیدری
اور جب اپنوں میں پہنچا پیار کی شبنم ہوا

آپ نے دین حق کی خاطر نہ جانے کتنے ظلم و بربریت کا سامنا کیا کبھی اسٹیج پر پتھروں کی بارش کی گئی کبھی راستہ میں سامان لٹوایا گیا کبھی آپ پر جھوٹا مقدمہ چلایا گیا یہاں تک کہ گھر پر بھی اینٹ اور پتھر برسائے گئے چنانچہ برادر شیر بیشۂ اہلسنت محبوب ملت علامہ الحاج الشاہ مفتی محبوب علی خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان رقمطراز ہیں:

''لیگ اور کانگریس کی سرگرمیوں کے دوران حضرت شیر بیشۂ اہل سنت لیگ اور کانگریس دونوں سے الگ رہے بلکہ دونوں پر احکام شرعیہ تحریراً وتقریراً فرماتے رہے اس دور میں ایک زمانہ حضرت کا مخالف ہوگیا۔ مگر آپ نے اپنی حق پسندی اور حق گوئی کو نہ چھوڑا۔ آپ کے گھر میں اینٹیں پھینکی گئیں۔ حکام وقت کی جانب سے خارج البلد ہونے کی دھمکیاں دی گئیں۔ قتل کی سازش کی گئی مگر آپ نے حق پسندی کو نہ چھوڑا ایسے ماحول میں بھدرسہ کے وہابیوں نے حضرت پر مقدمہ دائر کردیا۔'' (سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۱۵۴ مطبوعہ عسکری اکیڈمی کرنیل گنج کانپور)

آپ نے دین پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے نہ کبھی کسی مصلحت کو دیکھا نہ ہی کسی کی خوشی وناراضگی کا لحاظ کیا بلکہ جسے حق سمجھا اس کا برملا اظہار فرمایا اور ہر حال میں یہی حال رہا کہ

ع اسی کا نام لیا جس کا نام لینا تھا

یہی وجہ تھی کہ کچھ اپنے بھی زبان طعن دراز کئے اس موقع پر بھی انہوں نے اعلیٰ حضرت کا مظہر بن کر بہت ہمت اور حوصلہ سے کام کیا اور حاسدین کے حسد کی آگ ان کے قریب نہ پہونچ سکی۔ اور وہ زبان حال سے کہتے رہے جیسا کہ مجدد مائۃ ماضیہ مؤید ملت طاہرہ سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ارشاد فرمایا تھا:

اک طرف اعدائے دیں ایک طرف ہیں حاسدیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروڑوں درود

حضور پاسبان ملت خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ الباری تحریر فرماتے ہیں:

''میرے شیر! دنیا نے تمہاری شیریں بیانی کو تلخ نوائی سے تعبیر کیا۔ اس راہ میں تم نے صرف غیروں ہی کے نہیں بلکہ اپنوں کے بھی تیر سہے، تمہیں طعنے دیئے گئے تمہارے انداز کلام پر پھبتی کسی گئی ڈھکے چھپے نہیں بلکہ کھلے بند، تمہاری سخت گیری پر حملہ کیا گیا۔ تمہارے معاصرین نے تمہارا مذاق اڑایا۔''

(مناظرۂ سنبھل ص ۸ مطبوعہ عسکری اکیڈمی کرنیل گنج کانپور)

یہ بالکل حق وصحیح ہے کہ موت اپنے وقت مقررہ سے نہ تو ایک آن پہلے آسکتی ہے اور نہ ہی بعد میں مگر اس کا بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ وبہانہ ہوتا ہے اسی قانون فطرت کے تحت سرکار شیر بیشۂ اہلسنت علیہ الرحمہ بھی اس راہ سے گزرے اور جو بات آپ کی حسرتناک وفات کا سبب وذریعہ بنی وہ بھی اعدائے دیں پاک خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے مظالم ومصائب کا ایک حصہ ہے جسے آپ ہی کے برادر اصغر حضور محبوب ملت علیہ الرحمہ کے نوک قلم سے نکلے ہوئے جملوں میں ملاحظہ فرمائیں فرماتے ہیں

''ضلع بارہ بنکی میں قریب قریب پے در پے جو وہابیوں، دیوبندیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور لکھنؤ و دیوبند وندوہ سے کوئی مناظر دیوبندیوں کی مشکل کشائی نہ کرسکا تو بے دینوں نے کسی ذریعہ سے حضرت کو زہر دے دیا اور وہ فوری اثر کرنے والا نہ تھا بلکہ آہستہ آہستہ اس کا اثر ہوا ہے۔''

(سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۲۳۹)

بقول حضور پیرو مرشد، شہزادۂ شیر بیشۂ اہلسنت فاتح کشمیر حشمتی شمشیر شیر ہندوستان آفت جان وہابیت علامہ الحاج الشاہ محمد ادریس رضا خاں صاحب قبلہ حشمتی دامت فیوضہم العالیہ۔

''یہ زہر آپ کو ضلع بارہ بنکی کے ''رسولی'' نامی گاؤں میں پان کے اندر رکھ کر دیا گیا اور اسی کے اثر سے مذہب اسلام کا ایک جانباز مظلوم داعی ۸/محرم الحرام ۱۳۸۰ھ بروز یکشنبہ دنیائے سنیت کو داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ اسی کی منظر کشی کرتے ہوئے شاعر اسلام اجمل سلطانپوری صاحب نے کہا تھا۔

وہ کہتے تھے نبی کے عشق میں مرمر کے جی لیں گے
نبی کے نام پر گر زہر مل جائے تو پی لیں گے
شہید ملت اسلامیہ کا غم ہے سینے میں
شہادت ان کو راس آئی محرم کے مہینے میں

جس مرد مجاہد نے دین اسلام کی حفاظت وصیانت اور نشر واشاعت کی خاطر اپنی جان ومال، عزت وآبرو غرضیکہ سب کچھ قربان کردیا ہو، اس عظیم محسن کے تعلق سے دین وسنیت کے متبعین کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ ان کا احسان مانیں، ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت ومحبت پیش کریں اور ان کا شایان شان تعارف کرایا جائے ورنہ احسان فراموشی اور ان کی ذات کے ساتھ ناانصافی ہوگی مگر افسوس کہ آپ کی بارگاہ میں خراج تحسین پیش کرنے والے کو روکنے کی کوشش کی گئی جس کی ظلم بھری داستان کا عکس حضور پاسبان ملت علیہ الرحمہ کے درد بھرے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

''بعض لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ حضرت علیہ الرحمہ کے حالات زندگی کی اشاعت پر پرچہ بدنام ہوجائے گا۔ میں نے ان سے کہا اور کھلے بند اعلان کئے دیتا ہوں کہ ''پاسبان'' میری تجارت نہیں۔ بلکہ وہ میری عقیدت ومحبت کا ترجمان ہے۔ جس کو ''پاسبان'' کی پالیسی سے اختلاف ہو وہ خود ہمارے راستے سے الگ ہوجائے، ہماری راہ بدلنے کی کوشش نہ کرے''

(سہ ماہی پیغام رضا ممبئی اپریل تا جون ۲۰۰۹ء کا فکر وتدبیر نمبر ص ۲۶۲)

حضور خطیب مشرق علیہ الرحمہ کی یہ تحریر لوگوں کے قلب وجگر کو جھنجھوڑ رہی ہے کہ اپنی تاریخ کو نہ بھلاؤ کیونکہ

اپنی تاریخ کو جو قوم بھلادیتی ہے
صفحۂ دہر سے وہ خود کو مٹا دیتی ہے

❁❁❁

حضور شیر بیشۂ اہلسنّت اپنی تصنیف

قہر واجد دیان کی روشنی میں

مفتی محمد اختر حسین قادری

اس دنیائے بے ثبات اور عالم رنگ و بو میں لاتعداد ایسی نفوس قدسیہ اور عبقری شخصیات منصۂ شہود پر جلوہ بار ہوئیں جن کے فضل و کمال، حکمت و دانش اور فکر رسا کی عطر بیزی سے کائنات کا گوشہ گوشہ مشکبو اور معطر ہے۔ جن کی حیات طیبہ کا لمحہ لمحہ خدمت دین حنیف اور ترویج حق و صداقت کے خوشنما جھومر سے آراستہ و پیراستہ ہے اور احقاق حق وابطال باطل کے زریں کارنامے سے درخشندہ و تابندہ ہے۔

چودھویں صدی ہجری کے پر آشوب دور اور کربناک ماحول میں جس عظیم ذات نے تقدیس الوہیت، تعظیم نبی، توقیر صحابہ، محبت اہل بیت، احترام اولیاء، تکریم علما اور تصلب فی الدین کا تاج محل تعمیر کیا اور اعتقادی مفاسد اور سیاسی معائب کے قلعوں کو کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی علمی جلالت اور قوت استدلال کے ذریعے زمین بوس کیا آج دنیا اس عبقری الشرق والغرب کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کے نام سے جانتی ہے جس کی افاقیت اور عالمگیریت کا اظہار علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے یوں فرمایا ہے:

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں
امام اہلسنت نائب غوث الوریٰ تم ہو

اسی نابغہ روزگار اور جلیل القدر ہستی کی آغوش تربیت میں نشو ونما پانے والے ایک نہایت بلند و بالا اور عظیم مرد میدان کا نام شیر بیشۂ اہلسنت مظہر اعلیٰ حضرت علامہ ومولانا الشاہ محمد حشمت علی قادری رضوی قدس سرہ ہے

شیر بیشۂ اہلسنّت علوم ومعارف کا شمس بازغہ

آپ کی ہمہ جہت شخصیت فضل و کمال کا ایک ایسا چمکتا آفتاب ہے جس میں علم وعرفان کے ہزار جلوے نظر آتے ہیں، وسعت فکر، وقت نظر، شان تفقہ، ذہانت و فطانت، تدبر و تفکر، علمی جلالت، قوت استدلال، تیقظ و بیدار مغزی حاضر

دماغی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے .شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رقمطراز ہیں:

حضرت شیر بیشۂ اہلسنت رحمتہ اللہ علیہ اس عہد کے صف اول کی شخصیتوں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے .اپنے اندر اوصاف علمیہ وعملیہ کی وہ جامعیت رکھتے تھے کہ ان سب کا اجتماع ایک ذات کے اندر شاید باید پایا جاتا ہو۔ (مولانا حشمت علی لکھنوی ص ۳۴)

آپ نے تحریر وتقریر کے ذریعہ باطل قوتوں اور طاغوتی حملوں کا جس پامردی سے مقابلہ کیا اور اسلام کے نام پر جنم لینے والے فتنے بالخصوص فتنۂ وہابیت ودیوبندیت کی سرکوبی اور بیخ کنی میں جس قائدانہ کردار کا مظاہرہ فرمایا تاریخ کا ورق ورق اس کی شہادت دے رہا ہے .آپ کی اس زریں خدمت کے صلے میں عالم اسلام صبح قیامت تک آپ کی بارگاہ ناز میں عقیدتوں کا خراج پیش کرتا رہے گا۔

پیش نظر مضمون میں راقم الحروف کا مقصود آپ کی آفاقی شخصیت کا ہمہ جہت تعارف نہیں اور نہ یہ اس ہیچمداں اور بے بضاعت کے بس کا کام ہے، یہاں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ جماعت اہلسنّت کا یہ درنا یاب، شریعت مصطفویہ کا بے باک ترجماں، تقدیس الوہیت وعظمت رسالت کا سچا پاسبان، علوم ومعارف کا شمس بازغہ، جرأت وہمت کا جبل شامخ، دریائے علوم رضا کا گوہر آبدار، صدر الشریعہ کا فیضانِ تفقہ، محقق بے بدل حضور حجتہ الاسلام کے چشمۂ تحقیق وتدقیق اور برکات تفقہ وافتا سے سرشار جب دنیا میں فکروتدبر اور عالم تحقیق وتدقیق کی طرف رخ کرتا ہے گلشن علم وحکمت اور چمنستان تحقیق وتفتیش میں انکشافات وتحقیقات کے کیسے کیسے دلکش اور خوشنما پھول کھلتے ہیں اور جب ایوان باطل پر برق باری کرتا ہے تو مزعومات باطلہ کا شیش محل اور عقائد فاسدہ کا تاج محل کس طرح کھنڈرات میں بدلتے نظر آتے ہیں۔آیئے اس منظر کو ملاحظہ فرمایئے۔

حفظ الایمان میں تبدیلی کی حقیقت

دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک مدت کے بعد اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''حفظ الایمان'' کی کفری عبارتوں میں کچھ تبدیلی کی اور اس کا نام تغیر العنوان رکھ کر شائع کرایا تاکہ مسلمانوں کو دھوکہ دیں اور یہ بتلائیں کہ دیکھو میں نے توان عبارتوں ہی کو بدل ڈالا مگر پھر بھی علمائے اہلسنت مجھے کافر ومرتد کہہ رہے ہیں یہ ان علما کی زیادتی اور ہٹ دھرمی ہے کہ نہیں۔

معاملہ یقیناً بڑا پیچیدہ، نازک، سنگین اور کشمکش میں مبتلا کرنے والا تھا کیونکہ تھانوی مکر کے جال سے نکل پانا سب کے بس کی بات نہیں تھی۔ بلکہ بہت سارے لوگوں کے تذبذب اور شک وشبہ کا شکار ہوجانے کا قوی خطرہ تھا۔مگر علوم رضا کے سچے امین اور نیستان سنیت کے شیر نے اپنی فراست ایمانی اور خداداد صلاحیت سے تھانوی دجل وفریب کے تار وپود بکھیر دئے اور جناب کی چالبازیوں کے پرخچے اڑادئے اور قہر واجد دیان برہمشیر بسط البنان، لکھ کر قہر الٰہی کی ایسی بجلی گرائی کہ آنجناب کی حکیم الامتی کا جنازہ بیچ چوراہے پر بے گور وکفن دکھائی دینے لگا:

یہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

راقم اسی کتاب مستطاب کے حوالے سے چند سطریں بہر دقرطاس کر کے حضور شیر بیشۂ اہلسنت قدس سرہ کی علمی شان وشوکت، فنی جاہ وسطوت، ژرف نگاہی، زبردست قوت گرفت اور باریک بینی کی خداداد لیاقت کی جھلک دکھانے کی کوشش کرے گا وہ مایہ ناز علمی وتحقیقی کتاب اکتالیس صفحات پر مشتمل ہے جسے حشمتی اکیڈمی پیل بھیت شریف نے شائع کیا ہے، کتاب کا ہر صفحہ علم وفن، تحقیق وتدقیق، تفتیش وجستجو اور تعقبات علمیہ کا منھ بولتا ثبوت ہے

عبارت کی سادگی، زبان کی دلنشینی، جملوں کی برجستگی استدلال کی قوت اور مخالف کی عبارتوں پر علمی وشرعی گرفت قابل تحسین ولائق صد آفریں ہے۔ کتاب ایک سوال کے جواب میں معرض تحریر میں آئی ہے سائل کے طور پر جناب مولانا حافظ سید محمد نور الحق قادری برکاتی متصل کرا فور ڈ مارکیٹ ممبئی کا نام درج ہے شیر بیشۂ اہلسنت قدس سرہ خطبۂ مبارکہ اور چند تمہیدی کلمات کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"تھانوی جی نے محرم ۱۳۱۹ھ میں حفظ الایمان لکھی جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے یوں لکھا کہ اور اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

اس کے بعد ۱۳۲۳ھ میں ان پر تیغ آبدار محمدی، شمشیر خونخوار "حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین" نازل ہوئی، جس نے تسمہ لگا نہ رکھا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کو خاک وخون میں ملا دیا۔

بیچارے تھانوی جی مدتوں بلکتے سسکتے رہے، ان کے اذناب آٹھ برس تک اوندھے پڑے رہے آخر نویں برس سب سے مل ملا کر جڑ جڑا کر تھانوی جی کو دوسری کروٹ لٹایا اور ایک پونے دو ورق کی کتاب بسط البنان لکھوائی جس میں اپنا کفر اٹھانے کی بجائے کھلم کھلا اپنے کفر کا اعتراف کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے علم وغیب کو بچوں پاگلوں جانوروں کے علم غیب سے تشبیہ دینے کو اہل علم کی سنت مستمرہ لکھ مارا جس میں محمدی فوج کا رسالہ وقعات السنان حملہ آور ہوا اور اس کی دکھیاری خدا کی ماری بسط البنان کو روند ڈالا غضب الٰہی کے بھالے کو اس کے حلق تک پہنچا دیا۔ وقعات السنان، کے قاہر واروں سے بیچاری بسط البنان، بھی پورے بارہ سال تک اوندھی پڑی سسکیاں لیتی رہی۔ اذناب واتراب کو اسکی حالت زار پر بھی رحم نہ آیا اور کامل بارہ برس کے بعد بھی چابیاں لگا لگا کر تھانوی جی کو ابھارا جس کے علم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے بڑھا دیا تھا وہی ان کی پشت پر شاگردوں کی مدد کے لئے آ گیا اور ایک نہایت ناپاک عیاری سکھائی جس کے متعلق سائل سلمہ نے سوال کیا ہے کہ تھانوی جی نے سینوں کو دھوکہ دینے کے لئے ۱۳۴۲ھ میں اپنی کتاب حفظ الایمان، کی عبارت ہی بدل ڈالی جس سے یوں اندھیری ڈالنے کا موقع ہاتھ آئے کہ دیکھو، ہم نے عبارت ہی بدل ڈالی اس سے رجوع کر لیا اب کیوں ہمیں کافر کہا جاتا ہے مگر

نظر بازوں سے تو چھپ نہ سکا اے ظالم
تو جہاں جاکے چھپا ہم نے وہیں دیکھ لیا

(قہر واجد دیان ص ۳/۴)

پھر آگے چل کر ۲۲ وجوہ سے اس تحریف شدہ حفظ الایمان کا قاہر رد فرما کر دلائل و براہین سے ثابت کر دکھایا کہ تھانوی جی کا اپنی کفری عبارت کا صرف بدل دینا اور اپنے سابق کفر سے توبہ نہ کرنا محض مکر و فریب اور دھوکہ اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے اور پھر آپ کے دریائے علم کا تلاطم اس وقت قابل دید ہوتا ہے جب کسی محرف حفظ الایمان، کے جملہ جملہ سے تھانوی جی کا کفر دو دو چار کی طرح عیاں کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں، اولا تھانوی جی تغییر العنوان کے آغاز میں ایک خط اپنے محبین، مخلصین کا نقل کرتے ہیں جس کے بعد جملے یہ ہیں ایسے الفاظ جس میں مماثلت علمیت غیبیہ محمدیہ کو علوم مجانین و بہائم سے تشبیہ دی گئی ہے جو بادی النظر میں سخت سوء ادبی کا مشعر ہے کیوں کہ ایسی عبارت سے رجوع نہ کرلیا جاوے۔ ہاں تھانوی جی

کیا لطف جو غیر پر دہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

دیکھئے آپ کے اذناب نے کیسا صاف قبول دیا اور آپ ہی نے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے لئے اسے شائع کردیا کہ حفظ الایمان میں یقیناً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ کو بچوں پاگلوں، جانوروں کے علوم سے تشبیہ دی ہے اور قطعاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی ہے،، مگر اذناب نے آپ کی رعایت سے اسے یوں رد کیا بادی النظر میں سخت سوء ادبی کا مشعر ہے آخر تھے تو آپ کے اذناب، کھلم کھلا آپ کو کیسے کافر کہہ بھاگتے، ایمان تو دل میں تھا ہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم مد نظر نہ تھی بلکہ مقصود صرف سینوں کے جانگزا حملوں سے اپنی جان بچانا جسکا اقرار بھی آگے کرلیا گیا، مگر اتنی بات کا اقرار تو ہوا کہ تشبیہ ضرور معلوم ہوتی ہے، ثانیاً آپ کے اذناب آگے بڑھ کر آپ کی خدمت میں یوں رونا روتے ہیں جس میں مخلصین حامیین جناب والا کو حق بجانب جواب دہی میں سخت دشواری یہ ہوتی ہے الحمد للہ!

وہ رضا کے نیز کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسی چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

وہ دیکھئے تھانوی جی! کیسا کھلا اقرار ہے کہ سنیوں کے اعتراضات کا کوئی جواب اذناب کے پاس نہیں، طرح طرح کی تاویلوں سے حفظ الایمان کا کفر اٹھانا چاہتے ہیں مگر سخت دشواری ہوتی ہے اور کوئی بات بنائے نہیں بنتی، کہئے تھانوی جی؟ اس عبارت کا یہی مطلب ہے یا کچھ اور مگر ڈھٹائی یہ کہ حق بجانب جوابدہی میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ تھانوی جی ذرا اذناب سے پوچھئے کہ جب تمہارے دھرم میں حفظ الایمان کی عبارت حق ہے تو اس کی حمایت میں کیوں دشواری ہوتی ہے۔ حق و باطل کے مقابلہ میں ہمیشہ حق کو فتح ہوتی ہے اس کے لئے یہ رونا کیوں؟ کہ عبارت سے رجوع کرلیا جائے کیا اذناب آپ کو حق سے باطل کی طرف بلا رہے ہیں، کیا حق سے بھی رجوع کا جاتا ہے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ (ایضاص ۶/۵)

حضور شیر بیشۂ اہلسنّت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تھانوی صاحب کے معتقدین کی جانب سے بھیجے ہوئے خط پر اسی طرح اٹھارہ وجوہ سے نہایت قاہر رد فرمایا ہے جو بہت اہم

اور قابل مطالعہ ہیں۔

اسکے بعد انیسویں وجہ میں تھانوی صاحب کی عبارت نقل کر کے ایک ایک جملہ پر جس طرح لا جواب گرفت فرمائی ہے اور جناب کا علمی جنازہ نکالا ہے اسے پڑھ کر طبیعت عش عش کر اٹھتی ہے اور زبان سے بے ساختہ یہ صدائیں بلند ہوتی ہیں۔

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار
اعداسے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

آپ رقمطراز ہیں تاسع عشر اس کے بعد تھانوی جی کی جوابی تحریر ہے جزاکم اللہ تعالیٰ، بہت اچھی رائے ہے چونکہ اس کے قبل کسی نے واقعی بنا نہیں ظاہر کی، اس کے لئے ترمیم کو دلالت علی خلاف المقصود کے اقرار کے لئے مستلزم سمجھا اور اقرار بالکفر کفر ہے، اس لئے ترمیم کو ضروری تو کیا جائز بھی نہیں سمجھا، اب سوال ہذا میں جو بنا بیان کی گئی ہے یہ امر واقعی ہے لہذا قبول المشورہ اس کو لفظ اگر کے بعد سے عالم الغیب کہا جاوے تک اس طرح بدلتا ہوں۔ جی تھانوی جی! اسکے قبل آپ پر عبارت حفظ الایمان کے سبب کفر وارتداد کا فتوی دینے والے آپ کو توبہ کی طرف رغبت دلانے والے اس عبارت ملعونہ کی ترمیم کی طرف آپ کو متوجہ کرنے والے حل وحرم، عرب وعجم کے تمام علمائے اہلسنت تھے اور اسکی بنا کیا ظاہر کی تھی یہی کہ اس عبارت، ملعونہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخت ناپاک شدید توہین ہے، مگر آپ کے نزدیک تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دینا کوئی بڑی بات نہیں بلکہ جس گندی عبارت میں گالی دی جائے اس کی ترمیم ضروری درکنار، جائز بھی نہیں لہذا اسی کفر پر اڑے رہے، اب کہ اذناب نے سوچا یا کہ انھیں سینوں کے سامنے ہمیشہ ذلت وخواری نصیب ہوئی ہے اور حفظ الایمان، کے گندے گہرے گھاؤ میں بتی رکھوانے میں سخت دشواری پیش آتی ہے اور اس سے حکیم الامتی کی شان میں دھکا لگنے کا اندیشہ ہے تو جلد مسلمانوں کو پھسلانے کے لئے ترمیم قبول کر لی۔ (الیضاص ۲۸۔۲۹)

اب آیئے ملاحظہ کیجئے کلک رضا کی آتش فشانی کا وہ ہیبت ناک منظر جس نے دیوبندی مذہب کا خرمن جلا کر خاکستر کر دیا ہے تھانوی صاحب کی عبارت پر پوری دیوبندی برادری کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہابیو دیوبندیو! دیکھو یہ ہے تمھارے پیر تھانوی کا دھر، ہاں تھانوی جی دیکھو تمہاری سوا چھ سطروں میں کتنے کفر ہیں خانگی سوال کے اس کہنے پر کہ حفظ الایمان، کی عبارت اس لئے نہ بدلی جائے کہ اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص ہے بلکہ اس لئے کہ مسلمانوں کے اعتراضوں سے جان بچے (اس پر) یوں کہنا کہ جزاکم اللہ بہت اچھی رائے ہے اس کفر کو پسند کرنا اور اس پر خدا سے بہتر بدلہ مانگنا ہے تو یہ آپ کے دو نئے کفر ہوئے پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گالی بکنے کو بڑی بات نہ جاننا بلکہ جس عبارت میں گالی ہو اسے ترمیم کے لئے تنقیص شان رسالت کو بنائے واقعی نہ ماننا تیسرا کفر ہوا، اس گالی سے رجوع کرنے کو کفر کہنا کہ ترمیم کو دلالت علی خلاف المقصود کے لئے مستلزم سمجھا اور

اقرار بالکفر کفر ہے یہ چوتھا کفر ہوا، ترمیم کو ضروری تو کیا جائز بھی نہیں سمجھا یعنی جس عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو پاگلوں، جانوروں کی طرح کہہ کر کفر بکا جائے اس کی ترمیم ضروری نہیں یعنی کفر سے رجوع ضروری نہیں یہ پانچواں کفر ہوا بلکہ کفر سے رجوع جائز بھی نہیں یہ چھٹا کفر ہوا، اب سوال ہذا میں جو بنا بیان کی گئی ہے وہ واقعی ہے، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت کا لحاظ بنائے مگر واقعی تھانوی جی کی عزت وعظمت کا لحاظ ضرور ایک بنائے واقعی ہے یہ کیسا اشد ساتواں کفر ہوا، آگے تھانوی جی فرماتے ہیں ایسی عبارت بعینہا شرح مواقف میں فلاسفہ کے جواب میں اور اسی کی مثل مطالع الانظار میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تھانوی نے جو گالی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی اسکے جائز ہونے کی دو دلیلیں یہ ہیں کہ شرح مواقف ومطالع الانظار میں ایسا ہی لکھا ہے اور کفر کے جائز ہونے پر دلیل لانا بھی کفر ہے تھانوی نے اپنے زعم میں اس کفر پر دو دلیلیں پیش کیں یہ تو آٹھواں اور نوا کفر ہوا پھر کہا اب اگر اس پر بھی کلام ہو تو میں پھر بدلنے کو تیار ہوں مگر شرح مواقف ومطالع الانظار کی عبارت بدلنے کے بعد اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ جو کفر تھانوی نے بکا وہی ان دونوں کتابوں میں بھی ہے تو جیسے ان کتابوں میں کفر جائز ہے، تھانوی نے جو کہا وہ بھی جائز ہے یہ دسواں اور گیارہواں کفر ہوا'' (ایضاص ۳۰،۳۱)

شیر نیستان سنیت نے تھانوی صاحب کی نئی ''حفظ الایمان'' میں اٹھائیس کفر شمار کراتے ہیں اور آخر میں تھانوی صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''آپ نے حیلے حوالے بھی کئے مکاریوں عیاریوں سے بھی کام لیا مگر وہ کفر نہ ہٹا یعنی کھایا بھی اور کال بھی نہ کٹا یہ ستائیسواں، اٹھائیسواں کفر ہوا۔ دس کفر آپکے وقعات السنان نے آپ کو دکھائے تھے اور اٹھائیس یہ کل آپ کے اڑتیس کفر ہوئے۔ تھانوی جی آپ نے دیکھا کفر کی مدد کرنے والا اور بڑھ کر کفر در کفر میں پڑتا ہے تھانوی جی آپ بڈھے ہو چکے جو دم چل رہا ہے اسے غنیمت سمجھئے۔ بسط البنان، میں اپنے کفر کو مان چکے اپنے آپکو کافر مان چکے اور یہ بھی دیکھ لیا کہ اندھیر باں ڈالنے چک پھیریاں لینے عبارت بدل کر دھوکے دینے سے کام نہیں چلتا ہاں ہاں اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عزت سچی عظمت کا لحاظ کر کے جلد از جلد توبہ کیجئے، کلمۂ اسلام پڑھکر از سر نو مسلمان ہو جایئے جس طرح حفظ الایمان بسط البنان تغییر العنوان کی اشاعت ہوئی اسی طرح مسلمان ہو جائے توبہ کر لینے کا اعلان فرمایئے۔ خدا کو مان کر انصافاً قبول کر لیجئے کہ واقعی حفظ الایمان میں آپنے کفر لکھا اور اب مسلمان ہوتے ہیں میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس سے آپ کی عزت کچھ گھٹ نہ جائیگی بلکہ ہر عاقل کے نزدیک بڑھ

جائے گی، تھانوی جی! دیکھئے کفر سے توبہ کرنا مسلمان ہو جانا عیب نہیں، ہاں کفر پر اڑا رہنا عیب ہے توبہ سے عزوجل اپنے صدیقوں کی مدح فرماتا ہے۔" (الیھاص ۳۸، ۳۹)

حضور شیر بیشۂ اہلسنت نے تھانوی صاحب کے کفریات کو مثل آفتاب واضح کر کے ان کو دعوت ایمان اور رجوع الی اللہ کی ترغیب دی اور اپنا فرض منصبی ادا فرمایا، مگر مرضی مولیٰ از ہمہ اولی۔ تھانوی صاحب اپنے کفر پر جمے رہے اور وحدت اسلامی کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا جس کا افسوناک حشر ہم آج اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں "فانا للہ وانا الیہ راجعون" اب تک کی تفصیلات سے مہر نیم روز کی مانند یہ حقیقت اجاگر ہو جاتی ہے کہ رب قدیر جل مجدہ کے خزانہ عامرہ سے حضور شیر بیشۂ اہلسنت کو احقاق حق اور ابطال باطل کا ملکۂ راسخہ عطا ہوا تھا اور ان کی جلالت علمی، باریک بینی، سخن فہمی، حاضر دماغی اور بلند نگاہی بے نظیر تھی۔ چنانچہ حافظ ملت علامہ الشاہ عبد العزیز قدس سرہ فرماتے ہیں آپ کی شخصیت دنیائے اسلام میں محتاج تعارف نہیں، آپ کی شخصیت صرف آل انڈیا میں نہیں، بلکہ بین الاقوامی شان امتیاز رکھتی تھی جس نے گورستان وہابیت میں سناٹا کر دیا، گلستان دیوبندیت تاراج کر دیا، نجدی قلعوں میں زلزلہ ڈال دیا، بڑے بڑے دیوبندی سورماؤں کو آپ سے مقابلہ کی تاب نہ تھی، نجد کے بڑے بڑے وفادار اور اس کے منظور نظر اس شیر سنت کے نام سے کانپتے لرزتے تھے شیخ الہند کی شخصیت کا خواب دیکھنے والوں کا پتہ پانی ہوا تھا۔ اس شیر سنت نے جس طرف رخ کر دیا حق وصداقت کے ڈنکے بجادیئے باطل کے پرخچے اڑا دیئے حضرت ممدوح نے وہ نمایاں شاندار دینی خدمات انجام دیں جو رہتی دنیا تک آپ کی زرّیں یادگار رہے گی، میدان تبلیغ ومناظرہ میں آپ خود ہی اپنی مثال تھے (مولانا حشمت علی لکھنوی ص ۳۳۰)

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

❁❁❁

جامع کمالات شخصیت، حضرت مشاہد ملت

حضرت مولانا مفتی شبیر حسن رضوی

بعض افراد انسان ایسے ہوتے ہیں جو فکر ونظر کے تاجور ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے واقعات وحادثات سے ایسے ایسے نتائج کا استخراج کر لیتے ہیں جو غیروں کے لئے بھی درس عبرت و مشعل راہ ہوتے ہیں اور بعض افراد انسان اس وصف سے خالی ہوتے ہیں ان کے سامنے بڑے سے بڑا واقعہ رونما ہو جاتا ہے مگر اس سے نتیجہ برآمد کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور ایسے ہی بعض افراد انسان وہ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دیتے ہیں اور بعض اس وصف حسن سے خالی وعاری ہوتے ہیں اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ درحقیقت انسان وہی ہے انسانیت اسی کو زیب دیتی ہے جس کی زندگی کا کچھ حصہ قوم وملت اور سماج کی فلاح و بہبود کے لئے صرف ہوتا ہے جس کا ہر ہر لمحہ قوم وملت کو عروج وارتقاء وعزت وکامرانی وسعادت جاودانی کی لازوال دولت سے مالا مال کرنے کے لئے وقف ہو جس کے عمر عزیز کا ہر لمحہ ہر ساعت قوم وملت کے گیسو کو سوارنے کے لئے آشفتگی اور حیرانی و پریشانی میں گزر رہی ہو، جو خود حیران و پریشان رہ کر اپنی قوم کو پرشکوہ اور پروقار زندگی دلانے کا خواہاں ہو اور حوصلہ بلند رکھتا ہو کہ جس کے کوہ شکن حوصلہ سے ہمالیہ پہاڑ لرزاں ہو جس کی خداداد طاقت وقوت کا اکثر و بیشتر حصہ بندگان خدا کی خدمات اور ان کے لیل ونہار کو پروقار و بہار بنانے میں صرف ہوتا ہو جو اپنی جد وجہد اور سعی پیہم سے انسانیت کو عظمت وبرتری سربلندی و سرفرازی عطا کرتا ہو جو اپنے اخلاق وکردار، رفتار وگفتار، اقوال وافعال میں یکسانیت رکھتا ہو۔

الحمدللہ قاطع فتنۂ نجدیت ووہابیت مظہر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہم الرحمۃ والرضوان شہزادۂ حضور شیر بیشۂ اہلسنّت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ اپنے والد گرامی کے فرزند ارجمند اپنے وقت کے ممتاز عالم دین وشریعت تھے علوم نقلیہ وعقلیہ کے ماہر علم وحکمت اور شریعت وطریقت کے جامع تھے اپنے والد گرامی علیہ الرحمہ کے نقوش قدم پر چلنے والے اپنے وقت کے زبردست مناظر اعظم تھے اور ''الود سر لابیہ'' کے صحیح

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ، روناہی، فیض آباد (یوپی)

مصداق تھے اوران کے سچے جانشین تھے پوری زندگی مسلک اعلیٰ حضرت کی نشرواشاعت کے لئے وقف تھی حق گوئی ان کا شیوہ تھا پورے درس نظامی پر قدرت واقتدار رکھتے تھے فقیر جس زمانے میں ناپارہ عزیز العلوم میں خدمت تدریسی کے فرائض انجام دے رہا تھا اس وقت آپ وہاں تشریف لایا کرتے تھے اورحضرت بلبل ہندالشاہ مفتی رجب علی صاحب رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ سے بہت اچھے مراسم تھے ان کے آپس میں علمی مذاکرے بھی ہوتے تھے فقیر سے حضرت مشاہد ملت نے دریافت فرمایا کہ مولانا یہ عربی کونسا مہینہ ہے فقیر نے عرض کیا کہ حضور جمادی الاولیٰ یا جمادی الاخریٰ ہے چونکہ عموماً لوگ جمادی الاول یا جمادی الآخر بول دیا کرتے ہیں جو درست نہیں بلکہ غلط ہے اس لئے فوراً حضرت میرا منہ دیکھنے لگے اور بہت خوش ہوئے اور کلمات دعائیہ فرمایا اور جب بھی وہاں تشریف لاتے فقیر پہ نوازش وکرم فرماتے اور مختلف موضوعات پر گفتگو بھی فرماتے۔ زید ضرب کی نحوی ترکیب میں وہ فرماتے کہ جب زید حقیقتاً فاعل ہے تو اسے فاعل مقدم کہنے میں کیا حرج ہے اور نحویوں کا فاعل کی تعریف میں اس طرح کہنا کہ فاعل ہر وہ اسم ہے کہ جس سے پہلے فعل یا شبیہ فعل وغیرہ الیٰ آخر یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے اور بہت سے مسائل نحویہ ومنطقیہ پر گفتگو فرماتے جن سے ان کی جلالت علمی کا اندازہ ہوتا ہے کہ پورے درس نظامیہ پر اقتدار کے ساتھ استحضار بھی رکھتے تھے۔

مظہر مظہر اعلیٰ حضرت علامہ الحاج مشاہد ملت حضرت مفتی مشاہد رضا خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے جامع کمالات نظر آتی ہے آپ کی زندگی کا ہر لمحہ قوم وملت کے زلف پریشاں اور گیسوئے پیچاں کو سنوارنے اور قوم وملت کو عشق ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دینے اور انہیں اس دولت لازوال سے مالا مال کرنے میں مصروف نظر آتا ہے، آپ علم وحکمت، ذہانت، وفطانت، بصیرت وتدبر، بلند سیرت اور حسن عمل کے پیکر جمیل تھے، تمام تر علوم متداولہ میں ایسی دستگاہ اور قدرت حاصل تھی کہ ماہرین علوم وفنون جب آپ کی نقطہ آفرینی کو دیکھتے یا سنتے تو ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے وہ بڑے ہی نقطہ سنج اور دقیقہ رس تھے جن مسائل پر توجہ فرماتے تحقیقات انیقہ کا حق ادا کردیا کرتے تھے مسائل شرعیہ پر ان کی گہری نظر تھی ان کے مجموعہ فتاویٰ سے حضرت موصوف کی فقہی بصیرت وبصارت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے فقیر کی معلومات کے مطابق حضرت مشاہد ملت علیہ الرحمہ نے اپنے دارالعلوم حشمت الرضا حشمت نگر پیلی بھیت شریف کے علاوہ کہیں کسی دوسرے دارالعلوم ومدرسہ میں درس وتدریس کا کام شاید انجام نہیں دیا چونکہ والد گرامی شیر بیشۂ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہم کی طرح امام عشق ومحبت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت ہی گہری وسچی ووالہانہ عقیدت تھی اس لئے اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور انہیں کی روش وطرز عمل کو اپناتے ہوئے پوری زندگی امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ کے عشق ومحبت میں ڈوبے ہوئے پیغامات کو ملک کے گوشے گوشے میں عام فرمانے کی کوشش فرمائی ان کے پیغامات محبت کو عام کرنا اور انہیں کی تبلیغ وترویج واشاعت کرنا ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا وہ فرمایا

کرتے تھے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کتاب وسنت اجماع صحابۂ اقوال ائمہ و صوفیائے کرام اور علمائے حق کے اقوال اور معمولات کی روشنی میں جو مذہب حق کی وضاحت فرمائی ہے کافی ہے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے اس قول (مذہب حق وہی ہے جو کچھ میری کتابوں سے ظاہر ہے) پر سختی سے کاربند تھے ان کا کہنا تھا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتابوں میں کیا کچھ نہیں ہے شرعی اصول وفروع کے علاوہ کون سے وہ دینی مباحث ہیں جن پر قلم حق رقم نہ چلا ہو، مسلک اہل سنت و جماعت کے اکابر علما نے انہیں کے دینی افکار ونظریات کی تشہیر فرمائی۔ ان اکابر علمائے کرام کے اسمائے گرامی بھی بیان فرماتے تھے۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی قبر مبارک پر رحمت وانوار کی بارش نازل فرمائے اور ان کے روحانی فیوض وبرکات سے ہم جماعت اہلسنت کو مستفیض ومستنیر فرمائے آمین بیجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

فقط محتاج دعا وگدائے باب رضا

محدث کبیر کا قضیہ

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ شہزادۂ گرامی حضرت صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت مشہور و معروف شخصیت کا نام ہے۔ پورے ہندوستان میں ان کی شہرت و قبولیت ہے۔ ہر کوئی انھیں جانتا مانتا ہے اور ان کی علمی، فنی بصیرت، تدریسی صلاحیت اور مناظرانہ لیاقت کا معترف ہے۔ علم وفن، فکر وشعور، تحریر وخطابت کا وہ ایسا تابندہ و درخشاں ماہتاب ہے جس کی سنہری کرنیں آج بھی شب دیجور کی ظلمتوں کو دور کرتی ہیں اور آئندہ بھی کرتی رہیں گی، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے تمام اہل علم اور ارباب فکر نے ان پر اعتماد کیا اور انھیں لائق اعتنا استناد قرار دیا۔ ان کی یہ قرار واقعی حیثیت جیسے کل تھی آج بھی ہے اور انشاء اللہ آئندہ کل بھی رہے گی اور اگر کوئی یہ خیال کرے کہ دارالعلوم اشرفیہ سے علاحدگی کے بعد ان کی شخصیت مجروح ہوئی ہے یا ان کی منصبی حیثیت متاثر ہوئی ہے تو یہ ان کی خام خیالی ہے کیونکہ لعل و گوہر کے ساتھ اس قسم کی ناقدری اشرفیہ کی پرانی ریت رہی ہے اس میں کوئی تعجب یا حیرت کی بات نہیں، خدا کا فضل ہے کہ علیحدگی کے بعد ان کی شخصیت کی تابانیوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے اور مزید اجافے ہوں گے، محدث کبیر کے بعد انھیں نائب قاضی القضاۃ کا منصب بھی عطا ہوا، لہٰذا ہندوستان کے ہر ایک فرد کو چاہیے ہی نہیں بلکہ مناسب ہے کہ ان پر اعتماد کرے، بھروسہ کرے اور دل سے احترام کرے، ہم سب کا ان پر اعتماد و بھروسہ کرنا کچھ ان پر احسان نہ ہوگا بلکہ ان کی ذات و شخصیت ہی کچھ ایسی شان زیبائی رکھتی ہے کہ ہر ایک دل پکار اٹھتا ہے هو بليق ان يعتمد عليه کہ وہ اس لائق ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے اور اگر یہ کہا جائے تو کوئی غلط بات نہ ہوگی ما على وجه الارض احد الا هو مفتقر الى علمه کہ اس دور میں سبھی ان کے علم وفن، فکر وشعور اور ادراک واذعان کے محتاج ہیں۔ ان میں حضور صدر الشریعہ کی سعی، فقہی اور محدثانہ عظمت کو محسوس انداز میں دیکھا جا سکتا ہے۔ میرے سامنے کئی ایسے مناظر آئے کہ تمام علمائے اہل سنت نے ان پر اعتماد کیا اور انھیں کو اپنی جماعت کا ترجمان اور مناظر قرار دیا۔

دیباسرائے سنبھل مرادآباد یوپی

بنارس کا مناظرہ

بنارس کا مناظرہ بہت زیادہ مشہور ہے، یہ مناظرہ کوئی آسان مناظرہ نہ تھا، اہل حدیث یعنی غیر مقلد اور اہل سنت کے درمیان مناظرہ تھا، اس مناظرہ میں ہماری جماعت کی قد آور شخصیتیں موجود تھیں، مثلاً ......

(۱) حضور مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ

(۲) غزالی دوراں حضرت علامہ مولانا قاضی شمس الدین احمد صاحب علیہ الرحمہ

(۳) حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمہ، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان صاحب وغیرہ۔

ان کے علاوہ ملک کے اور بھی اکابر علمائے اہل سنت تھے۔ مناظر کی حیثیت سے اگر کسی کی طرف نگاہ اٹھی تو وہ شخصیت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کی تھی۔ اسی بدایوں کی سرزمیں پر خلیل بجنوری سے جو مناظرہ ہوا علامہ ہی اس کے مناظر تھے اور انھوں نے اس خوبصورتی کے ساتھ مولوی خلیل کو زیر کیا کہ علامہ کی شخصیت کو حبذا کیے بغیر چین و سکون نہیں ملتا۔ یہ تمام باتیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ ان کی ذات اس لائق ہے کہ ان پر اعتماد کیا جائے، بھروسہ کیا جائے، اس کے باوجود اگر کوئی ان کی ناقدری کرتا ہے یا ان پر بھروسہ نہیں کرتا ہے تو یہ معاملہ کچھ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی لعل و گوہر کی ناقدری کرے، اس طرح کے واقعات صرف انھیں دنوں پیش نہیں آئے ہیں بلکہ تاریخ کے صفحات ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں، تاریخ اٹھائیے اور دیکھ لیجیے ہر دور میں ناقدرے رہے ہیں، اسی لیے نادان کی دوستی مضر ہوا کرتی ہے، علامہ جیسی شخصیات کے لیے جو اپنے دلوں میں ناقدری کے جذبات رکھتے ہیں وہ خوبیوں، کمالات کو بھی عیوب و نقائص میں شمار کرتے ہیں۔ ان کے لیے یہ ضرب المثل عبرت آموز اور نصیحت آمیز بھی۔ دانشوروں نے کیا خوب مزے کی کہی ہے آپ بھی ملاحظہ کریں اور داد و تحسین سے نوازیں...... ''بڑے پارس بیچے تیل - یہ دیکھو قدرت کا کھیل''۔ ارے بھئی حضرت محدث کبیر کی ذات گرامی جب لائق استناد ہے تو پھر ان کے تئیں جب کوئی واقعہ پیش آئے تو ہر سنجیدہ فکر کو پہلے اس کی تصدیق کرنی چاہیے اور اس کی صداقت و واقعیت کی چھان بین کرنی چاہیے۔ اس کے بعد ہی لب کشائی کی جرأت کرنی چاہیے۔ ان مرحلوں سے گزرے بغیر انگشت نمائی کرنا گویا جذبۂ انتقام کو ظاہر کرنا ہے یا پھر عوام و خواص کے مابین نفرت و عداوت کی آگ لگانا ہے۔

محدث کبیر اور واقعہ کوچین

ان دنوں حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی شخصیت اور ان کے وقار و عزت کو مجروح کرنے کے لیے سرزمین کوچین میں منعقد سہ روزہ کانفرنس کو اچھالا جا رہا ہے اور اس واقعہ کے ذریعہ عوام و خواص کے دلوں میں اعتماد و یقین کا جو جذبہ پایا جاتا رہا ہے اسے متزلزل کرنے کی ناپاک کوشش کی جا رہی ہے مگر یہ ان کے ہاتھوں سے کرایا جا رہا ہے جن کی سرشت ہی اسلاف بیزاری اور اکابر علما کی مخالفت رہی ہے اور جو جذبۂ انتقام

سے ہمیشہ سرشار رہے ہیں۔ یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ اسکے شواہد خود مخالفین کی تحریروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اٹھایئے جام نور دہلی ماہ اگست ۲۰۰۹ء اور یہ عبارت پڑھیے......

''جب کہ علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری کل تک دیگر مسلک کے لوگوں کے ساتھ کسی طرح کے تعلق کے سخت خلاف تھے اور اس سلسلے میں ممبئی اور اطراف میں پرجوش تحریکیں بھی چلائیں لیکن مسلمانوں کے خلاف ملکی و عالمی حالات نے شاید اب انھیں بھی نرمی پر آمادہ کر دیا ہے وہ بھی دیگر قوموں اور دیگر مسالک کے نمائندوں کے ساتھ مسلم مسائل کے لیے اسٹیج پر آنے پر مجبور ہو گئے ہیں'۔

اس تحریر سے قبل شیخ ابو بکر مسلیار کیرالہ کے تعلق سے جام نور دہلی میں یہ تحریر بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ملاحظہ فرمائیں:

''واضح رہے کہ شیخ ابو بکر مسلیار کیرالا کے مسلمانوں کے ممتاز رہنما ہیں، سنی مسلک سے وابستہ ہوتے ہوئے بھی حالات اور ضرورت کے پیش نظر دیگر مسالک کے لوگوں کے ساتھ اشتراک و تعاون کرتے ہیں۔'' (جام نور دہلی ماہ اگست ۲۰۰۹ء)

میں نے یہ دونوں تحریریں قارئین کے روبرو پیش کر دیں۔ ان تحریروں کو پڑھیں اور غور کریں، جہاں تک اس کے تعلق سے میں نے غور کیا، وہ یہ ہے کہ:

(۱) شیخ ابو بکر کے تعلق سے جو تحریر ہے اُسے مدح کے صیغہ میں رکھی جاسکتی ہے اسی لیے انھیں کیرالا کے مسلمانوں کا رہنما بتایا گیا اور سنی مسلک سے وابستہ تحریر کیا گیا۔

(۲) جب علامہ کی بات آئی تو انھیں نہ تو رہنما کہا گیا اور نہ ہی ان کی منصبی حیثیت طواضح کی گئی، اس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ ان کے تعلق سے جو تحریر پیش کی گئی اسے مدح میں نہ رکھ کر ذم کے خانے میں پناہ دی گئی۔

(۳) رپورٹ کی یہ تحریر کہ کل تک دیگر مسلک کے لوگوں کے ساتھ کسی طرح کے تعلق کے سخت خلاف تھے اور اس سلسلے میں ممبئی اور اطراف میں پرجوش تحریکیں بھی چلائیں۔ واضح کر رہی ہے کہ مذکورہ پرجوش تحریکوں سے رپورٹنگ کرنے والا خوش نہیں تھا اور نہ ہی وہ ان تحریکوں کو دل سے پسند کرتا تھا۔ نفرت و ناپسندیدگی کا ہی تو جذبہ ہے جس نے اس کانفرنس کو ان کے خلاف استعمال کرنے پر مجبور کیا۔

(۴) دوسرے مسالک کے لوگوں کے ساتھ اشتراک و تعاون ہی سے اگر رپورٹ لکھنے والے کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور ملتا ہے تو بالفرض محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری مدظلہ العالی نے بھی یہی کیا۔ اب تو انھیں خوش ہونا چاہیے اور گھر میں گھی کا چراغ جلانا چاہیے۔ مگر انھوں نے ایسا نہ کر کے دونوں قسم کی تحریروں کے اسلوب میں زمین و آسماں کے فرق کو ملحوظ رکھا، آخر ایسا کیوں؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

(۵) رپورٹ لکھنے والا عجیب بدماغ ہے اور دولت عقل سے محروم ہے کہ علامہ موصوف کی ''کل تک'' والی زندگی سے بھی خوش نہیں اس سے ثابت ہوا وہ کسی حالت میں

علامہ سے خوش نہیں ہوسکتا کیونکہ اس نے انھیں بدنام کرنے، ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی قسم کھا لی ہے تو پھر اس سے بھلائی کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ یہ اور اس سے جڑے ہوئے لوگ ایسے نادان ہیں جو فتنوں کو جنم دینا تو جانتے ہیں مگر فتنوں کو ختم کرنے کے بارے میں سوچنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔

(۷) یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب نظریں بدلتی ہیں تو نظارے بھی بدل جاتے ہیں اور فکر و شعور کے زاویے بھی۔ جام نور اور اس کے کاروانِ شوق کی نظریں بدلی ہوئی ہیں۔ آج سے نہیں بلکہ اس دن سے جب اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تھی۔ جہاں تک علامہ صاحب کے تعلق سے ان کی نظروں کا معاملہ ہے وہ تو بہت ہی پہلے بدل چکی ہیں، جیسا کہ مولانا انیس عالم صاحب لکھتے ہیں:

"جو لوگ جام نور کا مطالعہ پابندی سے کرتے ہونگے انھیں یاد ہوگا کہ چند سالوں پیشتر جام نور نے بیکل اتساہی صاحب کا ایک انٹرویو شائع کیا تھا جس میں بیکل صاحب نے ایک بے بنیاد بات استاذ الاساتذہ حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری کی طرف منسوب کر دی تھی۔ یہاں سے شروعات ہوئی نتیجہ یہ نکلا کہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمہ اور حافظ ملت مولانا عبدالعزیز صاحب بانی جامعہ شرفیہ سے جس رشتے کی شروعات ہوئی تھی اس ستر بہتر سالہ استادی و شاگردی کو جام نور نے بہت مختصر وقت میں نفرت و عناد میں تبدیل کر دیا۔"

(پیغام رضا فکر و تدبیر نمبر، ص:۳۳۴)

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ جام نور سے متعلق افراد کی نظریں آج سے نہیں بہت ہی پہلے سے بدلی ہوئی ہیں اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کے تعلق سے ان کے دلوں میں کدورتیں پائی جاتی ہیں۔ یہی کدورتیں کو چین کانفرنس کے تعلق سے کیے گئے تبصروں میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا دانشوری کا تقاضا یہی ہے کہ علامہ موصوف کی اچھائیوں کو اگر یہ اچھا کہیں، برائیوں کو برا کہیں یا پھر اچھائیوں کو برا کہیں اور برائیوں کو اچھا کہیں تو ان کی کسی بات پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ جو لوگ ان کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں انھیں رات کی تنہائی میں بیٹھ کر سوچنا چاہیے اور خوب غور کر لینا چاہیے کہ جب ان کا گستاخ قلم علامہ کے دامن تقدس تک پہنچ سکتا ہے تو آپ کس کھیت کی مولی ہیں؟ علامہ تو بن نہیں سکتے، تو پھر آپ کی کیا حیثیت ہے؟ جب تک ان کا الوسیدھا ہوتا رہے گا، ہاں میں ہاں ملاتے رہیں گے اور اونچی اُڑان اڑتے رہیں گے۔ یقین مانئے یہ جام نور وہ جامِ نور نہیں جسے پی کر عشق کی سرفرازی حاصل ہوتی تھی، ارے بھئی اس سے سماج و معاشرہ اور جماعت میں انتشار پیدا ہو رہا ہے اور ہمارا اتحاد پارہ پارہ ہو رہا ہے، جسم و جاں ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں، پھر بھی یہ ملت کا ترجمان ہے۔ ارے جب ملت ہی نہ رہی تو کوئی اس کا ترجمان کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر چند مٹھی بھر دیوانے اور خیر و شر کی تمیز سے خالی لوگ ہی ملت کی تشکیل کر لیں تو پھر ہوشمندوں کا کیا حشر ہوگا؟ کہیں آپ اور آپ کی ملت من جملہ آثار قیامت تو نہیں؟

اشتراک وتعاون کا مسئلہ

اپنوں کے ساتھ کسی بھی معاملہ میں اشتراک وتعاون نہ صرف جائز ومباح ہے بلکہ باعث برکت اور ترقی کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ مسئلہ شرعی اور طبعی بھی ہے کیونکہ یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور مدنیت کا حصول اشتراک وتعاون کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لیے عقل وشرع کی رو سے یہ جائز اور درست ہے، اس سے کوئی بھی انحراف نہیں کرسکتا ہے۔ اب رہی غیروں کے ساتھ اشتراک وتعاون کی بات تو یہ اصل کے اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے کہ اسلامی شریعت ایسی کسی بھی مجالست سے انقطاع کلی کا حکم دیتی ہے۔ یہ وہ مسئلہ شرعیہ ہے جو بالکل واضح اور روشن تر ہے اس میں کسی بھی طرح کی خفا اور پوشیدگی نہیں، انسانوں کا ہر ایک طبقہ اسے جانتا ہے اور خوب جانتا ہے، اگر آپ کی فکر نارسا واقف نہیں تو اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی مسئلہ کی عام حالت ہوتی ہے اور اس عام حالت کے پیش نظر حکم لگا دیا جاتا ہے کہ غیروں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا حرام ہے۔

اسلامی شریعت میں دوسرے فرقوں کے ساتھ اشتراک وتعاون کو منع کیا گیا ہے، انقطاع کل اسی کا نام ہے اگر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری نے اس پر عمل کیا تو کوئی برا نہ کیا اور جن آزاد خیال علماء نے ایسی روش اختیار کی ان کے خلاف پر جوش تحریکیں چلانا بھی ضروری تھا، ورنہ اس آزاد خیالی کے سبب نہ صرف ان کا وقار داؤں پر لگ جاتا بلکہ جماعت اہل سنت کا وقار بھی مجروح ہو جاتا، محدث کبیر کی تحریک ان کے ناموس کی حفاظت وصیانت کی خاطر تھی اور جماعت اہل سنت کے تحفظ کے لئے تھی۔ انھوں نے ایسا کر کے کچھ برا نہ کیا تھا بلکہ منصبی حیثیت سے ان کے اوپر جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی اس کو پورا کیا تھا ظاہر ہے ان کی اس پر جوش تحریک سے شیطانی ذہنیت کو زبردست دھچکا پہنچا اور کرب واضطراب میں اس نے بلبلانا شروع کردیا۔ یہ تو ہونا ہی تھا، اس پر کوئی حیرت و استعجاب نہیں، ہاں حیرت اس بات پر ہے کہ یاران نکتہ داں اضطرار کی حالت اور ضرورت و حاجت کی نوعیت کا انطباق بھی ''عام حالت'' پر کرنے لگے۔ ایسی کوئی بھی کوشش تخریب کاری اور دہشت گردی سے کم نہیں کہ اگر اس انطباق میں وہ کامیاب ہو گئے تو سب سے زیادہ فروغ صلح کلیت کا ہوگا اور پھر ہر طرف اسی کے چرچے ہوں گے اور بیچارہ تصلب فی الدین ایک گوشہ میں تماشائی بن کر بیٹھ جائے گا۔ ندویت کا منشاء بھی یہی تھا اور تحریک جام نور کا بھی مقصد یہی ہے۔ اسی لئے بعض موقر علما سے سنا جارہا ہے کہ تحریک ندوہ وتحریک جام نور میں بڑی مماثلت ہے، جس طرح ہمارے اکابر نے مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کے تحفظ کے لیے ندویت سے علاحدگی اختیار کی، اسی طرح تحریک جام نور سے علیحدگی اور اس کی مخالفت ضروری ہے ورنہ عشق ووفا، خلوص و پیار اور ایمان ویقین کی لطافت و رعنائی پر آنچ آسکتی ہے۔ ترقی اور نئی تہذیب پر یہ اہل سنت کی توسیع نہیں بلکہ اس کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ بہت سے ذی علم اور حکمت وتدبر رکھنے والے اس کے دام تزویر میں اس طرح الجھ چکے ہیں کہ انھیں اپنی صلاحیتوں کے کھوجانے کا بھی غم نہیں اور نہ ہی ملت کے کارواں کے لٹ

جانے کی فکر ہے۔ انھیں تو صرف اپنے لیے "جہان تازہ" اور حسین و دلکش تفریح گاہ چاہیے اور وہ انھیں مل گئی۔ تحریک جام نور کی اسی بے راہ روی، آزادیٔ خیال اور قلم کی آوارگی نے جماعت میں انتشار، تفریق اور تقسیم پیدا کر دی، ملت کے شیرازہ کو بکھیر دیا ہے اور امت کو زبوں حالی کا شکار بنا دیا ہے، کیونکہ اس نے دنیا کو مزین کر کے پیش کیا اور قوم کو اسلاف بیزاری اور بزرگوں کے خلاف زبان درازی کی سوغات عطا کر دی، کیا یہی اصل کامیابی ہے، کیا اسی سے قوم و ملت کو بھلائی ملے گی؟ ذرا سوچیے اور غور کیجیے۔

اشتراک و تعاون کے تعلق سے اکابر کا موقف

جام نور دہلی ماہ اکتوبر ۲۰۰۹ء میں اشتراک عمل کے تعلق سے جماعت اہل سنت کا موقف کے نام سے ایک عنوان قائم کیا گیا اس کے تحت انھوں نے چند مثالیں پیش کیں، ان مثالوں کے علاوہ فتاویٰ مصطفویہ کے حوالہ سے ایک عبارت بھی نقل کی ہے جو اس طرح ہے......

"فرق باطلہ کے ساتھ وہ مجالست ناجائز و حرام ہے جو بر بنائے محبت و موالات ہو، نیز وہ جو بے ضرورت و حاجت و مصلحت شرعیہ ہو نہ وہ جو برائے تبلیغ و رد ہو"۔

حضور مفتی اعظم ہند کے اس ارشاد گرامی پر غور کیجیے اور اس کے مضمرات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ یہ عبارت ایک معیار ہے، ایک کسوٹی ہے جس پر فرق باطلہ کے ساتھ مجالست کو ناپا اور پرکھا جا سکتا ہے، یہ معیار کل بھی تھا آج بھی ہے اور آئندہ کل بھی رہے گا مگر اس کے لیے وقتِ نظر، حسن تدبر اور کامل سمجھ چاہیے۔ اس عبارت سے مجالست کی چند صورتیں نمایاں ہوتی ہیں......

اول: فرق باطلہ کے ساتھ ایسی مجالست جو بر بنائے محبت و موالات ہو، ناجائز و حرام ہے۔

دوم: ایسی مجالست جس کی نہ ضرورت ہو نہ حاجت اور نہ ہی اس میں کوئی مصلحت شرعیہ ہو یہ بھی ناجائز و حرام ہے۔

سوم: ایسی مجالست جو برائے تبلیغ ہو یا برائے رد ہو، البتہ یہ ضرور جائز و مباح ہے۔

یہ کل تین صورتیں ہوئیں۔ جام نور میں جس قدر مجالست کی مثالیں پیش کی گئیں ہیں، اب ذرا انطباقی کارروائی عمل میں لائیں، دیکھیں کہ اس دور میں ایسی مجالست کی ضرورت ہے یا نہیں؟ خوشتر نورانی نے اشتراک عمل کے تعلق سے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ ضرورت، حاجت اور شرعی مصلحت پر مبنی تھیں اسی لیے ہمارے اکابر نے غیروں کے ساتھ وقتی اشتراک عمل کو روا جانا اور یہ حقیقت ہے جسے آپ بھی جانتے ہیں کہ ضرورت و حاجت کے تحت جو چیز آتی ہے وہ صور نادرہ کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ اپنے مورد میں خاص ہوتی ہیں اس پر کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس پر قیاس نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہندوستان میں فرق ضالہ کے پنپنے اور حکم کفر و ارتداد کے نافذ ہونے کے بعد ابتدائی دور میں مسلمانوں کے تحفظِ حقوق کا مسئلہ کھڑا ہوا تھا جس کے لیے اشتراک عمل کی صورت کو جواز کی منزل میں رکھا گیا تھا۔ دورِ حاضر میں یہ بات روزِ روشن کی مانند واضح ہو چکی ہے، ہم اہل سنت کو اگر کسی جماعت سے سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے تو یہی گمراہ جماعتیں ہیں تو پھر ان کے ساتھ اشتراک عمل

کی کیا ضرورت؟ اس سے قبل جب ہندوستان میں شاہ بانو کا کیس بحرانی صورت میں اچھالا گیا، بابری مسجد کا قضیہ کھڑا ہوا، اس وقت ایک طوفان برپا تھا اور حکومت کی پالیسی سے ہر ایک فرقہ کے لوگ پریشان تھے۔ جماعت اہل سنت بھی اور جماعت اہل حدیث بھی اور دوسرے باطل فرقے بھی، احتجاجی جلسے بھی ہو رہے تھے اور جلوس بھی نکالے جا رہے تھے، اس وقت بھی ہمارے علمائے کرام نے ان کے ساتھ اشتراک عمل کو جائز قرار نہیں دیا کیونکہ وہاں نہ حاجت تھی اور نہ ہی اس کی ضرورت اور انفرادی طور پر احتجاج کرنے ہی میں شرعی مصلحت مضمر تھی اب تو ایسی کوئی صورت بھی نہیں کہ اشتراک عمل کی ضرورت محسوس کی جائے۔ اگر ایسی کوئی صورت نظر آتی ہے تو علماء اس پر غور کرلیں گے اور جو لائحہ عمل ہوگا مرتب کرلیا جائے گا۔ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ آپ ایک صورت نادرہ کا شور مچا کر پرسکوں سمندر میں جوار بھاٹا لانے کی کوشش کر رہے ہیں جہاں تک میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا سے جڑنے کی بات ہے، اس بارے میں ہمارے علماء کرام ضرورت و حاجت اور جائز طریقے سے وابستہ ہو رہے ہیں۔ عصری علوم وفنون کی طرف بھی توجہ دے رہے ہیں مگر یہ عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ آپ جیسے نااہل افراد علمائے اہل سنت کو ضرورت و حاجت اور مصلحت شرعیہ کا پاٹھ پڑھا رہے ہیں۔ یہ منھ اور مسور کی دال، کیا ہی بہتر ہو کہ اپنی حیثیت اور منصب کے اعتبار سے کام کریں، جو بھی قدم اٹھائیں پہلے اس کے تقاضوں کو پورا کریں اور دامن کی سلامتی کے لیے سامان فراہم کریں، دامن میں بدنما داغ لیے، روشن چاند کو منھ چڑھانا کوئی اچھی اور دانشوری کی بات ہے؟ کبھی آپ نے اس پر غور نہیں کیا اور نہ ہی اس کی توفیق نصیب ہوئی اپنی حیثیت سے زیادہ اور بہت اونچا اٹھ کر، قوم کی سیادت و قیادت کا دعویٰ کرنا اور بین الاقوامی مرتبہ و منصب کا بانگ دہل اعلان کبر وغرور کی محفلیں تو سجا سکتا ہے، ادب و تواضع، عجز وانکساری کی بساط نہیں بچھا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ چاروں طرف سے آپ کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جام نور کا میکدہ زمیں دوز ہو جائے؟۔ پھر یہ کی آپ کا دامن کتنا صاف ہے اسے سب جانتے ہیں دنیا میں کون سی ایسی برائی ہے جس کے آپ مرتکب نہیں ہوتے آپ کو خود ننگی تصویروں کی اشاعت کرتے ہیں ابھی حال ہی میں انڈیا نیوز دہلی میں آپ نے گروپ تصویر دی ہے، برہنہ دو شیزاؤں کی تصویروں سے آپ کے البم بھرے ہوتے ہیں آپ اپنی حد میں رہیں ورنہ نقاب الٹنے کا جب سلسلہ شروع ہوگا تو آپ کو کہیں پناہ نہ ملے گی اور آج جن لوگوں کے سہارے آپ اچھل کود کر رہے ہیں جب احتسابی عمل شروع ہوگا تو وہ لوگ آپ کی دستگیری کے لئے دور دور تک نظر نہیں آئیں گے، عقل سے کام لیں۔

کوچی کانفرنس کی واقعی حیثیت

کوچین کانفرنس کی روداد رسالوں کے ذریعہ جماعت کے پڑھے لکھے افراد تک پہنچ چکی ہے، جام نور نے تصویری زبان سے اسے پورے ہندوستان میں پہنچا دیا ہے۔ تحریر کے ذریعہ اس پر تنقید بھی کی اور تبصرہ بھی کیا، بہر حال اس کانفرنس کی واقعی حیثیت سے سبھی واقف ہو چکے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کانفرنس میں محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری

صاحب شریک تھے بلکہ ان کا خطاب بھی ہوا تھا اور دوسرے فرقہ کے لوگ بھی شریک کانفرنس تھے۔ غرض کہ اس کانفرنس کا کوئی بھی زاویہ ہماری اور آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں، اس سلسلے میں کاروان جام نور کے تمام وابستہ افراد سے چند سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں، امید ہے کہ پوری دیانت داری سے اس کا جواب مرحمت کریں گے اور ایسا جواب عنایت کریں جو دلوں کو چھو لے اور عقل وشعور کو بھا جائے۔

(الف) غیروں کے ساتھ اشتراک عمل کے اعتبار سے کانفرنس کا انعقاد ضرورت وحاجت کے دائرہ میں تھا یا نہیں؟

(ب) اگر ضرورت وحاجت کے دائرہ میں تھا تو اس کانفرنس میں محدث کبیر کی شرکت کو آپ کس نظریہ سے دیکھتے ہیں؟ نظریۂ جواز سے یا عدم جواز سے، اگر جائز تھا تو پھر آپ کے قلم کی تیوری کیوں چڑھی ہے؟ اور علامہ کی طرف چشم شعلہ بار سے کیوں دیکھا؟

(ج) اور اگر ان کی شرکت ناجائز تھی تو آپ کی تحریروں میں تضاد کیوں؟ کہ کانفرنس کے انعقاد پر آپ خوشیاں منا رہے ہیں، شیخ ابوبکر کی تعریف کر رہے ہیں انھیں تو خوشنما لفظوں اور دلکش اسلوب بیان کی سوغات عطا کر رہے ہیں اور محدث کبیر کی طرف تنقید اور طنز کے کانٹے اچھالے جا رہے انکی کردار کشی کر رہے، ان کے صاف ستھرے دامن پہ دھول ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ یہ تفریق کیوں؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

(د) جام نور دہلی ماہ ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۹ء کی تحریریں واضح کر رہی ہیں کہ آپ کانفرنس کے انعقاد کو جائز سمجھ رہے ہیں اور اس میں شرکت کو ناجائز، جائز پر ناجائز کی بنا کہیں آپ کے بدلتے مزاج اور طبع کرشمہ ساز کی نیرنگی تو نہیں؟ یہ دورُخی پالیسی کب تک جاری رہے گی، اور ملت کی تقسیم کا کھیل کب تک چلتا رہے گا، واقعی اگر آپ کے دل میں انصاف ہے تو یک رنگی اپنایئے اسی میں قوم وملت کی بھلائی ہے اور آپ کی بھی۔

(ر) کانفرنس کا انعقاد اگر جائز ہے، تو علامہ کو دعوت دینا اور علامہ کا دعوت قبول کرنا بھی جائز تھا، بیچ میں اگر کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے تو علامہ صاحب کا اس پر احتجاج کرنا ان کے منصبی ذمہ داری کے تحت تھا تو پھر انھیں مجرم کے کٹگھرے میں کیوں کھڑا کیا جا رہا ہے؟

مذکورہ بالا سوالات کاروان جام نور کی خدمت میں پیش ہیں، انصاف ودیانت سے جوابات عنایت کریں تا کہ آپ کا صحیح نقطۂ نظر جام نور کے قارئین کے روبرو واضح ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ جو رسالہ صاف وشفاف چشمۂ نور کا دعویٰ کرتا تھا۔ اب اس میں اسلاف بیزاری، بڑوں کی بارگاہ میں سوء ادبی اور گستاخی کی گندگی پیدا ہوگئی۔ اب یہ جام جام نہ رہا بلکہ خام بن گیا ہے اور ملت کو بھی اسی رنگ میں رنگنا چاہتا ہے تا کہ یہ ملت اور اس کے اکابر علمائے کرام از خود خاموش ہو جائیں اور غیروں سے اس کے بدلے دام وصول کریں۔ واہ کیا خوب نیرنگی طبع ہے کہ امت کی زبوں حالی کا شکوہ بیجا... اور اسلاف کے مدفن کا پیچ کھانا، یہی تو آپ کی روش اور انداز ہے جس پر زمانہ قربان ہو رہا ہے اور لوگ مرے جا رہے ہیں۔

چاہ کن را چاہ درپیش

کاروان جام نور اور اس میں شریک تمام افراد اپنے

اپنے فکر وشعور کی خیر منائیں۔ چلے تھے محدث کبیر کی شخصیت کو مجروح کرنے اور ان کی عزت و وقار کو داؤ پر لگانے کے لیے مگر قدرت کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا۔ اپنی پاکیٔ داماں کی اس قدر حکایت بیان نہ کریں کہ سرِ بازار وہ ارزاں ہو جائے اور اس کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے، اس کو کہا جاتا ہے، چاند کے منھ پر تھوکنے سے اپنا ہی چہرہ بدنما ہوتا ہے اور چاند کا کچھ بھی نہیں بگڑتا ہے۔ اگر آپ کانفرنس کے انعقاد اور اس میں شرکت کو جائز تصور کرتے ہیں تو خود آپ کی تحریریں آپ کی گردن میں طوق بن رہی ہیں اور ناجائز تصور کرتے ہیں تو شیخ ابوبکر کی بارگاہ میں جبین ناز کا نذرانہ مشکلات میں اضافہ کر رہا ہے۔ اب آپ چاروں طرف سے زلف دراز میں بدھ چکے ہیں۔ اس خوبصورت قید سے بظاہر نکلنے کی کوئی صورت نہیں، جام نور کا گھونٹ پیجیے اور مدہوش ہو جائیے، ایسا مدہوش ہو جائیں کہ ارد گرد کی خبر بھی نہ رہے، بزرگوں نے جو باتیں کہی ہیں وہ بالکل صحیح کہی ہیں۔ کنواں کھودنے والے خود ہی کنوئیں میں گرتے ہیں، اسلاف اور علماء کی بارگاہ میں اس قسم کی دریدہ ذہنی نہ کل قابل معافی تھی، نہ آج ہے اور نہ ہی کل ہوگی۔ ذرا سوچیے اور بتائیے کیا اس کو دانشوری کہتے ہیں کہ خود کی لگائی ہوئی آگ میں خود ہی جھلس جائیں؟ یہ دانشوری نہیں، حماقت، نادانی اور جہالت ہے جہاں تک ہو سکے اس سے بچنے کی تدبیر عمل میں لائیں اور اس قسم کی الجھنوں میں پڑنے کی کوشش نہ کریں۔

یہ کیسا طرفہ تماشا ہے، خطائیں خود کریں اور دوسروں سے منھ زوری کریں، خوشتر نورانی کی منھ زوری کا نمونہ خود ان کی تحریروں میں پایا جاتا ہے، ملاحظہ کیجیے اور اپنا سر پھوڑ یئے کہ آنجناب لکھتے ہیں......

پروگرام میں شرکت سے پہلے جو عہد و پیاں کیے جا رہے تھے وہ بند کمرے میں ہوئے تھے یا ہزاروں کے مجمع میں۔

خوشتر صاحب! آپ کی یہ تحریر کچھ جمی نہیں، ایک طرف آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ پروگرام میں شرکت سے پہلے جو ......آپ کی یہ تحریر بتا رہی ہے کہ جو بھی عہد و پیاں ہوئے، ہزاروں کے مجمع میں نہیں ہوئے، اس کا آپ کو یقین ہے اور اس یقین پر آپ کی تحریر پہلے دلالت کر رہی ہے اور آپ کی یہ عبارت یا ہزاروں کے مجمع میں خود آپ کی تکذیب کر رہی ہے، آپ کہاں کہاں سے بچیں گے؟ ہر طرف سے تو سنگ وخشت کی بارش ہو رہی ہے۔ اب آپ اپنا دامن بچائیے اور خدائے برتر سے سلامتی جیب و داماں کی دعائیں مانگئے۔

محدث کبیر کی مروت

کوچین کانفرنس میں شرکت کی دعوت قبول کر کے علامہ صاحب نے کوئی غلطی نہیں کی اور نہ ہی کوئی جرم کیا ہے، کیونکہ جس نے بھی دعوت دی تھی وہ اپنے تھے، سنی صحیح العقیدہ تھے، عالم باعمل اور صاحب کردار تھے، مخلص اور دیندار تھے، انھوں نے سنی حنفی شافعی اتحاد کے نام پر بلایا تھا، امت کی زبوں حالی کے ازالہ اور مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی، اقتصادی پسماندگی کو دور کرنے اور اس کے تعلق سے کوئی تدبیری لائحہ عمل مرتب کرنے کے سلسلہ میں دعوت دی گئی تھی۔ دعوت دینے والا بھی کوئی غیر نہیں تھا۔ بقول خوشتر نورانی کیرالا کے مسلمانوں کا رہنما اور سنی مسلک سے وابستہ تھا۔ علامہ ضیاء

المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے دعوت قبول فرما کر کوئی غلط نہ کیا بلکہ دینی مروت کا اظہار کیا تھا۔ ان کی جگہ سنیوں کا کوئی بھی عالم ہوتا وہ بھی وہی کرتا جو علامہ موصوف نے کیا اور جو عہد و پیماں ہوئے تھے وہ حفظ ما تقدم کے طور پر ہوئے تھے۔ ان کی نیت پر شک کرنا گویا انھیں اذیت اور مضرت پہنچانے کے مترادف ہے۔ اس طرح کے شکوک و شبہات سے پرہیز کرنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں کسی کو موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے تو وہ علامہ کی ذات و شخصیت نہیں بلکہ وہ شخصیت خوشتر نورانی کے ممدوح، محبوب نظر حضرت شیخ ابو بکر کی ہے کہ انھیں کی دعوت پر محدث کبیر صاحب کیرالا آئے تھے اور کانفرنس میں شرکت فرمائی تھی، کانفرنس کا انعقاد بھی انھوں نے ہی کیا تھا اور وہ تمام ہنگامے جن کی بنیاد پر جام نور کی ٹیم علامہ کو مجرم قرار دے رہی ہے، انھیں کی ایما اور مشورے سے برپا ہوئے تھے۔ یہ کیسا طرفہ تماشہ ہے انھیں تو چھوڑ دیا گیا اور محدث کبیر کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا، اگر واقعی کوئی ایسی بات ہے تو جام نور ایک عظیم فتنہ کو جنم دے رہا ہے اور فساد کا طوفان کھڑا کر رہا ہے۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے……

> آج ضرورت ہے مسلمانوں کے انتشار کو دور کیا جائے بجائے اس کے ڈھونڈ ڈھونڈ کے اپنی باتیں نکالنا جس سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو یقیناً فساد عظیم کی بنیاد ہے اور مسلمانوں میں ایک نئی جنگ چھڑ جانے اور تفرقہ پیدا ہونے کی تحریک ہے جو درحقیقت مسلمانوں کے ساتھ عداوت اور حکم اسلام کی مخالفت ہے۔

(راہ عمل ۱۹۸۷ء، از مولانا مفتی اختر حسین قادری)

جو لوگ جام نور دہلی کا پابندی سے مطالعہ کرتے ہیں انھیں بخوبی علم ہے کہ جام نور کی تحریک نے اپنی نشاۃ ثانیہ کے پہلے دن سے ہی اہل سنت و جماعت میں انتشار، خلفشار، تفریق اور تقسیم کی فضا ہموار کی اور اس نے جماعت کو مختلف خانوں میں بانٹ کر رکھ دیا، پھر بھی اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی کا نعرہ لگایا جا رہا ہے اور اس پر آنسو بہائے جا رہے ہیں، یہ آنسو مگر مچھ کے آنسوؤں سے کم نہیں۔ خود ہی تو آگ لگاتے ہیں اور پھر الزام دوسروں پر ڈالتے ہیں، یہ کون سا انصاف ہے؟ کیسا عدل ہے؟ کیا یہ کوئی محبت ہے یا پھر محبت کی چاشنی میں عداوت و نفرت کا نظریہ ہے۔ اس بات کو جام نور کے قارئین خوب جانتے ہیں۔

چند باتیں خدام شریعت کمیٹی سے

شریعت کمیٹی کے خدام، ماشاء اللہ سبحان اللہ آپ حضرات کی کیا شان زیبائی ہے۔ خدائے بزرگ آپ کو نظر بد سے بچائے اور غیر جانب دارانہ روش اپنانے کی توفیق عطا کرے۔ شریعت کمیٹی کے خدام ہونے کی حیثیت سے آپ کو انصاف و دیانت سے کام لینا چاہیے اور جو صحیح بات ہو اس کو پیش کرنا چاہیے۔ اس وقت چار ورقی مطالبہ میرے روبرو ہے۔ کبھی مجھے اس مطالبہ پر حیرت ہوتی ہے اور کبھی حماقت و نادانی پر ہنسی آتی ہے کہ جس بنیاد پر آپ نے محدث کبیر کو مجرم شرعی اور مسلک کے سوداگر سے تعبیر کیا، وہی بنیاد آپ تمام خدام کو شرعی مجرم قرار دے رہی ہے۔ جذبہ و جوش میں اس طرح اپنا ہوش نہ کھوئیں کہ گریباں چاک ہو جائے

اور آنجناب کو اس کی خبر نہ ہو۔ ان تصویروں کی اشاعت کا جواز آپ کو کہاں سے مل گیا؟ اس کی اشاعت کے پسِ منظر ...... آپ کے سامنے کیا ضرورت، کیسی حاجت اور کون سی مصلحت شرعیہ تھی کہ آپ خلاف شریعت چلنے پر مجبور ہوئے اور پھر یہ دعویٰ کہ شریعت کے خدام ہیں۔ کیا شریعت کمیٹی کے خدام ایسے ہی ہوا کرتے ہیں اور غلط روش سے کام لیتے ہیں۔ پہلے اپنے آپ کو شریعت کمیٹی سے علیحدہ کریں اور نئی تہذیب کے دلدادگان میں شمولیت اختیار کرلیں اس کے بعد ہی مطالبہ کے بارے میں سوچیں۔ خدام بننا بہت زیادہ آسان اور سہل ہے مگر اس کے تقاضوں کو پورا کرنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ۔ پہلے دلوں سے نفاق، کدورت اور بغض وحسد کو دور کریں اور ذہنی تاریکیوں کا ازالہ کریں۔ اس کے بعد ہی علمائے کرام کی طرف رخ کریں۔ آپ کیسے خدام ہیں کہ شریعت اسلامیہ کے ماہرین کے منصب پر فائز ہونا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کی نگاہ میں علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب تصویر کشی کے سبب مجرم شرعی ہیں تو تصویروں کی اشاعت کی وجہ سے آپ کچھ زیادہ ہی مجرم شرعی ہیں، کیونکہ کانفرنس میں لی گئی تصویروں میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ محدث کبیر کو اس کا علم بھی نہ ہو اور نہ ہی اس میں ان کے ارادہ وعمل کا دخل ہو، مگر تصویر کی اشاعت میں ایسا کوئی امکان نہیں ہے۔ آپ کو اس کا علم بھی ہے اور آپ کی نیت اور ارادہ بھی اس میں شامل ہے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ پہلے آپ شریعت کمیٹی سے استعفیٰ دیں، یہ ہمارا مطالبہ ہے۔ اب رہی بات اس کانفرنس میں شرکت کی، تو محدث کبیر کی طرف سے ان کے کسی چاہنے والے نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ محدث کبیر کے ساتھ دھوکہ کیا گیا اور جو معاہدہ کیا گیا تھا کہ کوئی بھی غیر فرقہ کے لوگ اس میں شریک نہ ہوں گے اور نہ ہی تصویر کشی کی جائے گی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی، جس پر علامہ نے کانفرنس کے دوران اپنی ناراضگی کا اظہار کیا جہاں تک میں سمجھتا ہوں، محدث کبیر نے کانفرنس سے علیحدگی اس لیے اختیار نہیں کی کہ علیحدگی کے سبب فتنہ وفساد کا قوی اندیشہ تھا۔

جام نور، دہلی کی رپورٹ کو آپ نے اپنے مطالبہ کی بنیاد قرار دے کر بہت بڑی غلطی کی کیونکہ جس رپورٹ میں یہ تصویر شائع ہوئی ہے اس میں جام نور دہلی نے اس کانفرنس کو سراہا ہے۔ اس کی تعریف وتوصیف کی ہے اور اس کانفرنس کے انعقاد پر شیخ ابوبکر کی شان میں توصیفی انداز اور لب ولہجہ اختیار کیے گئے ہیں، جو رپورٹ کانفرنس کو جائز قرار دے، اس میں شرکت ناجائز کس طرح ہوئی؟ کبھی آپ نے سوچا، اگر نہیں تو پھر آج ہی اس پر غور کریں اور انصاف کریں۔ خدام شریعت کمیٹی کے لیے اب صرف دو صورتیں ہیں...... جام نور دہلی کے تبصرہ پر اعتماد کریں یا پھر اسے قطعی مسترد کر دیں۔ اگر اعتماد کرتے ہیں تو بتائیے اس اعتماد کا تعلق نظریۂ انعقاد سے ہے یا نظریۂ شرکت سے۔ اگر آپ نظریہ انعقاد پر بھروسہ کرتے ہیں تو جس طرح اس کا انعقاد لائق تحسین مانا گیا تو اس میں شرکت بھی لائق تحسین ہوگی۔ اس کے باوجود محدث کبیر کو شرعی مجرم قرار دینا کیونکر مناسب ہوگا اور اگر نظریہ شرکت سے ہے تو جام نور دہلی اسے بھی غلط نہیں بتاتا ہے۔ مگر ہاں اس کے اس نظریہ میں تضاد ہے کہ اس شرکت

کی بنیاد پر شیخ ابوبکر کو سراہا گیا اور علامہ کو کوسا گیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قضیہ کوئی شرعی قضیہ نہیں بلکہ ذاتی پرخاش ہے اور باہمی رنجش کا نتیجہ ہے۔ مجھے افسوس ہے اس دور میں آپ سگِ باوفا بن کر سرز میں کلکتہ سے دہلی کیوں آ گئے اور جب آ ہی گئے ہیں تو ذرا تہاڑ جیل کی ہوا بھی کھا لیجیے جن کی تمنا آپ کے دلوں میں برسوں سے پنپ رہی تھی۔ لہٰذا آپ کسی ایسے وکیل کو تلاش کیجیے جو آپ کو اس مصیبت سے نجات دلائے اور پروانۂ نجات کا انتظام کرے اور اب رہی یہ صورت کہ جامِ نور کی رپورٹ کو مسترد کر دیا جائے تو اس صورت میں آپ کے مطالبہ کی ہانڈی بیچ چوراہے پر پھوٹتی نظر آئی ہے۔ میری نگاہ میں شریعت کمیٹی کے افراد و خدام لائق رحم بھی ہیں اور قابلِ ترس بھی، یہ بھولے بھالے اور سیدھے لوگ دوسروں کے سہارے آسمان کی بلندیوں پر چڑھنے کی کوشش تو کر لی مگر ان کی پشت اتنی کمزور ثابت ہوئی کہ اونچائی سے زمین پر آ ٹپکے اور ان کے جسم و جاں کی حالت ہی نازک ہو گئی۔ بلایئے، پکاریئے تاکہ کوئی آ کر آپ کی مدد کرے، تعاون کرے اور زخموں پر مرہم پٹی کرے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا یہ شعر پڑھیے۔ اس میں کس قدر خوبصورت منظرکشی کی گئی ہے؟

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کر سر دے پٹکوں چل رے مولیٰ والی ہے

شریعت کمیٹی کے خدام! جس راہ چل دیئے ہیں وہ راہ نہایت ہی خطرناک اور کانٹوں سے بھری ہوئی راہ ہے، جام نور دہلی کی حالت بھی اس پنچھی کی مانند ہو گئی ہے جس کے بال و پر سلامت نہیں، وہ خود بیچارہ موت و زیست کی کشمکش میں ہے کسی کی کیا مدد کرے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مایوس ہو جائیں اور حسرت بھری نگاہوں سے ہر ایک کو تکتے رہیں بلکہ اپنے اندر یہ حوصلہ پیدا کریں کہ ''چل رے مولیٰ والی ہے'' اور یہ حوصلہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اپنے کیے پر ندامت کا احساس کریں، عرق انفعال نمایاں کریں اور اللہ کی طرف رجوع کریں، علماء کی بارگاہ کے بے ادب و گستاخ بننے کی کوشش نہ کریں اور وہ بھی قاضی القضاۃ اور نائب قاضی القضاۃ کی بارگاہ کے! الاماں الحفیظ۔

جس شخص کے اشاروں پر آپ چل رہے ہیں ہمیں اس کی اچھی خبر ہے، جس کے اوراق زندگی پر سیاہ دھبوں کی قطاریں اشک ندامت بہا رہی ہو، جو علما و مشائخ کا ہمیشہ سے گستاخ رہا ہو، جس کے نزدیک شرعی اصولوں کی کوئی قدر نہ ہو، جو خود گناہوں کے سمندر میں ہچکیاں لے رہا ہو، وہ آپ کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ وہ آج خدام شریعت کمیٹی کے ارکان سے محدث کبیر کی کردار کشی کرا رہا ہے، کل خود خدام شریعت کمیٹی کے ارکان اور ان کی عصمتیں بھی اس شخص کی ہوس ناکیوں کی زد میں آ سکتی ہیں۔ آپ اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹا کر دیکھیں آپ کو اپنا بھیانک حشر اچھی طرح دکھائی دے گا۔ علما کی توہین رنگ لاتی ہے، ماضی میں جو لوگ علما و مشائخ کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں ان کے عبرت ناک انجام تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے۔

پیچ کھاتے ہو جو اسلاف کے مدفن تم ہو!

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

جام نور ماہ اکتوبر ۲۰۰۹ء کا مطالعہ کر رہا تھا "ڈائری" کا صفحہ میری نگاہوں کے سامنے تھا، بیچ صفحہ - بین السطور نہایت ہی جلی حروف میں یہ مصرعہ لکھا ہوا دیکھا "پیچ کھاتے ہو جو اسلاف کے مدفن تم ہو!" اس مصرعہ پر میری نگاہ ٹھہر گئی۔ اس کے معنیاتی نظام پر غور کیا اور اس کے پس منظر میں جھانکنے کی کوشش کی، تو یہ معلوم ہوا کہ اسلاف کے مدفن پیچ کھانے کا معاملہ بہت زیادہ کشادہ ہے اس سے مراد وہ تمام افراد لیے جا سکتے ہیں جو اسلام مخالف نظریات رکھتے ہوں اور اپنے کردار و عمل سے مغربیت کی جلوہ نمائی کرتے ہوں مگر یہ بھی ایک قسم کا ظلم و ستم ہے کہ دورِ حاضر کے جدید نظریات رکھنے والے صرف اور صرف خانقاہی نظام اور اس کے ذمہ داران پر تنقید کرتے ہیں، انھیں برا بھلا کہتے ہیں اور ان پر طنز کے تیر چلاتے ہیں۔ کسی نے کہا "شاہین کے نشیمن پر زاغوں نے قبضہ جما رکھا ہے" اور کسی نے یہ کہہ کر موجودہ خانقاہی نظام کی کھلی اڑائی کہ یہ خود نہ کچھ کام کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کو کرنے دیتے ہیں۔ یہ باتیں کسی حد تک اگر چہ صحیح اور درست مان لی جائیں تو صرف انھیں کو موردِ الزام ٹھہرانا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں۔ میں مانتا ہوں تہذیب زوال، ماحول اور دم گھٹنے والی فضا سے جہاں ہمارے سماج و معاشرے کے افراد متاثر ہوئے اور ان کی فطری صلاحیتیں کمزور پڑیں وہیں خانقاہیں، سجادگان اور خانقاہوں کے نظام بھی متاثر ہوئے، کیونکہ سماج و معاشرہ سے خانقاہوں اور گدی نشینوں کو الگ نہیں کر سکتے۔ آخر وہ بھی تو اسی سماج کے افراد میں سے ہیں، وہ کسی اور دنیا کے تو رہنے والے ہیں نہیں اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آسمان کے تارے ہیں جو زمین پر آ بسے ہیں۔ لہٰذا اگر انھیں موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے تو سماجی افراد کو بھی اس کا مجرم قرار دینا چاہیے اور جو لوگ اس طرح کی تنقیدیں کر رہے ہیں وہ خود بھی کنول کی مانند نہیں کہ پانی میں رہتے ہوئے کبھی جس کی پنکھڑیاں تر نہیں ہوتیں۔ معترض کو خود اپنے گریبان میں منھ ڈال کر سوچنا چاہیے، غور و فکر کرنا چاہیے کہ وہ اعتراض کرنے کی صلاحیت خود میں پاتے ہیں یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی زبان سے کوئی

صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

بڑا بول نکل رہا ہو، جس کی اس کا مبلغ علم اجازت نہ دیتا ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف یہ حضرات خانقاہوں، مدرسوں اور علماء کرام پر اعتراض کی زبان کھول رہے ہیں، اندھیروں میں تیر چلا رہے ہیں اور دوسری طرف اس بات پر بھی زور دے رہے ہیں کہ آج زمانہ کو ضرورت ہے کہ تصوف کی تعلیم عام کی جائے، خانقاہی نظام کو فروغ دیا جائے اور انسانیت، شرافت اور بے لوث جذبوں کی نشو ونما کی جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے انسانیت کو بڑھاوا دینے والی یہ تمام چیزیں کہاں ملیں گی؟ انھیں ڈھونڈا جائے تو کہاں ڈھونڈا جائے؟ تلاش کیا جائے تو کہاں تلاش کیا جائے؟ تعلیم گاہوں میں یا میکدوں میں، مدرسوں میں یا اسکولوں میں۔ میکدوں میں تو یہ چیزیں ملنے کی نہیں، لہٰذا تعلیم گاہیں اس میں معاون ہوسکتی ہیں اس کی بھی مختلف نوعیتیں ہیں کہ تعلیم گاہوں میں مدرسے بھی آتے ہیں، اسکول اور کالجز بھی۔ مدرسوں کو تو جدیدیوں نے مسترد ہی کر دیا ہے۔ اس سے دنیا سمٹ کر ایک نقطہ پر مرکوز ہو جاتی ہے اور مدرسوں کی فضا میں اس قدر گھٹن محسوس ہوتی ہے کہ وہاں زندگی بسر کرنا دوبھر ہو جاتا ہے، ایسے مدرسے کسی کام کے نہیں، مقام افسوس ہے یہ سوچ ان لوگوں کی ہے جنھیں انھی مدرسوں نے بال و پر عطا کیے اور شاہراہ ترقی پر دوڑ لگانے کی قوت و توانائی، فکر و شعور اور ارتقا کی قوتوں سے آشنا کیا۔ تہذیب و اخلاق، تزکیۂ نفس اور دوسری خوبیوں سے مالا مال کیا۔ اس کے باوجود انھیں مدرسوں سے الرجی پیدا ہوگئی، دلوں میں کدورت، نفرت اور عداوت، مدرسوں کے نظام، نصاب تعلیم اور اساتذہ کی کارکردگی پر انھیں اعتماد نہیں رہا۔

غالباً وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے سے طلباء کی نفسیات پر برا اثر پڑتا ہے۔ ان کی فطری صلاحیتیں دب جاتی ہیں اور مدرسین، معلمین انھیں کند چھری سے ذبح کر دیتے ہیں لہٰذا ان اندھیرے حالات سے طلبا کو نجات دلائی جائے اور انھیں اجالوں میں لایا جائے۔ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے جدیدیوں میں سے کسی بھی جدیدیئے کا یہ نظریہ نہیں، یہ رجحان نہیں۔ آپ ان پر الزام لگا رہے ہیں، بہتان تراشی کر رہے ہیں، میں کہوں گا حضور والا! اتنی عجلت میں آپ فیصلہ نہ کریں، ذرا تدبر سے کام لیں اور غور و فکر کریں جس طرح خوشبوئیں اپنے وجود کا احساس دلا جاتی ہیں ٹھیک اسی طرح بدبوئیں بھی اپنے آپ کو منوا لیتی ہیں اور بتا دیتی ہیں کہ ہم یہاں ہیں۔ جام نور میں ایک عنوان ''خضر راہ'' قائم کیا گیا اس کے ذریعہ مدارس کے طلبہ کو کالجوں کی فضاؤں میں لانے کا انتظام کیا گیا اور انھیں مکمل طور پر مدرسہ کے پرآشوب حالات سے نکالنے کی مہم چھیڑ دی گئی۔ میں اس بات کا مخالف نہیں کہ کالجوں میں تعلیم حاصل نہ کی جائے، کالجوں میں نہ پڑھا جائے وہاں جا کر تعلیم حاصل کی جائے، کوئی علم برا نہیں ہوتا۔ دینی علوم ہوں یا عصری علوم؟ مدرسوں میں پڑھائے جانے والے علوم ہوں یا کالجوں میں، اسلام تمام علوم وفنون کو حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے اور اس کی تاکید فرماتا ہے۔ علم حاصل کرو اگر چہ چین جانا پڑے۔ یہ ارشاد رسول پاک ﷺ کا ہے۔ اس حدیث پاک میں علم سے مطلق علم مراد ہے یا علم خاص، اگر مطلق علم مراد ہے تو اس سے مطلق علم کی اہمیت وفضیلت ثابت ہوتی ہے اور اس سے علم کے حصول کے لیے سفر کا جائز ہونا بھی ثابت

ہو رہا ہے۔ اس مطلق علم کے دائرے میں دینی، مذہبی علوم بھی آتے ہیں اور عصری علوم بھی، اس صورت میں چین کا ذکر محض اتفاق ہے، اس کے علاوہ دوسرے مقامات کا سفر کر کے دونوں قسم کے علوم سیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ جواز بھی اسی حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے اور اگر اس سے علم خاص مراد لیا جائے تو یہ یقین کرنا پڑے گا کہ دینی علم مراد ہے یا دنیوی، دینی علم مراد نہیں ہوسکتا کہ اس وقت علم دین کا مرکز نہ چین تھا اور نہ ہی کوئی دوسرا مقام؟ لہٰذا ثابت ہوا یہاں دنیوی علوم ہی مراد لیے جائیں اور چین اس وقت دنیوی علوم کا مرکز تھا۔ رسول پاک ﷺ کی حدیث پاک کو یہاں پیش کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ہم علوم دنیویہ کے مخالف نہیں ہیں، اسے سیکھئے اور خوب سیکھئے مگر یاد رہے کہ بچوں کی نفسیات اور فطری رجحانات سے قریب تر جو علوم ہیں وہ دینی اور مذہبی علوم ہیں، لہٰذا شرف و بزرگی بھی انھیں علوم کو حاصل ہوگی کہ ان علوم سے دلوں کی کدورت دور ہوتی ہے۔ باطن کے حالات میں سدھار آتا ہے، معرفت ربانی کا ذریعہ اگر کوئی علم ہے تو صرف وہ علم دین ہے، فقہ کی تعلیم ہے، حدیث وتفسیر کا علم ہے، اخلاق وتصوف اور سلوک کا علم ہے، اس کے مقابلہ میں عصری علوم کی اہمیت ہے زندگی، سماج و معاشرہ میں اس کی جو افادیت ہے اس سے انکار نہیں، لیکن جہاں تک اشرف و افضل کی بات ہے یہ رتبہ تو صرف علم دین کو حاصل ہے، ناقص سے اشرف کی طرف سفر کرنے کو ''خضر راہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر جام نور اور اس کی ٹیم نے معاملہ کو بالکل برعکس کر دیا۔ علم دین سے علم دنیا کی طرف سفر کرنے کو ''خضر راہ'' سے تعبیر کیا، کیا یہ تعبیر صحیح اور درست ہے؟ ارباب فکر کو اس پر نہایت ہی گہرائی سے سوچنا چاہیے؟ بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ دنیوی علم ہی افضل ہے، جیسا کہ جام نور سے تعلق رکھنے والوں کا نظریہ ہے اور ''خضر راہ'' اس نظریہ کی تصدیق کر رہا ہے، تو بتایا جائے امریکہ و یورپ اور دوسرے ممالک جہاں عصری علوم پڑھائے جاتے ہیں اور یہ ممالک مراکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود انھیں طمانیت قلب حاصل نہیں، انھیں نہ راتوں کو نیند آتی ہے اور نہ ہی دن میں سکون میسر ہوتا ہے۔ ترقی کی شاہراہ پر تیز گامی کے باوجود ہر ایک امریکی تشنہ لب ہے۔ چین و سکون کی التجائیں کر رہے ہیں مگر ان کی مرادیں پوری نہیں ہوتیں۔ کیا خضر راہ اختیار کرنے کے باوجود کامیابی نہیں ملتی ہے؟ اسی لیے میں کہتا ہوں آپ حضرات مدرسوں کے طلباء کے لیے جو رہنمائی کر رہے ہیں یہ خضر راہ نہیں، ہاں خضر راہ جب ہوتا ہے کہ آپ کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلبا کی دینی علوم اور دینی درسگاہوں کی طرف رہنمائی کرتے کہ یہ غیر اشرف سے اشرف کی طرف رہنمائی ہوتی۔ افسوس ہے جدید روشنی اور نئی تہذیب کی کرنوں نے بھی دماغ کے بند دریچوں کو نہیں کھولا بلکہ فکر و تدبر کی ساری قوتیں سلب کر لیں۔ اس لیے اشرف کو غیر اشرف اور غیر اشرف کو اشرف تصور کر لیا گیا، عقل و خرد کی ایسی پرواز کس کام کی؟ کہ خضر راہ کا اطلاق اس رہنمائی پر کیا جا رہا ہے جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ کرشمہ جام نور کی تحریک اور اس کے ذمہ داروں کا ہے اور جو رہنمائی صحیح معنوں میں خضر راہ ہے اسے اندھیرے میں دفن کیا جا رہا ہے، تباہ و برباد کیا جا رہا ہے اسے لائق اعتنا نہیں سمجھا جا رہا ہے اس بنیاد پر اگر یہ کہا جائے تو کوئی غلط بات نہ

ہوگی کہ

پیچ کھاتے ہو جو اسلاف کے مدفن تم ہو!

تفقہ فی الدین کا مطلب

علم و ادب سے دلچسپی رکھنے والے یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ تفقہ فی الدین ایک ایسا مرکب ہے جو ارباب فکر وشعور کے مابین بولا اور سمجھا جاتا ہے۔ ان ارباب فکر کا تعلق کسی بھی طبقہ سے ہو۔ سبھی اس کے معنی و مصداق سے واقف ہیں۔ مدرسوں کی زندگی میں یہی معلوم ہوا کہ اس سے مسائل دین کا تفقہ مراد ہے۔ اس لیے مدرسوں میں فقہی مسائل وجزئیات اور اس کے اصول وکلیات پڑھائے جاتے ہیں علم فقہ کے تعلق سے درس نظامی میں جس قدر کتابیں داخل نصاب ہیں سب کا تعلق مسائل دین کے تفقہ سے ہے شافعی، مالکی، حنبلی اور حنفی حضرات بھی اس پر اتفاق رکھتے ہیں۔ مگر تحریک جام نور نے ایک نیا شگوفہ چھوڑا کہ اس مقام پر تفقہ فی الدین سے مسائل دین کی تفہیم وتشریح مراد نہیں بلکہ اس سے صرف دین کا تفقہ مراد ہے۔ یہ تشریح و تجزیہ صرف ذہن وفکر کی اختراع ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی فکر وشعور اس کا متقاضی ہے اور اگر فکر وتدبر کو بالائے طاق رکھ کر کوئی کہے تو اس کا کیا علاج، یہ تو مرض لاعلاج ہے۔ دنیا کا کوئی ڈاکٹر بھی اس مرض کا علاج نہیں کر سکتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جدید تہذیب کے پرستار ترقی کی منزلیں طے کرنے کے بجائے فکری تباہ کاریوں میں کیوں کر الجھے ہوئے ہیں۔ آخر کار بات ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی، کیا ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گیا ہے یا پھر ان کے فکری سوتے خشک ہو گئے ہیں۔ ''کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے''

جن افراد نے تفقہ فی الدین سے صرف دین کا تفقہ مراد لیا وہ سخت غلطی پر ہیں انھوں نے نہایت ہی سطحی فکر سے کام لیا، اپنے فکر وشعور، عقل وخرد کا استعمال نہیں کیا۔ یہ کسی بھی صورت میں دیدۂ بینا نہ ہوا بلکہ اسے بچوں کا کھیل سمجھ کر انجام دیا۔ خیر یہ ان کا کام ہے وہ جانیں؟ اب اس کی صحیح اور حقیقی صورت حال کی توضیح کی جا رہی ہے۔ یہ انھیں بھی معلوم ہے کہ دین کلی طبعی ہے جس طرح سے انسان اور کسی بھی کلی طبعی کا خارج میں وجود نہیں ہوتا بلکہ اس کے افراد ہوتے ہیں یا پھر مسائل و جزئیات ہوتے ہیں...... انھیں مسائل و جزئیات کے ضمن میں دین کا وجود مانا جاتا ہے اسی لیے ہر ایک مسئلہ پر لفظ دین کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے الصلوٰۃ و دین، العلوم دین، الوضوء دین، الرکوع دین وغیرہ، دین اور اس کے مسائل کا اس قدر گہرا رشتہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے جس طرح زید وعمر بکر کو انسان سے جدا نہیں کر سکتے۔ اسی گہرے رشتہ کے سبب دین بول کر مسائل مراد لیے جاتے ہیں اور مسائل بول کر دین مراد لیا جاتا ہے۔ مگر حیرت ہوتی ہے ان جدت پسندی پر کہ انھوں نے صرف دین مراد لے کر اور مسائل مراد نہ لے کر اس گہرے رشتہ اور شدت امتزاج کو پارہ پارہ کر دیا جہاں دلوں کو جوڑنے کی بات کہی جاتی ہے، یہ لوگ اسے توڑ دیتے ہیں اور جہاں توڑنے کی بات کہی گئی ہے اسے جوڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، دوسری بات یہ بھی دھیان میں رہے کہ تفقہ فی الدین میں ارباب علم وادب نے لفظ فی

کا ذکر کر کے دین کے وسیع ہونے کا اعلان کر دیا اور وسعت مسائل و جزئیات کے بغیر پائی نہیں جاتی ہے۔ تو پھر یہاں صرف دین مراد ہے، کیونکر درست ہو سکتا ہے، یہ وہ باتیں ہیں جن پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ مجھے حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ان جدیدیوں نے منفی رجحانات سے کام کیوں لیا؟ شاید ان کے ذہنوں میں اس بات کا ذرا بھی خیال نہیں کہ ان جدید مفکروں، مدبروں، دانشوروں نے صرف دین مراد لے کر شافعی فقہ، حنفی فقہ، مالکی اور حنبلی فقہ کو بھی مسترد کر دیا۔ جب چاروں ائمہ کے فقہی احکام مسترد کر دیئے جائیں تو پھر ان میں سے کسی امام کی تقلید کی ضرورت ہی نہیں، عدم ضرورت کا یہ نظریہ تو غیر مقلدیت اور صلح کلیت کا شاخسانہ نظر آتا ہے۔ ممکن ہے یہ بات آپ کے ذہن میں نہ ہو، مگر آپ خود اپنی ذہنی صلاحیتوں کی گہرائی میں جا کر ٹٹولیں تو آپ بھی کچھ اسی قسم کا احساس کریں گے؟ اگر اسی عدم ضرورت کے لزوم پر یہ کہا جائے کہ ''بیچ کھاتے ہو جو اسلاف کے مدفن تم ہو'' تو کوئی غلط بات نہ ہوگی۔

بات صرف یہیں تک محدود نہیں، اس کے زہریلے جراثیم سماجی، تعلیمی، مذہبی نظریات میں بھی تدریجی طور پر پیوست ہو رہے ہیں۔ مدارس و مکاتب بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں، اساتذۂ کرام اور اکابر علماء بھی دارالافتاء اور دارالقضاء بھی، کیونکہ ان تمام اداروں میں نہ صرف دین کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ مسائل دین کی وضاحت بھی کی جاتی ہے اور اس کی تفہیم و تشریح بھی، مدرسوں کا بھی یہی حال ہے، دارالافتاء اور دارالقضا کا بھی، آپ کی عدم ضرورت اور عدم فہم کا منحوس سایہ یہاں بھی پڑ رہا ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اب نہ مدرسوں کی ضرورت اور نہ ہی اساتذہ مدرسین کی...... دارالافتاء کے مفتیان عظام بھی بے ضرورت اور قاضیان اسلام کی بھی کوئی حیثیت نہ رہی۔ بے اعتنائی کا یہ بھیانک طوفان کہاں کہاں پہنچ کر تباہی مچائے گا، شاید آپ کو اس کا کوئی احساس نہیں اور کس قدر ہمارے اکابر کی منصبی حیثیت کو گھن لگے گی۔ ابھی آپ اس کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔ قلم آپ کے ہاتھ میں ہے اور آزادانہ طور پر تباہی مچانے والے جراثیم ہر چہار جانب چھوڑتے چلے جا رہے ہیں۔ دین و ملت کو نقصان پہنچاتے جا رہے ہیں۔ تحریک جام نور کی تباہ کاریوں سے یہ بھی ایک تباہی ہے، جس سے اسلاف کا دامن تار تار ہو رہا ہے اور ان کی شخصیتیں بھی مجروح ہو رہی ہیں۔ اگر کوئی صرف اس تباہی کی بنیاد پر یہ مصرعہ دہرائے تو اس میں کیا غلط بات ہوئی...... ''بیچ کھاتے ہو جو اسلاف کے مدفن تم ہو!''۔

تحریک جام نور کے تعلق سے جن تباہ کاریوں کا ذکر کیا گیا وہ بالکل سچائی اور صداقت پر مبنی ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جس پر کسی قسم کی انگشت نمائی کی جائے۔ جام نور کے تعلق سے ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ملت کو اتنا بڑا نقصان ہوگا اور علم و فن کے چمن تازہ میں موسم خزاں کا بھی ایسا دور آئے گا جس کی وجہ سے فکر و شعور کے تمام ہرے بھرے پیڑ پودے بے جان ہو کر موت کی آغوش میں سو جائیں گے اور ان کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا، اب آپ خود ہی بتائیں...... اسلاف کے مدفن کو بیچ کھانے والا کون؟ میرا ضمیر کہہ رہا ہے اس کے آپ خود مصداق ہیں کوئی دوسرا نہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت پر تنازعہ

جب سے جام نور کی ولادت ثانی ہوئی ہے مسلک اعلیٰ حضرت پر ایک قسم کا تنازعہ کھڑا ہو گیا اور پورے ہندوستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ میں مانتا ہوں اس سے پہلے بھی کسی انجانے کے دل میں یہ لاوا پک رہا تھا مگر اس کی حیثیت شہر بریلی کی قبولیت وشہرت کے پیش نظر صفر کے برابر تھی اور کدورت ونفرت کے دائرہ میں تھی جو اپنے حدود سے باہر نہیں نکل پائی تھی، یہ ایسا جن تھا جو بوتل میں بند تھا مگر جام نور کی تحریک نے اسے بڑھاوا دیا۔ فروغ وارتقا سے ہمکنار کیا اور تمام مخالف خانقاہوں کو اس تحریک نے کچھ ایسا نوازا کہ ان کے تن مردہ میں جان پڑ گئی اور پھر وہ بلبلانے لگیں، کیا یہ آپ نے یا آپ کی تحریک جام نور نے اچھا کیا؟ انصاف دیانت کی اگر کوئی رمق آپ کے دل میں موجود ہے تو اس پر غور کریں، انصاف سے بتائیں جہاں تک علمائے اہل سنت کی بات ہے انھوں نے آپ کی اس روش کو نہ پسند کیا ہے اور نہ ہی آئندہ پسند کرنے والے ہیں۔ اور جن لوگوں نے جام نور کی حوصلہ افزائی کی وہ اپنے کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے اس طرح کی تحریک کے انتظار میں تھے مسلک اعلیٰ حضرت یا بریلویت کی اصطلاح بطور علامت وجود میں آئی تھی عوام اہل سنت بھی اس اعتبار سے اس کا استعمال کرتے رہے ہیں۔ ہندوستان کے تمام علاقوں میں اس اصطلاح کو اسی نوعیت سے استعمال کیا جا رہا تھا۔ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ آپ نے جمہور افراد اہل سنت کے اس رجحان کو نظر انداز کر دیا اور دشمنوں کی سلگائی ہوئی آگ سے آپ بھی متاثر ہو گئے اور اسے بنام فرقہ تصور کر کے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ جام نور کے چھلکتے جام میں آپ کی معاندانہ روش کے سبب گدلا پن آ گیا، جس کی وجہ سے ملت کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے اور جماعتی اتحاد کو بھی۔ جب تک جام نور کی تحریک منصۂ شہود پر نہ آئی تھی، تو ہمارے اندر اتحاد تھا، اتفاق تھا، شیرازہ بندی تھی، میں مانتا ہوں کہ جام نور سے کچھ فائدے ہوئے، مذہبی صحافت کو فروغ حاصل ہوا، علمی دنیا میں بھی کچھ پیش رفت ہوئی، مصری انداز فکر سے ہندوستان کی علمی فکری فضا کو وسعتیں نصیب ہوئیں۔ لیکن یہ فائدے اپنی جگہ ہیں مگر اس سے جو نقصان ہوا ہے اس کا پلہ سب پر بھاری ہے، اس نقصان کے سامنے فائدوں کی کوئی اہمیت نہیں، اس سے بچنے کے لیے تمام فائدوں کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ ''تحریک جام نور'' کے تمام ذمہ داروں سے سوال ہے...... آخر مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف کی وجہ کیا ہے؟ کیا یہ وجہ ہے کہ فرقِ باطلہ اس اصطلاح کی وجہ سے ہم سب کو جدید فرقہ سے موسوم کرتے ہیں، اگر ہاں تو بتائیے؟ جدید فرقہ کے تشکیلی عناصر کیا ہو سکتے ہیں اور اب تک جس قدر فرقے پیدا ہوئے، کس وجہ سے پیدا ہوئے؟ ان میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟ عقائد میں اختلاف یا نظریات میں اختلاف یا پھر کردار کے اختلاف سے جدید فرقے بنتے ہیں، اگر عقائد میں اختلاف اس کی وجہ ہے، تو بتایا جائے مسلک اعلیٰ حضرت جن عقائد پر مشتمل ہے کیا اس میں کسی قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، اسی لیے ہم کہتے ہیں مسلک اعلیٰ حضرت نہ کوئی فرقہ ہے اور نہ ہی کوئی جدید مسلک ہے۔ جہاں تک نظریاتی اختلاف کی بات ہے تو اس

سے فرقہ کی تشکیل کا کوئی تعلق نہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت میں کوئی نظریاتی اختلاف بھی نہیں ہے، کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جو نظریات پیش کیے وہ سب کے سب فقہ حنفی کے نظریات ہیں، اب رہی کردار میں اختلاف کی بات، تو اس قسم کے اختلاف کو فرقہ کی تشکیل سے کوئی لینا دینا نہیں کہ اس طرح کے اختلافات علاقائی بھی ہو سکتے ہیں، سماجی اور تہذیبی بھی۔ جب مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو جنم دینے والے ذی شعور افراد اور اس کو جائز سمجھنے والوں پر جدید فرقہ کا اطلاق کسی بھی نوعیت سے درست نہیں، تو بتایئے آپ حضرات نے جو اپنے آپ کو دانشور طبقہ بھی کہتے ہیں، مفکر و مدبر بھی، محقق اور سائنٹفک انداز فکر رکھنے والے بھی۔ فرق باطلہ ضالہ کے اس موہوم نظریہ کو کس طرح تسلیم کر لیا؟ دل میں یہ نرم گوشہ کہاں سے پیدا ہوا؟ کیا آپ اس کی وضاحت کر سکتے ہیں؟ نہیں؟ تو پھر ثابت ہوا کہ جمہور اہل سنت نے جو نظریہ قائم کیا کہ مسلک اعلیٰ حضرت، جماعت اہل سنت کی علامت اور نشان امتیاز ہے بالکل درست اور صداقت پر مبنی ہے۔ ہمارے تمام علمائے کرام کا بھی یہی نظریہ ہے، حضور تاج الشریعہ کا بھی یہی عندیہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی نے ان سے بنام جدید فرقہ بریلویت سے سوال کیا تو آپ نے جدید فرقہ ہونے کی مخالفت کی، نہ کہ اہل سنت و جماعت کے لیے علامت و نشان ہونے کی۔ مصر میں خود اس کی علامت صوفی ہے، تو کیا صوفی کی بھی مخالفت کی جائے گی؟ اگر ہاں تو جس طرح آپ ہندوستان میں مخالفت کر رہے ہیں، شور و غوغا مچا رہے ہیں، صوفی کے لیے آپ نے یہ رویہ کیوں نہیں اپنایا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر دانشوری کی روایات آپ سے زندہ ہے تو جواب دیجیے، ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم؟ کہ جماعتی تشخص و علامت کو مٹا دینے سے کس قدر نقصانات ہوتے ہیں اور کیسی واہی تباہی پھیلتی ہے۔ ارے بھئی! علامت ہی تو سنی کے وجود کو برقرار رکھتی ہے، اسے مستحکم اور مضبوط بناتی ہے۔ علامت نہیں تو ذو علامت بھی نہیں، اگر آپ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کا انکار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جماعت اہل سنت کو ہندوستان سے ختم کر دینا چاہتے ہیں اور ہمارے اسلاف کے علمی، مذہبی، تہذیبی کارناموں پر پانی پھیر دینا چاہتے ہیں اور انھیں اندھیروں میں دفن کر دینا چاہتے ہیں۔ عوام و خواص کی توجہات، ان سے منحرف کرنا چاہتے ہیں اسی لیے میں کہتا ہوں......

پیچ کھاتے ہو جو اسلاف کے مدفن تم ہو!

اس مصرعہ کے کہنے میں مجھے کوئی جھجک نہیں، اسلاف بیزاری کا تو آپ نے بیڑا اٹھا رکھا ہے اور علمائے اہل سنت کو نقصانات پہنچانے کے آپ یقینی طور پر درپے ہیں۔ خدا خیر کرے، اس جماعت اہل سنت کا جن کے فرزندوں میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں تو اس کی نیاّ ڈوبنے میں کیا دیر؟ خیر یہ تو اچھا ہوا کہ ہمارے علمائے کرام کو بہت جلد ہوش آ گیا اور انھوں نے جام نور کی مخالفت شروع کر دی۔ اس وقت سب سے اہم کام یہی ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کا تحفظ کیا جائے، اس کی صیانت کی جائے اور جو اس اصطلاح پر ناک بھوں چڑھا رہے ہیں انھیں دنداں شکن جواب دیا جائے۔ دھوکہ دے کر علمائے کرام سے اپنے حق میں تائیدی تحریر حاصل کر کے جامِ نور کی تحریک سے وابستہ حضرات مارے خوشی کے

پھولے نہیں سمارہے ہوں گے اور بلیوں اچھل رہے ہوں گے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے علمائے کرام کو اندھیروں میں رکھ کر یہ تائید حاسل کی گئیں۔ بات مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کے جائز اور ناجائز ہونے کی تھی۔ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ اسی پر علمائے کرام سے رائے لی جاتی مگر اس قضیہ کو اندھیروں میں رکھا گیا اور اس بات پر تائیدیں حاصل کی گئیں کہ جام نور کو بند کر دیا جائے یا نہیں؟ جن افراد نے تائید کی انھوں نے بھی خطا کی، مسئلہ کی تہہ میں پہنچے بغیر اپنی تائیدی تحریر جام نور کے حوالہ کر دی، اور اب انہیں شدید ندامت کا سامنا ہے انہیں اب جگہ جگہ صفائی دینے کی ضرورت پڑ رہی ہے بعض افراد تو شدید اضطراب میں ہیں ان کا دائرہ احباب دن بدن سمٹتا جا رہا ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جام نور دہلی نے علمائے اہل سنت کو زک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جب بھی موقعہ ملا اسے ہاتھ سے جانے نہ دیا اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کے ذمہ دار افراد اسی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی موقعہ ملے اور عوام وخواص کے مابین ان کی پگڑی اچھالی جائے۔ جس طرح اسلام مخالف قوت کو اسلام کے خلاف کوئی چھوٹی سی بات مل جاتی ہے تو وہ اسے رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کرتی ہے۔ یہی حال جام نور کا ہے۔ اسے اہلسنّت وعلماء اہل سنت کے حوالے سے کوئی چھوٹی سی بات دکھ جاتی ہے تو وہ اسے ہمالیہ پہاڑ بنا کر پیش کرتی ہے۔ اس طرح کی روش اپنانا کسی بھی زاویہ فکر کے اعتبار سے مناسب نہیں، بلکہ انسانیت، شرافت اور صحافتی دیانت کے خلاف ہے اور وہ بھی علمائے حق کے تئیں ایسا رویہ تو باعث ہلاکت و بربادی ہے۔ جس قوم کی نوخیز کلیوں میں ایسی شرارتیں پنپ جائیں تو اس قوم اور ملت کا خدا ہی حافظ۔ کیا ایسے شرارت پسند افراد کی تحریریں ملت کی ترجمان ہوسکتی ہیں، نہیں ہرگز نہیں۔ بات تھوڑی سی تلخ ضرور ہے مگر عبرت آموز بھی ہے، کیا انھیں نہیں معلوم ہے کہ ''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است'' بھی بزرگوں کا قول ہے اگر آپ کے دل میں قوم وملت کے تئیں کوئی نرم گوشہ ہے اور اس کو فروغ دینے کا جذبہ ہے تو مثبت رویوں کو اپنائیں اور منفی رویوں سے پرہیز کریں۔ میری ان باتوں پر آپ حضرات آنکھیں لال نہ کریں، بلکہ سنجیدگی سے غور کریں اور اپنی تحریروں پر نظر ثانی کریں۔ خدا نے چاہا تو یقیناً آپ راہِ راست پر آجائیں گے۔ اب ذیل میں کچھ ایسی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن کے مطالعہ سے آپ کے ذہن وفکر کے بند دریچے کھل جائیں گے اور حق وانصاف کی سنہری کرنیں آپ کے دل ودماغ کو روشن و تابناک بنا دیں گی۔

اولاً- ٹائی کے مسئلہ کو لے لیجیے، اس بارے میں ہندوستان کے تمام علمائے اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ ٹائی عیسائیوں کا مذہبی شعار ہے اس کا استعمال کفر یا حرام ہے۔ سرکار حضور مفتی اعظم ہند، حضرت صدر الشریعہ اور دوسرے علمائے کرام کا اس پر اتفاق تھا اور آج بھی ہے جانشین مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا محمد اختر رضا خاں صاحب ازہری قبلہ مدظلہ العالی نے ٹائی کے مسئلہ پر ایک تحقیقی کتاب بھی تصنیف فرمائی اور ہندوستان کے تمام علمائے اہل سنت نے اس کتاب کی تائید فرمائی مگر جام نور اور اس کے لواحقین نے کیا رویہ اپنایا، یہ سب کو معلوم ہے۔ اس میں ایک غیر

تحقیقی اور غیر معیاری مضمون شائع کر کے علمائے اہل سنت کے خلاف روش اختیار کی۔ اہل علم جانتے ہیں جام نور دہلی میں جو مضمون شائع ہوا تھا اس میں اس ثائی سے بحث کی گئی جو مصدر کے معنی میں مستعمل تھی یا پھر فعل کے معنی میں ...... کفر یا حرام ہونے کا حکم جس ثائی پر ہے وہ اسم کے معنی پر دلالت کرتی ہے لہٰذا اس حکم سے جام نور دہلی میں شائع مضمون کا کوئی تعلق نہیں، مگر مضمون نگار اور اسے شائع کرنے والوں کو صرف اس بات پر ضد تھی کہ علمائے اہل سنت کے موقف کی دھجیاں اڑائی جائیں اور اسکول و کالج سے وابستہ ڈاکٹرس، پروفیسرس اور اسٹوڈنٹ کی نگاہ میں انھیں رسوا کیا جائے اور خود میاں مٹھو بن جائیں۔ اسی جذبہ کے ساتھ تحریک جام نور دہلی نے اس میں دلچسپی لی اور مسئلہ ثائی کو سرخیوں میں رکھا، ارے بھئی ذلت وعزت تو خدا کے ہاتھ میں ہے، بندوں کے گھٹانے سے نہ کوئی گھٹتا ہے اور نہ کبھی گھٹے گا۔ اس کا غبار خود جام نور کے آئینہ رخ پر گرتا ہے، جو آئے دن بدنما ہوتا جاتا ہے۔ دیکھئے آپ کب تک اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جہاں تک علمائے اہل سنت کی عزت اور وقار کی بات ہے وہ تو چمکتے چاند اور دمکتے سورج کی مانند ہیں۔ تو پھر کون ہے جو اس پر اپنی تخریبی ذہنیت کی کمندیں ڈال سکے اور ان کی طرف غلط نگاہ اُٹھا سکے۔

ثانیاً- جام نور دہلی کے دامن پر اتنے بدنما داغ ہیں جو شمار سے باہر ہیں اور شکوہ بھی کہاں تک کیا جائے؟ آج تک اس کی پالیسی واضح نہیں کہ یہ رسالہ اپنوں سے زیادہ لڑتا ہے اور غیروں سے خود جام نور دہلی نے اپنے دامن سے وابستہ مفتی صاحب کو بھی نہیں بخشا، انھیں بھی ڈنک مار ہی دیا۔ مسئلہ غیر کفو کے تحت جام نور دہلی میں جو فتوی شائع ہوا، غیروں کی طرف سے جو تنقیدیں آئیں صحافتی دیانت کے پیش نظر انھیں شائع کر دینی چاہیے تھیں اور شائع کر دی گئیں، اس پر انگشت نمائی فضول ہے۔ مگر ایسی تنقید جو تخریب کاری جنم دے رہی تھی وہ کیوں شائع کی گئی۔ کیا یہ تخریب بنام تنقید جام نور کے معیار پر کھری اترتی تھی؟ اس کا جواب ہاں یا نہیں میں دیا جائے۔ ہم اس جواب کے منتظر رہیں گے۔

اب رہی یہ بات کہ مسئلہ غیر کفو کے تعلق سے مفتی صاحب قبلہ کے خلاف مدیر مسؤل نے جو زمین ہموار کی، کیا یہ مناسب تھا؟ انصاف و دیانت سے بتائیے اور فیصلہ کیجیے۔ اگر کسی صاحب علم ذی وشعور فرد کی مخالفت گھر کے افراد ہی کرنے لگیں تو پھر باہر کی دنیا میں ان کی کیا عزت رہے گی؟ اور کیا وقار رہے گا؟ تحریک جام نور نے جام نور کے مفتی بے بدل کے ساتھ جو رویہ اپنایا، یہ قطعی غیر مناسب تھا۔ اس غیر مناسب رویہ پر بھی مفتی صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہوا اور انھوں نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں اسی جام نور میں تحقیقی مضمون لکھ کر ایسا جواب دیا کہ تنقید کرنے والوں کی تنقیدیں سرد خانہ میں پڑ گئیں اور ان کے جسم و جاں میں حرارت غریزی بھی برقرار نہ رہی اور مسئلہ واضح تر ہو گیا کہ غیر کفو میں نکاح یقینی طور پر ناجائز ہے۔ عقل و شرع کے رو سے اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے اور جو اہل علم اس کے جائز ہونے کی وکالت کر رہے ہیں وہ کچھ غلط فہمی کے شکار ہیں یا پھر نئی تہذیب اور آزادانہ ماحول سے متاثر ہو کر انھیں کے ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ عصری علوم وفنون میں درک تام کا مطلب دین میں تفقہ ہونا قطعی نہیں تو اس پر

رائے زنی لاف زنی نہیں تو پھر کیا ہے؟ لہٰذا ایسی تحریروں کو جام نور میں جگہ دینا نہایت ہی افسوسناک بات ہے، جس سے رسالہ کی واقعی حیثیت اور مدیروں کی فرضی پوزیشن مجروح ہوتی ہے اور اگر کسی نرم گوشہ کے تحت ایسا سلوک کیا جائے تو یہ دوسری بات ہے۔ اسے جانبداری کہی جائے گی، غیر جانبداری نہیں۔ یہ رویہ کسی بھی نوع سے صحافتی دیانت داری سے قریب نہیں۔ جب آپ لوگوں نے اس میں قدم رکھا ہے تو اس کے اصولوں کی پاسداری کریں، یہی میرا مشورہ ہے باقی آپ کو اختیار ہے آپ جو چاہیں کریں۔

ثالثاً- اس طرح کچھ دنوں پہلے جام نور دہلی میں تصویر دیکھنے کی حرمت اور عدم حرمت پر بحث چھڑی تھی۔ مسلسل کئی مہینوں تک یہ سلسلہ جاری رہا مگر کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اسے بند کرنے کا معقول عذر کیا تھا۔ اگر مالک ونگراں ہونے کی حیثیت سے یہ رویہ اپنا گیا، تو پھر صحافتی اصولوں کی کیا قدر رہی؟ کہ بہت سے مواقع ایسے بھی اس سلسلہ میں آتے ہیں جہاں ایڈیٹر کو اپنی انانیت چھوڑ دینی پڑتی ہے اور صحافت کی بالادستی برقرار رکھی جاتی ہے اور اگر اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو تصویر دیکھنے کے جواز کی سند حاصل ہو گئی تھی، تو اس کا تعلق تصویر کی رویت سے تھا نہ کہ اس کی اشاعت سے اس کے باوجود جام نور دہلی میں اس کی اشاعت شروع ہو گئی، کیا یہ علمائے کرام کی نظریات سے انحراف نہیں تو پھر کیا ہے، انحراف کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ کیا مذہبی صحافت میں انحراف کی کوئی گنجائش ہے؟ اگر ہاں تو اس گنجائش کی وضاحت کی جائے۔ سب سے بڑی اور بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ Q.TV کے جائز ہونے کا فتویٰ شائع کیا گیا کیوں کہ آپ کو معلوم تھا کہ ہندوستان کے تمام علمائے کرام ٹی.وی کو ناجائز بتاتے ہیں اور اس پر اتفاق ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود علمائے جمہور کے خلاف آپ نے شائع کیا۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ علمائے اہل سنت کی رائے کا احترام نہیں کرتے۔ آخر اس بے اعتنائی کی وجہ کیا ہے؟ کیا یہ علمائے کرام بیکار ہیں؟ ان کی رائے کی کوئی وقعت نہیں؟ اب آپ خود ہی بتائیے اسلاف کی بے حرمتی کون کر رہا ہے؟ ان کی بے عزتی کے درپے کون ہے؟ یہ سوال آپ خود اپنے ضمیر سے کریں؟ مگر خیال رہے کہ سوال کے وقت غصہ و غضب کی حالت نہ ہو، ورنہ صحیح سوچ بھی منفی حالت اپنا لیتی ہے اور جواب بھی الٹا ہی سمجھ میں آتا ہے۔ اس طرح اسلاف کی بے حرمتی جسے آپ نے اپنی پسندیدہ غذا بنا لی ہے، کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اس سے تو ظاہری خوبصورتی بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ جام نور کا نام اگر چہ دلکش و جاذب نظر ہے مگر اس میں جو چھلکتی شراب ہے اس میں ترشی اور گدلا پن پایا جاتا ہے جن لوگوں نے یہ نام تجویز کیا تھا، کیا اس سے ان کی روح خوش ہوگی؟ نہیں قطعی نہیں۔ یہ تو اسلاف کے مدفن کو بیچ کھانے کے مترادف ہے۔ اس وقت یقیناً یہ مصرعہ جام نور کے قد زیبا پر خوب چسپاں ہوتا ہوا نظر آتا ہے......

بیچ کھاتے ہو جو اسلاف کے مدفن تم ہو!

توسیع کے نام پر زبردست دھوکہ

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

اس دور میں اگر کوئی مسلک کا سوداگر ہے تو وہ جامِ نور کی تحریک اور اس کے ذمہ داران ہیں۔ انھیں اس بات پر زبردست خلش ہے کہ مسلک اہل سنت کی علامت و امتیازی نشان اعلیٰ حضرت کی ذات وشخصیت کیوں بن گئی؟ ان کے علاوہ کوئی ایرے غیرے کی ذات علامت ہو جاتی، شناخت بن جاتی، اعلیٰ حضرت کی ذات کیوں کر بن گئی۔ یہ نظریہ بغض وحسد، جذبۂ رقابت اور تنگ نظری پر مبنی ہے اور قدرت سے جنگ لینے کے مترادف ہے۔ یہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے، بندہ کو اس پر کیا اختیار، دلوں میں غل رکھنے سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ یہ سب لایعنی باتیں ہیں جو ذہن میں رچ بس گئی ہیں، اپنے ذہن کو اس سے پاک کرنا ہوگا اور دلوں سے بھی کدورتوں کو نکال باہر کرنا ہوگا ورنہ ایک دن وہ آئے گا کہ آپ خود اپنی سلگائی ہوئی آگ میں جھلس کر رہ جائیں گے اور زخموں پر کوئی مرہم رکھنے والا بھی نہ ہوگا۔ وہ دن دور نہیں بہت زیادہ قریب ہے۔ ابھی بھی وقت ہے ہوش میں آ جائیں، سمجھنے کی کوشش کریں جسے آپ توسیع کا نام دے رہے ہیں، درحقیقت یہ توسیع نہیں قوم وملت کے ساتھ دھوکہ ہے اور خود لفظ توسیع کو فریب میں رکھنا...... لفظ توسیع ''وسعت'' سے مشتق ہے اور وسعت کا مطلب پھیلاؤ، کشادگی ہے۔ ظاہر ہے وسعت ایک امر انتزاعی ہے جو سمجھ میں تو آ سکتی ہے، مگر خارج میں اسے دیکھا نہیں جا سکتا ہے، ہاں وہ اپنے محل یعنی نظریہ کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہے، جہاں نظریہ جاتا ہے، وسعت بھی اس کے ساتھ جاتی ہے اور جہاں نظریہ منجمد ہو جاتا ہے۔ وسعت بھی اپنے بازوؤں کو سمیٹ لیتی ہے۔

نظریہ اور اس کی تشکیل

نظریہ پانی کے بلبلوں کی مانند نہیں ہوتا ہے کہ اچانک پانی کی سطح پر بلند ہو جائے اور پھر چند ثانیے کے بعد ختم ہو جائے۔ نظریہ کی تشکیل تو تدریجاً ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ ہوتی ہے۔ اس کے لیے نظریہ کو وجود بخشنے والا کوئی ہو یا پھر فرسودہ نظریات میں کوئی انجلائی کیفیت لانے والا ہو۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نظریہ کے موجد تو نہیں ہیں بلکہ اہل سنت و

پرنسپل مدرسہ شمس العلوم بدایوں

جماعت کے جن نظریات کو فرقۂ باطلہ سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے باطل نظریات کے سبب فرسودہ کر دیا تھا یا پھر انھیں گم کر دیا تھا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے انھیں نظریات میں انجلائی کیفیت پیدا کی اور اپنی علمی تحقیق وتلاش سے ان میں نئی جان ڈال دی اور زندگی کی رمق پیدا کر دی، یہی نظریات تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے انجلائی کیفیت پا کر مسلک اعلیٰ حضرت کا روپ اختیار کر لیا۔ اہل سنت و جماعت کے دوسرے اکابر نے بھی اس سلسلہ میں زبردست کوششیں کیں۔ اعلیٰ حضرت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، مگر ان کی کوششیں اس معیار کی نہ تھیں کہ نظریہ کی تشکیل تک پہنچ جائیں۔ یہ مرتبہ صرف اور صرف اعلیٰ حضرت کی کوششوں کو نصیب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کوششیں نظریہ کے مرتبہ تک پہنچ گئیں اور کسی بھی نظریہ میں تاب وتوانائی، انجلائی کیفیات تو شخصیت سے ہی آتی ہے، اگر شخصیت سے اس کا رشتہ منقطع کر دیا جائے تو نظریہ بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس طرح گلاب کی ہریالی، تر وتازگی اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ وہ پودوں سے جڑا رہتا ہے اور پودوں سے الگ ہوتے ہی اس کی تمام تر رعنائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ کھلتا ہوا گلاب سوکھی ہوئی پتیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچئے اور غور کیجیے...... جو افراد مسلک/نظریہ کا رشتہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے منقطع کر دینا چاہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلک کو بے جان کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ سوچ کسی اپنے کی نہیں ہو سکتی ہے بلکہ غیروں کی ہو سکتی ہے یا پھر ان کی ہو سکتی ہے جو اپنوں میں رہ کر غیروں کی نمائندگی کرتے ہیں اور وہ اغیار کے خشک دریاؤں کو جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اس سماج میں اس قسم کے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ ایک تلاش کیجیے تو سینکڑوں میں ملتے ہیں۔ کبھی سفید پوشوں میں، تو کبھی سیاہ لباسوں میں، ان پڑھ اور جاہلوں میں بھی ملتے ہیں، پڑھے لکھے لوگوں میں بھی، ایسوں کی شناخت بہت مشکل سے ہوتی ہے، کیونکہ یہ لوگ موقعہ ملتے ہی ہمارے رنگوں میں رنگ جاتے ہیں اور پھر ہمارے سماج میں بدعقیدگی، سوء ادبی اور گستاخی کے جراثیم دھیرے دھیرے چھوڑتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اگر کسی کی ذات وشخصیت آڑے آتی ہے، تو وہ ذات صرف اہل سنت و جماعت کے امام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات ہے، جبھی تو یہ افراد ان کے پیچھے پڑ گئے کہ راستے سے وہ ہٹیں اور ان کا راستہ صاف ہو اور فسق و فجور، ضلالت و گمراہی کی اشاعت کا کام آسان ہو۔ ارباب فکر بتائیں؟ یہ مسلک کی توسیع ہے یا پھر توسیع کے نام پر زبردست دھوکہ اور خوبصورت فریب ہے۔

قارئین اس بات کا خود ہی فیصلہ کریں، تو بہتر ہوگا اور پھر اس ذات سے بغاوت...... جو نظریہ و مسلک کے لیے علامت و تشخص کا درجہ رکھتی ہو۔ دنیا میں ایسا کوئی بھی دانشور اب تک نہیں گزرا ہے اور نہ ہی دورِ حاضر میں موجود ہے، جو کسی شے کو اس کی علامتوں سے جدا کر دے، اس طرح کی کوششیں بے کار ثابت ہوتی ہیں اور خود کوشش کرنے والوں کی شخصیتیں مجروح ہو جاتی ہیں، تو پھر یہ کیسے دانشور ہیں جو شے کو علامتوں سے جدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایسی چیستاں ہے جو نہ سمجھی جا سکتی ہے اور نہ ہی سمجھائی جا سکتی ہے۔ ہاں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کوششوں سے نظریوں کو مردہ قرار دینا ہے اور نظریوں کی تشکیل کرنے والوں کو نذر نسیاں کر دینا ہے، خدا خیر کرے، ایسے لوگ ہی صحیح معنوں میں مسلک کے سوداگر ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات وشخصیت سے مسلک کی نسبت کو خوشتر نورانی نے نقطۂ انجماد سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ وہ خود تحریر کرتے ہیں......

''یہاں تک کہ آج ہمارا مسلکی وجود سمٹ کر ایک نقطہ پر منجمد ہوتا جا رہا ہے مسلک کی توسیع اور اس کی ارتقا کے لیے اس روش پر قدغن لگانے کی ضرورت ہے۔'' (جام نور ماہ اکتوبر ۲۰۰۹ء کا یہ ورق)

خوشتر نورانی کی پیش کردہ عبارت کو پڑھئے اور تھوڑی دقتِ نظر سے کام لیجیے اور اس عبارت پر غور کیجیے کہ ایک نقطے پر منجمد ہوتا جا رہا ہے۔ آخر خوشتر نے نقطہ انجماد سے کیا مراد لیا ہے؟ ظاہر ہے اس سے ان کی مراد اعلیٰ حضرت کی ذات وشخصیت ہی ہے۔ کیا اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں انجمادی کیفیت پائی جاتی ہے؟ سوچئے یہ کتنا بڑا بول ہے؟ اور جوش جنوں میں کیا بک رہا ہے، چلئے یہ تو امام احمد رضا کی شخصیت کی بات ہے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں......شخصیت کسی کی بھی ہو، منجمد نہیں ہوتی، فعال اور متحرک ہوتی ہے اور برابر ارتقاء پذیر ہوتی ہے۔ وہ ایک پرشور سمندر ہے، بحر زخار ہے، اس کی تلاطم خیز موجوں اور اس میں اٹھنے والی لہروں کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے اسرار ورموز کو سمجھنا ایک مشکل کام ہے۔ ذرا سوچئے، جب کوئی شخصیت منجمد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں سیال کی کیفیت پائی جاتی ہے، تو پھر اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو منجمد اور نقطہ انجماد سے تعبیر کرنا، ان کی بے حرمتی اور بارگاہ رضا میں سوء ادبی نہیں تو پھر کیا ہے؟ خوشتر صاحب! آپ فکر ودانش سے کام نہیں لیتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت رئیس القلم کا فیضان منجمد ہو چکا ہے اور آپ تک نہیں پہنچ رہا ہے۔ جب اعلیٰ حضرت کی شخصیت منجمد ہو سکتی ہے تو علامہ رئیس القلم کی شخصیت اور فیضان کے منجمد ہونے میں کیا دیر لگ سکتی ہے۔

امام احمد رضا کی ذات سے مسلک/نظریہ کی نسبت کو نقطۂ انجماد سے تعبیر کرنا، حقیقت حال کی غلط تعبیر اور نامعقول تشریح ہے۔ یہ نسبت نقطہ انجماد نہیں بلکہ منبع سیال اور فروغ وارتقاء کا خزانہ ہے اور وسعت ونمو کا سرچشمہ۔ دنیا میں کوئی ایسا نظریہ نہیں جو کسی کی ذات وشخصیت کی طرف منسوب نہ ہو......کیا وہ نظریہ بھی کوئی نظریہ ہے، جس کی تشکیل کا کوئی اتہ پتہ نہ ہو، جب ایسے انسان کی سماج ومعاشرہ میں کوئی وقعت نہیں، کوئی وقار وعزت نہیں، تو پھر نظریہ کی کیا اہمیت ہوگی اور اس کی افادیت کا کون اعتراف کرے گا؟ خوشتر صاحب! آپ نے تو مسلک/نظریہ کو بھی مجروح کر دیا۔ جب مسلک ہی آوارگی قلم سے نہ بچا، تو پھر اکابر کی شخصیتیں کس طرح محفوظ رہ سکتی ہیں؟ کیا اسی کا نام توسیع مسلک ہے؟ کیا کسی نظریہ کے ارتقا اور فروغ کے طریقے ایسے ہی ہوتے ہیں؟

توسیع مسلک کا راز

کسی بھی مسلک کی توسیع کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مسلک کا وجود متعین اور متشخص ہو، مسلک کا تشخص صرف اور صرف علامتوں سے ہوتا ہے۔ یہ بات قریب قریب سب کو معلوم ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا......میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا؟ اس فرمان کے بعد اس فرقۂ ناجیہ کے دین ومذہب متشخص نہیں ہوئے۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ جنتی فرقہ کون ہوگا؟ حکم ہوا، **ما انا علیه و اصحابی** وہ جنتی فرقہ اسی دین کا

پیروکار ہوگا جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔ بعد میں اس فرقہ کی علامت حضرت ابو الحسن اشعری اور حضرت امام ابو المنصور ماتریدی کی ذات قرار دی گئی، موزوں پر مسح اور حضرت ابوحنیفہ کی محبت بھی اس کی علامت قرار دی گئی۔ پھر بعد میں اس کی علامت تقلید ائمہ ہوئی اور دور حاضر میں اس کی دو علامتیں ہیں۔ صوفی اور مسلک اعلیٰ حضرت۔ اگر مذکورہ علامتیں نہ ہوتیں تو مسلک مستحکم نہ ہوتا۔ تو پھر توسیع کس کی ہوئی؟ ایک طرف آپ مسلک کی توسیع کی بات کر رہے ہیں، دوسری طرف آپ اس کی علامتوں سے انحراف کر رہے ہیں۔ میرے دوست یہ توسیع نہیں، مسلک کو دفن کرنا ہے اور اسے روئے زمین سے مٹا دینا ہے۔ ہم اہل سنت نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ جام نور بھی مسلک اہل سنت کو مٹانے کی بات کرے گا؟ علامتوں کو مٹانا کسی بھی صورت میں مسلک کی توسیع نہیں۔ اس سے ایسی تباہی پھیل جائے گی کہ غیر فرقہ کے لوگ اس میں داخل ہو جائیں گے یا پھر اِدھر کے افراد کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں نقصان مسلک کا ہوگا۔ آپ للہ نہیں جو اس نقصان کا شعور نہیں رکھتے، رکھتے ہیں اور یقیناً رکھتے ہیں، نہ معلوم آپ کے دل میں کون سا جذبہ ہے جس کی وجہ سے مسلک کے آپ درپے آزار ہیں۔ علم سے اگر ذرا سا بھی آپ کو شد بد ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مسلک کی توسیع اور اس کا ارتقا اس بات پر موقوف ہے کہ......

اولاً – مسلک حقیقت واقعیت، صداقت اور راست بازی کا ترجمان ہو، زندگی سماج و معاشرہ کا احاطہ کرتا ہو، اس میں نموپذیری اور زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات سے نباہ کرنے کی صلاحیت ہو اور اس میں ایسی استعداد و لیاقت ہو کہ پیش آنے والے حادثات اور تغیرات کو اپنے سانچے میں ڈھال سکے۔ جس مسلک میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں اسے توسیع اور فروغ و ارتقا سے کوئی نہیں روک سکتا ہے۔ اس کی پُرضیاء کرنیں ہند و پاک یا صرف ایشیائی ملکوں تک ہی محدود نہیں رہ سکتی ہیں بلکہ وہاں تک پہنچ سکتی ہیں جہاں انسان کی فکر و نظر کی رسائی بھی نہ ہو۔ ہندوستان میں بہت سے مسالک ہیں، دیوبندی، وہابی، نیچری، چکڑالوی اور قادیانی، مگر ان مسالک کو توسیع نصیب نہیں ہوئی۔ قادیانیت سمٹ چکی ہے، چکڑالویت کا بھی اتہ پتہ نہیں اور نیچریت تو سر سید کے ساتھ دفن ہو چکی ہے۔ وہابیت کا دائرہ بھی بہت تنگ ہے، البتہ دیوبندیت ۲۰ یا ۳۰ فیصد سے زیادہ نہ بڑھی اور یہ بڑھوتری بھی تقیہ بازی پر مبنی ہے۔ کاش یہ حضرات اپنے خیالات باطلہ اور افکار فاسدہ کو طشت از بام کر دیں تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ انھیں کے لوگ قصر دیوبندیت کو مسمار کر دیں گے مگر امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مسلک/نظریہ ایسا مسلک ہے جو ایک طرف صحابہ و تابعین، ائمہ کرام اور بزرگان دین کے عقائد و خیالات کی ترجمانی کرتا ہے تو دوسری طرف جواز کی حد تک زمانہ کی روش کا ساتھ دیتا ہے اور بدلتے ہوئے مزاج و سرشت پر کہیں قدغن لگاتا ہے، تو کہیں اس سے نباہ کی کوشش کرتا ہے، اپنوں کو مسلک کے دائرہ سے باہر نہیں جانے دیتا اور غیروں کو آزادی کے ساتھ اپنے دائرہ میں گھسنے کی اجازت نہیں دیتا، شرطیں لگاتا ہے مذہبی اصولوں کی پابندی کے اسباق بڑھاتا ہے، سچی اور دلوں کو لگتی ہوئی بات کرتا ہے، اسی لیے اس مسلک کی توسیع ہو رہی ہے اور اسے فروغ و ارتقا حاصل ہو رہا ہے۔ خود دہلی کی سرزمین کو لیجیے جہاں سنیت نا کے برابر تھی مگر اب دہلی میں لوگ جماعت اہلسنت سے قریب ہو رہے ہیں۔ یہ مسلک

کی توسیع نہیں، تو کیا اس کو نقطۂ انجماد سے تعبیر کیا جائے گا۔ ہندوستان کا آخر وہ کون سا خطہ ہے جہاں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مسلک ونظریہ کی اجلی کرنیں نہ پڑی ہوں اور قوم و ملت کے افراد ان کی تعلیمات وارشادات سے اکتساب نور وضیا نہ کررہے ہوں، اگر آنجناب کی نظر میں ایسا کوئی خطہ، علاقہ ہے تو نشاندہی کی جائے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسے توسیع مسلک نہ کہا جائے گا تو پھر کیا کہا جائے گا؟ توسیع کا یہی تو مطلب ہے کہ کسی بھی نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے لوگ اس سے جڑ جائیں اور اتفاق کیے بغیر افراد کا کسی نظریہ سے رشتہ قائم کرنا، توسیع نہیں، نفاق وکدورت ہے اور اس نظریہ کی بیخ کنی ہے۔ اس پر غور کیجئے اور صحیح صورت حال تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

ثانیاً۔ کسی حد تک مسلک کی توسیع اس کے حاملین، معاونین اور کارندوں کی کوششوں پر نربھر کرتی ہے۔ یہی افراد تو توسیع وارتقا کے ہاتھ پاؤں ہیں اس اعتبار سے دیکھئے تو مسلک اعلیٰ حضرت کے حاملین ایشیا یورپ، برطانیہ لندن اور امریکہ تک پھیلے ہوئے ہیں جو اپنے اپنے علاقوں کے تقاضوں، ضرورتوں کے تحت نظریہ ومسلک کی اشاعت کر رہے ہیں اور پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بعد جن افراد نے اس مسلک کو توسیع دی وہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

〈گروپ الف〉۔ (۱) حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ

(۲) مفتی عالم حضرت علامہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ

(۳) ملک العلماء حضرت علامہ مولانا محمد ظفر الدین صاحب علیہ الرحمہ

(۴) صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا محمد نعیم الدین صاحب علیہ الرحمہ

(۵) صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی صاحب علیہ الرحمہ

(۶) برہان ملت حضرت علامہ مولانا محمد برہان الحق صاحب علیہ الرحمہ، وغیرہ

(۷) حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن محیٰ علیہ الرحمہ

(۸) حضرت مولانا قادر بخش سہرامی،

〈گروپ ب〉۔ اس گروپ میں وہ علماء شمار کیے جاتے ہیں جو گروپ الف میں مذکور علمائے کرام کے براہِ راست شاگردوں میں شامل ہیں، خاص طور سے حضرت صدرالشریعہ کے شاگردوں کے نام سرفہرست ہیں:

(۱) مفسر اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ

(۲) رئیس اڑیسہ مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ

(۳) صدر العلماء حضرت علامہ مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی علیہ الرحمہ

(۴) حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ

(۵) غزالی دوراں حضرت علامہ قاضی شمس الدین احمد صاحب علیہ الرحمہ

(۶) رازی زماں حضرت علامہ مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری وغیرہ

〈گروپ ج 〉- میں وہ علمائے کرام شامل کیے جاسکتے ہیں جو گروپ (ب) کے شاگرد ہیں خاص طور پر حضور حافظ ملت کے تلامذہ کرام مثلاً:

(۱) حضور ریحان ملت حضرت علامہ مولانا محمد ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ

(۲) شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ

(۳) عتیق العلماء حضرت علامہ مفتی محمد تحسین رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ

(۴) بحر العلوم مفتی محمد عبد المنان صاحب قبلہ

(۵) تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا محمد اختر رضا خاں صاحب ازہری

(۶) محدث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ

(۷) رئیس القلم حضرت علامہ مولانا محمد ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ

(۸) پاسبان ملت حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمہ

(۹) سند المدرسین حضرت علامہ مفتی محمد خادم رسول صاحب علیہ الرحمہ

حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی علیہ الرحمہ

گروپ ج میں چند علمائے کرام کے اسماء ذکر کر دیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء کرام ہیں جو اس گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مختلف ملکوں اور علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت کو وسعت دینے اور اس کے فروغ وارتقا میں شب و روز ایک کیے ہوئے ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے حاملین کا ایک سرسری اور مختصر جائزہ پیش کر دیا گیا۔ اس جائزہ سے یہ اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں کہ دوسرے مسالک میں سے کوئی بھی مسلک اس قدر وسعت نہیں رکھتا، جس قدر کہ مسلک اعلیٰ حضرت/مسلک اہل سنت کو وسعت حاصل ہے۔ کوئی بھی مسلک اس کی برابری نہیں کر سکتا، خواہ وہ دیوبندیوں کا مسلک ہو یا وہابیوں کا، قادیانیوں کا مسلک ہو یا ندویوں کا، نیچریوں کا مسلک ہو یا چکڑالویوں کا، یہ حقائق اس لیے پیش کر دیے گئے ہیں تاکہ آپ کو مسلک کی وسعت کا اندازہ ہو جائے اور پھر کسی ایک ذات پر نقطۂ انجماد تک سمٹ جانے کا گمان بھی نہ رہے۔

غلط فہمی اور اس کا ازالہ

مسلک اعلیٰ حضرت کے تمام حاملین جو اس دور میں موجود ہیں انھیں اپنی جبلت اور منصب و مرتبہ کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ اپنے منصب کے دائرہ سے پاؤں باہر نکالنا نہ صرف خطرناک ہے بلکہ تکبر و غرور، نخوت اور انانیت ہے۔ یہ حاملین مسلک اعلیٰ حضرت کے سپاہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، سپاہی تھے اور سپاہی ہی رہیں گے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ کچھ نے زیادہ کوششیں کیں اور کچھ نے کم مگر ہیں وہ سپاہی۔ انھیں مرکزی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے۔ کیا سپاہیوں کی قربانیاں کم ہیں؟ کیا ان کی وفاداریوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں؟ ہے اور ضرور ہے، تو پھر کیا ضرورت پیش آئی کہ انھیں مرکزی حیثیت دی جا رہی ہے اور بریلی کی مرکزیت سلب کرنے کی یہ سرشت و عادت نہ کل لائق تحسین تھی اور نہ آج ہے؟ بلکہ جس فرد عظیم کے لیے اس قسم کی باتیں کی جا رہی ہیں ان کی روح بھی ان کوششوں

سے خوش نہیں ہوگی اور وہ بھی اپنے دل میں انھیں کوس رہے ہوں گے۔ لہٰذا ایسی خطا ہرگز نہ کی جائے جس سے بزرگوں کو اذیت پہنچے اور انھیں تکلیف ہو۔ یہ تلخ باتیں ضرور ہیں مگر حقائق پر مبنی ہیں اس لیے میں نے نہایت ہی فراخدلی سے آپ کے روبرو پیش کر دیں۔

بری سوچ کا برا نتیجہ

بزرگوں کا مقولہ ہے ''بری سوچ کا نتیجہ بھی برا اور خطرناک ہوتا ہے''۔ مسلک اہل سنت کے لیے بھی کچھ لوگ بری سوچ رکھتے ہیں اور اسی پر ہندوستان کے تمام افراد کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ اب آپ یہ کہیں گے کہ بری سوچ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں میرا کہنا یہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو ختم کرنا ہی بری سوچ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت ہی ہے جو غیروں کو حق قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اپنوں کو اس کے دائرہ سے باہر نہیں جانے دیتا ہے۔ اگر راستہ سے اسے ہٹا دیا جائے تو صلح کلیت پھیل جائے گی اور ایک قسم کی انارکی کا دور دورہ شروع ہو جائے گا۔ اب آپ خود ہی سوچیں، یہ مسلک اہل سنت کی توسیع ہے یا کچھ اور ہے۔ اس اعتبار سے تحریک جام نور اور تحریک ندویت میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے کہ صلح کلیت کا فروغ اس کا بھی مقصد تھا اور تحریک جام نور کا بھی یہی مقصد ہے۔ بس فرق طریقۂ فروغ و ارتقاء میں ہے، اس نے تعلیم و تربیت کو طریقۂ فروغ کی صورت میں اپنایا اور جام نور نے صحافت، تحریر، انشاء پردازی کو اس کے لیے استعمال کیا۔ اس کا مرکز لکھنو کی سرزمین تھا اور اس کا مرکز ہندوستان کی راجدھانی دلی ہے۔ تحریک ندویت کی مخالفت جہاں حضور سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کی، ہیں تاج الفحول حضرت علامہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی مخالفت فرمائی۔ اس دور میں جو لوگ تحریک جام نور کی مخالفت کر رہے ہیں وہ انھیں دونوں بزرگوں کے طریقہ پر چل رہے ہیں۔ اس مضمون کو پڑھ کر کوئی بھی دانشور فیصلہ کر سکتا ہے کہ آپ کی روش مسلک کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور حاملین مسلک کے لیے بھی۔ قوم و ملت کو بھی اس کا نقصان ہوگا اور علمائے کرام کو بھی۔ اس طرح تو آپ اپنے ہی اکابر کے درپے آزار ہو رہے ہیں اور ان کے کارناموں کو مٹا رہے ہیں۔

❁❁❁

خدایا! جذبۂ یقیں سلامت رہے

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

یقین، قلبی کیفیات اور دلی واردات کا نام ہے۔ اسی بنیاد پر اسے جذبہ سے تعبیر کیا گیا۔ یقین دل کے مستحکم اور ناقابل تسخیر رشتہ کا نام ہے۔ یہ رشتہ اس قدر مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے کہ اسے توڑنے میں برسہا برس گذر جاتے ہیں، اس کے باوجود اس میں تزلزل پیدا نہیں ہوتا ہے۔ ظن و وہم، شک و تردد اور گمان کی منزلوں سے گزر جانے کے بعد ہی یقین کا درجہ دستیاب ہوتا ہے۔ یقین کے متعلقات بے شمار ہوتے ہیں، کبھی اس کا متعلق قول ہوتا ہے اور کبھی فعل، کبھی کوئی منجمد شے اس کا متعلق ہوتا ہے اور کبھی سیال و متحرک شے، اس کا متعلق جس قدر اہم ہوتا ہے۔ اسی کے اعتبار سے یقین کے جذبہ میں اہمیت، افادیت اور عظمت نظر آتی ہے۔ سب سے پہلے اس کا متعلق سرور کائنات ﷺ کی ذات و شخصیت کو قرار دیا گیا۔ بعثت سے قبل میرے آقا و مولیٰ ﷺ کی زندگی اور پاکیزہ حالات اسی جذبہ یقین میں استحکام لانے کے لیے منصۂ شہود پر آئے...... اعلان نبوت سے قبل میرے سرکار اہل مکہ سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا:

اے اہل مکہ اگر میں یہ کہوں اس پہاڑ کے پیچھے دشمنوں کی فوج ہے جو تم پر حملہ آور ہو کر تمہیں تباہ و برباد کرنا چاہتی ہے تو کیا تم میری ان باتوں پر یقین کرو گے؟ سب نے کہا...... ہاں، ہاں، کہ آپ سچے ہیں، امانت دار ہیں، کبھی آپ کی زبان سے جھوٹی بات نہیں نکلی۔

یہ ارشاد گرامی شخصیت کے تئیں ان کے دلوں میں جذبۂ اعتماد و یقین بیدار کرنے اور قول و فعل کی اتباع کے لیے زمین ہموار کرنے کے لیے تھا۔ اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ شخصیت پر اعتماد کرنا اور اس پر یقین رکھنا اول و مقدم ہے اس کے بعد ہی کسی قول یا قضیہ پر یقین کا مرتبہ آتا ہے۔ اس جذبہ یقین کے فلسفہ کو صرف حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ صحابہ کرام کی ذوات مقدسہ کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہونا چاہیے کہ پہلے ان کی شخصیتوں پر یقین رکھیں اور جذبۂ اعتماد کو بحال کریں، اس کے بعد ہی ان سے اکتساب نور و ضیا کریں۔ سرکار دو عالم

صدر مدرس شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے کسی ایک کی اقتداء کرو، اتباع کرو، ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین اور ان کے بعد ائمہ کرام، اولیائے عظام اور بعد میں علمائے اہل سنت کی ذاتوں پر یقین رکھو ہدایت مل جائے گی۔ فلاح و بہبودی نصیب ہو جائے گی، کامیابی اور فوز مرامی قدم چومے گی۔ یہ ارشاد کسی اور کا نہیں سرکار دو عالم ﷺ کا ہے۔ یہی تو جذبۂ یقین ہے جو نجات و ہدایت کی علامت اور شناخت ہے۔ کبھی حضرت ابوالحسن اشعری، ابو المنظور ماتریدی کی شخصیتوں پر اعتماد کو فرقۂ ناجیہ کی علامت قرار دیا گیا اور کبھی ائمہ کرام کے تعلق سے جذبۂ یقین و اعتماد کو دور حاضر میں امام احمد رضا کی ذات و شخصیت پر یقین رکھنے کو فرقۂ ناجیہ کا معیار قرار دیا گیا اور پھر اسی جذبہ یقین نے مسلک کی نسبت امام احمد رضا کی طرف کرنے کی ترغیب دی۔

یقین انسانوں کا فطری جذبہ ہے

میں تمام ارباب فکر و دانش سے گذارش کروں گا، وہ آئیں اور جذبہ یقیں پر غور کریں۔ یقین انسانوں کی فطرت اور اس کی جبلت ہے اور جو چیز فطری ہوتی ہے، انسانوں کا کوئی طبقہ یا کوئی فرد اس سے بیگانہ نہیں رہ سکتا ہے۔ یوں تو ہماری زندگی بہت زیادہ وسیع و کشادہ ہے۔ اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں اور یقین و اعتماد بھی ہماری زندگی کا جزو لاینفک ہیں۔ نہ ہم یقین سے بیگانہ اور نہ ہی یقین ہم سے بیگانہ رہ سکتا ہے۔ ہر موڑ پر ہمیں یقین سے سابقہ پڑتا ہے۔ کسی بھی انسان کو کیا معلوم؟ اس کا باپ کون ہے؟ اور ماں کون ہے؟ اور اس بات کا بھی پتہ نہیں کہ ہم کس کی اولا... سے ہیں؟ ماں کی ذات پر یقین تھا، انھوں نے کہا......تو م... نورِ نظر ہے، لختِ جگر ہے۔ میں نے تسلیم کرلیا، میری ماں ... ہے۔ باپ نے کہا......تو میرا جگر پارہ ہے، میری آنکھوں... نور، دل کا سرور ہے۔ میں نے یقین کرلیا آپ جو کچھ ... کہہ رہے ہیں، وہی سچ ہے۔ ذرا سوچئے اگر یقین کا جذبہ ... ہو جائے تو باپ بھی مشکوک اور ماں کی ممتا پر بھی انگلی اُٹھ سک... ہے۔ اس کے نتیجہ میں خود میرا وجود بھی شک کے دائرہ میں ... سکتا ہے۔ ہم جذبہ یقین سے کہاں تک احتراز کریں گے، ... تو ہماری سانسوں میں بسا ہوا ہے اور رگوں میں خون بن ک... دوڑ رہا ہے۔ اگر اپنے وجود سے اس جذبہ یقین کو اُٹھا لیا ... ئے تو خود ہمارے وجود کا اتہ پتہ نہیں رہے گا اور ہم بھی ا... جماعت میں شامل ہو جائیں گے جنھوں نے شکوک وشبہات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ اس جماعت کا نام فرق... لاادریہ ہے اسے کچھ پتہ نہیں اور نہ ہی کسی چیز کا علم ہے، حتی کہ انھیں اپنے وجود کا بھی یقین نہیں، خود انھیں اپنے وجود پر شک ہے، ایسے لوگوں سے بات کی جائے تو کس طرح کی جائے۔ بحث و تمحیص کا دروازہ کھولا جائے، تو کس طرح کھولا جائے؟ بڑے بڑے دانشوروں سے یہ گتھی نہیں سلجھی، تو ہم کیا سلجھا پائیں گے؟ اس بارے میں میری بساط ہی کیا؟ اس سے مناظرہ کی کوئی سبیل نہیں۔ ارے بھئی بات اس سے کی جاتی ہے، جو کسی مقام پر یقین تو کرے اور اپنے قلبی رشتوں کو استحکام تو بخشے۔ جہاں استحکام ہی نہیں، ان سے گفتگو کرنا فضول ہے۔ ایسے افراد کے ساتھ تو وہی سلوک کرنا چاہیے جو سلوک ہمارے بزرگوں نے کیا۔ انھوں نے کیا سلوک کیا؟

شرح عقائد اٹھایئے اور اس عبارت پر اپنی توجہ مرکوز کیجیے علامہ سعدالدین تفتازانی فرماتے ہیں......

والحق انه لا طريق الى المناظرة معهم خصوصاً لا ادريه لانهم لا يعترفون بمعلوم ليثت به مجهول. بل الطريق تعزيبهم بالنار ليعترفوا او يحترقوا: سوفطائیہ اور خاص طور سے فرقہ لاادریہ کے ساتھ مناظرہ کی گنجائش نہیں کہ یہ لوگ کسی معلوم شے کا اعتراف نہیں کرتے، تو پھر کسی مجہول کا ثبوت کس طرح کیا جائے، ہاں صرف یہ صورت ہے کہ انھیں آگ میں جھونک دیا جائے تا کہ یہ اعتراف کرلیں یا پھر جل کر خاک ہو جائیں۔ (شرح عقائد نسفیہ مع حاشیہ خیالی، ص: ۲۲،۲۳)

غور کیجیے...... ہمارے ارباب فکر و دانش نے ہر دور میں عوام و خواص کے دلوں میں بزرگوں اور علم والوں کے تعلق سے، اعتماد و یقین پیدا کرنے کی کوششیں کیں اور انھیں شخصیتوں پر بھروسہ کرنے کی تعلیم پر زور دیا۔ اس مقصد کے حصول میں جن چیزوں کی ضرورت محسوس ہوئی، انھیں فراہم کیا، اعمال صالحہ، شیریں گفتاریں، حسن اخلاق، حتی کہ قلم و زبان کی توانائیاں بھی اس کے لیے صرف کیں۔ سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا، وطن سے دوری اختیار کی، دیار غیر میں جا کر تعلیم و تربیت کے انجام دینے کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ جو افراد روایت و درایت کے اصولوں سے واقف ہیں، وہ اس بات کے اعتراف میں لیت و لعل سے قطعی کام نہ لیں گے۔ اس بنیاد پر اگر یہ کہا جائے تو کوئی غلط بات نہ ہوگی کہ شخصیت کی اہمیت سے ہی قول و قضیہ میں اہمیت آتی ہے اور اس میں افادیت کی رعنائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اسلوب اور شخصیت

کلام، ادبی ہو یا مذہبی، نثری ہو یا شعری، اس کا تعلق تاریخ و فلسفہ سے ہو یا پھر تفسیر و حدیث سے اس میں سب سے زیادہ اہمیت، اسلوب اور انداز بیاں کو حاصل ہے، انداز بیاں پر کشش ہے، تو کلام میں بھی جذب و کشش پائی جاتی ہیں۔ اسلوب اگر شگفتہ ہے تو کلام بھی شگفتہ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ قارئین کے دل و دماغ پر اسلوب ہی نمایاں اثر ڈالتا ہے اور تاثیری کیفیت پیدا کرتا ہے۔ بسا اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ ذی شعور افراد اسلوب کی رعنائی اور خوبصورتی سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ شاعر یا مقالہ نگار کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ اہل فن جانتے ہیں کہ اسلوب شخصیت کا ترجمان ہوتا ہے، جیسی معنی خیز شخصیت ہوتی ہے ویسا ہی اسلوب ہوتا ہے۔ شخصیت میں انفرادی اختلافات کے سبب ہی اسالیب ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ غالب کا انداز بیاں اور ہے تو اقبال کا اسلوب ندرت و کمال کا حامل ہے، داغ دہلوی نے اپنے اسلوب میں شوخی اور تیکھاپن کو شامل کیا ہے تو دوسرے فنکاروں کے انداز بیاں میں کچھ الگ قسم کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلوب میں سب سے زیادہ اگر کسی کا عمل دخل ہے تو وہ فنکار کی شخصیت کا ہے۔ کلام، اسلوب، طرز نگارش، اندازِ بیاں جیسے اوصاف بھی شخصیت کے رہین منت ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کلام و شعر کی زلفوں میں شانگی اگر کوئی کرتا

ہے تو وہ کوئی اور نہیں بلکہ فنکار کی شخصیت اور ان کی صلاحیت و استعداد ہے، جس سے کلام میں خوبصورتی، حسن و کمال، خوش سلیقگی اور شگفتگی جیسے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ شخصیت اور اسلوب کا بہت زیادہ گہرا تعلق ہے اور دونوں میں اس قدر شدید امتزاج پایا جاتا ہے کہ اسلوب کو شخصیت سے اور شخصیت سے اسلوب کو جدا نہیں کر سکتے ہیں۔ اسلوب صاف شفاف آئینہ ہے، تو شخصیت اس میں تصویر جاناں کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاج محل کی اہمیت صرف اس وجہ سے ہے کہ ممتاز محل کی یادیں اس سے وابستہ ہیں، بظاہر اس میں کوئی خوبی نہیں، کوئی کمال نہیں۔ الفاظ و کلمات تو صرف خطوط ہیں، سادہ سی لکیریں ہیں ان میں جو نورانی جلوے اور تاب و توانائی پائی جاتی ہے صرف شخصیات کی بدولت، ان سے جدا ہو کر ان میں کوئی خوبی نہیں اور نہ ہی کسی قسم کی رعنائی و شگفتگی ہے۔ اس لیے پہلے شخصیات کا احترام کیا جائے اور پھر ان کے توسط سے تخلیقات اور فنی شاہ پاروں کا، یہ ادبیات کا نقطۂ نظر ہے جس کی وضاحت کی گئی، مذہبیات کوئی ادبیات سے الگ نہیں، اس میں بھی ہر مقام پر شخصیات کے احترام کی جلوہ افروزیاں دکھائی پڑتی ہیں۔

احترام شخصیت اور مسئلہ تقلید

تمام مذہبی شخصیتوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چاروں اماموں سے کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے، کیونکہ حق انھیں اماموں کی تقلید و اتباع پر موقوف ہے اور انھیں اماموں کے پیروکاروں کو اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے، کوئی حنفی ہے تو حق پر ہے، شافعی اور حنبلی بھی حق پہ ہیں۔ مالکی بھی فرقۂ ناجیہ میں سے ہے، گہرائی میں اتر کر دیکھئے تو تقلید خود ہی شخصیت کے احترام اور اس کے تئیں جذبہ اعتماد و یقین کو واضح کر رہی ہے۔ اگر کوئی ان کی شخصیت کا احترام نہیں کرتا ہے، تو پھر تقلید سے کیا فائدہ؟ اور ایسی پیروی کس کام کی؟ یہ باتیں تو ارباب فکر پر روشن ہیں ہی، انھیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ احترام شخصیت کو، تقلید ائمہ تک محدود نہیں رکھا جا سکتا ہے بلکہ اس دور میں بھی شخصیت کا احترام کرنا چاہیے اور ان کے تعلق سے اعتماد و یقین بھی رکھنا چاہیے چونکہ شخصیت فعال متحرک اور سیال ہوتی ہے۔ اس لیے اطاعت و اتباع میں بھی درجہ بدرجہ فروغ ہوتا رہتا ہے۔ شخصیتوں سے جو چیزیں منسوب ہو جاتی ہیں وہ بھی ارتقائی منزلوں سے ہم کنار ہو جاتی ہیں اور فلاح و بہبودی کے مرتبہ بلند پر پہنچ کر اپنی خوشبوؤں کا اظہار کرتی ہیں۔ ایک دور ایسا بھی آیا تھا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت والفت کو ایمان کی علامت بنایا گیا اور اسے ہی دین حق کی شناخت قرار دی گئی۔ جو لوگ شخصیتوں کو بھول کر کلام و عبارت کی خوبصورت رعنائیوں میں کھو جاتے ہیں اور پھر اسی سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، وہ سخت قسم کی غلطی کے شکار ہیں کہ وہ اصل مقصد کے حصول کی راہوں پر نہ چل کر ایک ایسی راہ پر پابہ رکاب ہیں، جو تباہ کاری اور بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کسی چھوٹے بچے کے ذہن کو بھوک کی شدت احساس سے ہٹا کر کسی اور طرف موڑ دیا جائے اور اسے کھلونے یا پھر جھوٹی تسلیوں میں الجھا دیا جائے، یہ ایک خوبصورت دھوکہ ہے اس جھانسہ میں نہیں آنا چاہیے۔ کسی بھی کلام اور فن پارہ کا مطالعہ کرنے سے قبل مصنف کی شخصیت

اور اس میں مضمر اسرار و رموز کا مطالعہ کرنا چاہیے اور یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ان کی شخصیت میں کسی قسم کی خوبیاں پائی جاتی ہیں اور علوم و فنون میں کس مہارت پائی جاتی ہے، ان پہلوؤں کا مطالعہ کیے بغیر ان کے کلام سے استفادہ معتد بہ حد تک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ مطالعہ کی نئی جدت اور کوشش نہیں بلکہ سائنٹفک انداز فکر اس کا مطالبہ کرتا ہے اور ہر دور میں اس طرح کا طریقہ مطالعہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔ جس کے دل میں انصاف و دیانت کی تھوڑی سی بھی رمق باقی ہے، وہ اس کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

دورِ حاضر کا محقق

جو حضرات علم و فن سے تعلق رکھتے ہیں انھیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ دورِ حاضر میں اگر کوئی لاجواب، بے مثال محقق ہے تو وہ امام احمد رضا کی ذات گرامی ہے، اس کا اعتراف اپنوں نے بھی کیا ہے اور غیروں نے بھی، عوامی سطح پر بھی ان کی مقبولیت ہے اور خواص تو انھیں دل و جان سے جانتے اور مانتے ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام و خواص میں سے ہر ایک طبقہ کے افراد ان پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کی شخصیت پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ حق و صداقت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ اسی جذبۂ اعتماد نے انھیں مسلک کی نسبت ان کی ذات کی طرف کرنے پر مجبور کیا۔ اس نسبت پر ہر ایک خوش نظر آتے ہیں اور پھر اپنی مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہیں، عوام بھی اور خواص بھی۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے نعرہ کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ دورِ حاضر کے تمام ارباب فکر و دانش نے اس نسبت کو اپنے دل میں جگہ دی اور اسے ذہنوں میں پیوست کیا۔ ایسا کر کے ہم ان کی ذات اقدس پر کوئی احسان نہیں کر رہے ہیں کیونکہ وہ اس بات کے کبھی بھی متمنی نہ رہے، مگر کیا کیا جائے ان کے علاوہ کوئی ایسی ذات بھی تو نہیں جس کی طرف مسلک کی نسبت کی جائے اور ان کی ذات کو حق و صداقت کا معیار قرار دیا جائے۔ اس نسبت کا اگر کوئی جذبۂ محرک ہے تو وہ صرف اعتماد و یقین کا جذبہ ہے۔ یہ جذبہ انمٹ اور لازوال ہے۔ ہر دور میں اس جذبہ کی پذیرائی کی گئی ہے، کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں اس جذبہ یقین کو نہ مانا گیا ہو۔ اگر تاریخ میں کہیں ایسا دور ہے تو اس کی نشاندہی کی جائے، ہم احسان مند ہوں گے اور منھ بھرائی بھی کریں گے۔ ذیل میں کچھ تاثرات نقل کیے جا رہے ہیں جن کے مطالعہ سے بزرگوں کے تئیں جذبہ یقین کا اظہار ہوتا ہے، چشم دل سے ان تاثرات کا مطالعہ کریں:

(۱) رازی زماں، غزالی دوراں حضرت علامہ قاضی شمس الدین احمد صاحب، مصنف قانون شریعت علیہ الرحمہ جو اپنے دور کے زبردست مفکر، مدبر اور عظیم دانشور تھے۔ مروجہ علوم و فنون پر زبردست مہارت رکھتے تھے۔ ان کی زیادہ تر زندگی جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں گزری۔ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اور یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ تمام مدارس اسلامیہ میں صرف جامعہ حمیدیہ رضویہ کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ صدر الشریعہ کے دس شاگردوں میں سے دو شاگرد بہت دنوں تک یہاں مدرس رہے ہیں۔ قاضی صاحب اور حضرت علامہ مولانا محمد سلیمان صاحب

بھاگلپوری علیہ الرحمہ، قاضی صاحب قبلہ دوران درس اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا تذکرہ کرتے تھے۔ تو ان کی جبین اقدس پر مسرت و شادمانی کی لکیریں ابھر جاتیں اور چہرہ شگفتہ گلاب نظر آتا تھا۔ حضرت قاضی صاحب قبلہ دوران تدریس برابر فرماتے...... اعلیٰ حضرت جیسا عبقری، مفکر، محقق اور مصنف گذشتہ ادوار میں بھی نظر نہیں آتا۔ دورِ حاضر کی تو بات ہی مت کیجیے۔ علامہ شامی کے یہاں تسامح تو نظر آتا ہے مگر امام احمد رضا کے یہاں ہمیں کوئی تسامح نظر نہیں آیا۔ امام احمد رضا نے جو کچھ بھی لکھا، اسے مکمل کر دیا۔ انھوں نے نہ اپنوں کے لیے کوئی گنجائش چھوڑی اور نہ ہی غیروں کے لیے اور سرکار مفتی اعظم ہند کے تعلق سے بسا اوقات فرمایا کرتے تھے...... جس فتویٰ پر مفتی اعظم ہند کا دستخط ہو، میں آنکھ بند کر کے اس کی تصدیق کر دیتا ہوں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے قلم کو خطا و نسیان سے محفوظ رکھا ہے، یہ اس کی خاص رحمت ہے۔

(۲) تاجدار مارہرہ مطہرہ حضرت علامہ مولانا حافظ و قاری سید مصطفیٰ حیدر حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ نے ایک مجلسی گفتگو میں فرمایا...... میاں، اعلیٰ حضرت کی کیا بات کرتے ہو، ہمارے بزرگوں نے ان کی محبت ہمیں گھٹی میں پلا دی ہے۔ میں نے حدائق بخشش کو سبقاً سبقاً پڑھا ہے جو اعلیٰ حضرت کا نہیں، وہ میرا نہیں، میں نے اپنے بچوں کو نصیحت کی ہے وہ اعلیٰ حضرت کے مسلک پر قائم رہیں۔ حضور امین ملت اور شرف ملت نے بھی عرس چہلم میں اسی قسم کے تاثرات کا اظہار حضور احسن العلماء کے حوالہ سے کیا تھا۔

بطور نمونہ یہ دو تاثرات میں نے پیش کر دیئے۔ دورِ حاضر میں جس قدر محتاط علمائے اہل سنت ہیں یا جو تھے ان کے تاثرات بھی ایسے ہی تھے۔ غیروں کے تاثرات کے لیے دیکھئے علامہ یٰسین اختر مصباحی کی کتاب ''امام احمد رضا غیروں کی نظر میں'' اور مطالعہ کیجیے مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے لکھے گئے مضامین و مقالات، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ امام احمد رضا کی ذات و شخصیت اور ان کی علمی بصیرت پر علمائے اہل سنت کو کس قدر اعتماد تھا اور کس اعلیٰ درجہ کا یقین تھا؟ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح اسی جذبۂ اعتماد و یقین کا اظہار کرتی ہے۔ اس لیے ہمارے علمائے کرام نے اور قوم وملت کے دانشوروں نے اس کا استعمال کیا اور آنے والی نسلوں کو اس کے استعمال کی تلقین فرمائی۔ اس کے رائج و استعمال ہونے پر نہ کسی عالم کو اعتراض ہے اور نہ ہی کسی نے اس پر افسوس کا اظہار کیا، اور کر بھی نہیں سکتے ہیں کیونکہ اس اصطلاح کی بنیاد ٹھوس حقائق پر مبنی ہے جو دلوں میں اتر جاتی ہے اور ذہنوں میں گھر کر جاتی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شخصیت جب اس قدر معتبر ہے اور ان پر اہل علم وفن کو اعتماد ہے تو انھوں نے مسلک کے روپ میں جو نظریات، قوم کے حوالہ کیا، ان پر بھی اعتماد کرنا چاہیے اور ان کے موقف سے قطعی نہیں ہٹنا چاہیے کہ انھوں نے یہ موقف بہت کچھ سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اس کے تمام پہلوؤں کو فن کی روشنی میں دیکھا، فکر ونظر کی کسوٹی پر پرکھا، تب کہیں جا کر موقف کی صورت میں تبدیل کیا۔ میں یہ نہیں

کہنا کہ ان کے موقف سے انحراف اختیار کرنا گناہ عظیم ہے، لیکن اس انحراف کے لیے جس علم کی ضرورت ہے اور تعمق فکر کی حاجت ہے، دورِ حاضر میں وہ اعلیٰ صلاحیت کسی کے پاس نہیں، تو پھر ان کے خلاف موقف اختیار کرنے کا جواز کہاں سے آگیا؟ ٹی. این. شیشن کے دور میں شناختی کارڈ کا ایک ہوا کھڑا ہوا۔ الیکشن آفیسرز نے اس پر بڑی سختی برتی اور یہاں تک کہہ دیا کہ جس کے پاس شناختی کارڈ نہیں، وہ ہندوستان کا دوسرے درجہ کا شہری ہے۔ شناختی کارڈ کی مخالفت سماجی کارکنوں نے بھی کی اور کچھ صوبوں کے مکھ منتریوں نے بھی۔ بہار کے وزیر اعلیٰ لالو پرشاد یادو نے تو ٹی. این. شیشن کو چیلنج بھی کر دیا کہ ہم شناختی کارڈ نہیں بنوائیں گے، دیکھتے ہیں ووٹ کیسے نہیں ڈلوایا جاتا ہے۔ جو لوگ اخبار کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ اس سے بخوبی واقف ہیں مگر یاران نکتہ داں نے اسے ضرورت، حاجت کی منزل میں رکھ کر شناختی کارڈ کے لیے تصویر کشی کو جائز قرار دے دیا۔ حالانکہ اس کے جائز قرار دیئے جانے کے بعد شناختی کارڈ میں چھوٹ مل گئی اور بہت سے لوگوں نے اس کے بغیر ووٹ ڈالا۔ شناختی کارڈ کے بنا ووٹ کا ڈالنا اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ تصویر کشی کے جواز کے لیے کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی کوئی حاجت تھی بلکہ ضرورت وحاجت کا صرف ایک شور تھا۔ چلیے بالفرض یہ مان لیا کہ اس کی ضرورت تھی مگر مدرسہ کے طلبا کو شناختی کارڈ جاری کرنا بھی، کوئی ضرورت وحاجت ہے کہ طلبہ کو تصویر کشی کی اجازت دے دی گئی اور مدرسہ کے شناختی کارڈ میں ہر ایک طلبہ کی تصویر چسپاں کی گئی۔ اگر اس کا شوق تھا تو جواز کے حصول سے پہلے ہی یہ شوق پورا کر لیا جاتا، کم از کم سیدی اعلیٰ حضرت کے موقف سے انحراف تو نہ ہوتا۔ اس طرح کے اور بھی مسائل ہیں جن میں انحراف اختیار کیا گیا اور ضرورت وحاجت یا مصلحت شرعیہ کا بلاوجہ استعمال کیا گیا۔

بزرگوں کا موقف ہی درست ہے

دورِ حاضر میں بزرگوں کے موقف سے انحراف اختیار کرنے کی ہوا چل گئی ہے اور دن بہ دن اسلاف بیزاری کی فضا ہموار ہو رہی ہے۔ جسے دیکھئے اسلاف سے اور ان کی اتباع سے اپنا پلو جھاڑ رہا ہے۔ برملا بزرگوں کے خلاف مضامین لکھے جا رہے ہیں اور کتابیں ترتیب دی جا رہی ہیں اور ان کے اختیار کردہ موقف سے انحراف اختیار کیا جا رہا ہے۔ انحراف کسی بھی صورت میں مناسب نہیں اور نہ ہی انصاف و دیانت کے تقاضوں پر پورا اتر رہا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ بزرگوں کے موقف کی اتباع کی تلقین کی جائے اور اس پر زور صرف کیا جائے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے، ہر ایک فرد کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں یہ یقین پیدا کر لیں کہ بزرگوں کا موقف ہی صحیح اور درست ہے، حق اسی موقف کے ساتھ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس موقف کی نوعیت میری سمجھ میں نہ آئے، جب ہر ایک فرد کے دل میں یہ خیال جم جائے گا، وہاں نہ انحراف ہوگا اور نہ ہی اسلاف بیزاری کی کوئی بات ہوگی۔ اسلاف بیزاری کا تصور بہت زیادہ قبیح ہے جو اچھے اچھوں کی شخصیتوں کو مجروح کر دیتا ہے اور کردار وعمل میں سیاہ دھبے پیدا کر دیتا ہے۔ یہ کوئی افسانوی خیال نہیں، تجربہ کی بات ہے۔ ظفر ادیبی نے اسلاف بیزاری سے کام لیا، کہیں کا نہ رہا۔ خلیل احمد بجنوری ثم

بدایونی نے اس کا جھنڈا بلند کیا، انھیں کیسی ذلت ملی اور کیسی رسوائی نصیب میں آئی، تمام دانشور طبقہ اس سے واقف ہے۔ ان کی قبر پر کتا بھی پیشاب کرنے کو تیار نہیں۔ اس موقعہ کے تناسب میں حضرت رئیس القلم نے بڑے پتہ کی بات کہی تھی کہ بزرگوں کی برائی اور اسلاف بیزاری انھیں لے ڈوبی۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب قائد اہل سنت بدایوں تشریف لائے تھے اور ساگر تال جاتے ہوئے راستہ میں فرمایا تھا۔ انھوں نے جو فرمایا...... وہی اصل حقیقت تھی۔

جام نور اور اسلاف بیزاری

تمام مذہبی رسالوں میں جام نور بھی ایک اہم رسالہ ہے جو جنگل کی آگ کی طرح اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ مگر کیا خبر تھی کہ اس کے ساتھ اسلاف بیزاری کا بھوت بھی گھر تک آن پہنچے گا اور سنیوں کی زندگی میں ناسور پیدا کر دے گا۔ ترقی اور روشن تہذیب کے نام پر موسم خزاں کا دور بھی لا دے گا۔ در و دیوار کی فضاؤں میں بھی، اسلاف بیزاری کا زہر پیوست کر دے گا۔ جام نور کو کوثر و سلسبیل کا جام خیال کر کے حلق کے اندر تو انڈیل لیا مگر اسلاف بیزاری کے نشہ نے یارانِ نکتہ داں کو ایسا مدہوش کر دیا کہ کچھ ہوش مند طبقہ اسی کی بولیوں میں باتیں کرنے لگے:

(۱) مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح غلط

(۲) بریلوی ایک فرقہ ہے

(۳) اشتراک عمل پر زور

(۴) ٹائی کے جواز پر مضامین کی اشاعت

(۵) کنز الایمان پر اعتراضات اور اس کی انفرادیت سے انکار

(۶) غیر کفو میں نکاح جائز

(۷) تفقہ فی الدین سے مسائل و جزئیات کا حذف

(۸) کالج کی تعلیم کو ''خضر راہ'' سے تعبیر

(۹) مدرسوں کی تعلیم سے بیزاری

یہ وہ باتیں ہیں جنھیں جام نور نے ہمارے سماج میں پھیلا دی ہیں اور اسلاف بیزاری کے ماحول کو گرم کر دیا ہے۔ ہمارے دلوں میں اسلاف کے تعلق سے جو اعتماد اور یقین تھا، جام نور نے اسے متزلزل کرنے کی کوشش کی اور آج بھی کر رہا ہے اور چند غیر معیاری نوجوانوں کو لے کر اسلاف کے قصر علوم پر خشت باری بھی کر رہا ہے۔ کبھی اعلیٰ حضرت کی ذات کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور کبھی علمائے اہل سنت کو، محدث کبیر کی شخصیت پر بھی تنقید کی گئی، خانقاہوں اور مدرسوں پر بھی، ذرا سوچئے ...... جن افراد نے ہمارے ایمان ویقین کی صیانت فرمائی انھیں بھی نہیں بخشا جا رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اعلیٰ حضرت پر تنقید مختلف انداز میں کی گئی۔ اس سلسلہ میں ایسے لوگوں نے لفظوں کے تیر برسائے ہیں، جو اس کی اہلیت نہیں رکھتے، اگر ایسوں کے ہاتھ میں اسلام کی باگ ڈور دے دی جائے تو اپنی بے شعوری میں یہ کیا کر بیٹھیں؟ اس بات کا اندازہ نہیں، میں پوچھنا چاہتا ہوں ...... خونی منظر کا یہ کھیل کب تک کھیلا جائے گا؟ اس کی انتہا ہوگی یا نہیں؟ ہم اہل سنت کے لیے یہ ایک لمحۂ فکر یہ ہے جسے سرد خانہ میں نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔

جام نور کے سیاہ کارنامے

اب اربابِ فکر کو بیدار ہو جانا چاہیے اور خواب غفلت سے اٹھ جانا چاہیے اور جام نور کی تحریک پر سنجیدگی سے غور کر لینا چاہیے کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ منصۂ شہود پر کیوں آیا؟ جب تک اس کی نشاۃ ثانیہ نہیں ہوئی تھی۔ ہماری جماعت میں اتحاد تھا، اتفاق تھا، شیرازہ بندی تھی اور ہم آہنگی کا ماحول تھا۔ امام احمد رضا کی ذات ہی نقطہ اتحاد تھی جو امام احمد رضا کا ہے وہ ہمارا ہے، جو ان کا نہیں وہ ہمارا نہیں، تو پھر ان سے رشتہ کیسا؟ دوستی کیسی؟ ہاتھ ملائیں تو کیونکر ملائیں، ایسوں سے تو ملت کی تشکیل بھی نہیں ہو سکتی، یہ نظریہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمام علمائے سنت کا ہے اور تمام دانشوروں کا ہے، مگر افسوس ہے کہ چند نو جوانوں کو نئی تہذیب اور جدید اجالوں نے کچھ ایسا اندھا کر دیا کہ وہ نقطۂ اتحاد والی ذات و شخصیت کو نہیں سمجھ پائے اور ان کے خلاف قلم کی آوارگی کا جلوہ دکھانے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ جام نور دہلی نے جماعتی ہم آہنگی اور ملی شیرازہ بندی کو پارہ پارہ کر دیا، ملت کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا، انھیں خود بھی احساس کرنا چاہیے، روشنی چاند سے ہوتی ہے ستاروں سے نہیں، اگر چاند بدلیوں میں چھپ جائے تو ستارے خود بخود سیاہ ہو جاتے ہیں اور ان سے روشنیوں کا ابلنا بند ہو جاتا ہے۔ جب اجالے ہی نہ ہوں تو اجالوں کا سفر کس طرح جاری رہ سکتا ہے؟ جام نور سے جو امیدیں وابستہ تھیں سب پر پانی پھر گیا اور اس نے ایسے سیاہ کارنامے انجام دیئے کہ اب جام نور دہلی کو اپنا رسالہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ جام نور کے حوالہ سے سیاہ کارناموں کا استعمال کسی کے لیے ناگوار خاطر ہوگا اور ان کے لیے کڑوا گھونٹ ثابت ہوگا، لیکن میں بھی کیا کروں؟ اس نے ہمارے علمائے اہل سنت کو اس قدر کاری زخم لگائے ہیں کہ ملت چُور چور ہوگئی ہے اور شیرازہ بندی کا جنازہ نکل چکا ہے، کیا ایسی صورت میں ہم کراہ بھی نہیں سکتے اور ہمارے دل سے دھواں بھی نہیں اُٹھ سکتا؟ یہ کیسی اندھیر نگری ہے؟ ہم آہ بھی نہیں کر سکتے اور آنجناب مسلک اعلیٰ حضرت کی بلند عمارت کو زمیں دوز کرتے ہوئے بھی ندامت کا احساس نہیں کرتے، جو جی میں آتا ہے لکھ مارتے ہیں اور جسے چاہتا ہے اپنی بیجا تنقید کا نشانہ بنا دیتا ہے۔ یہ بھی نہیں سوچتے جن کے بارے میں لکھا جا رہا ہے وہ کیسے ہیں؟ ان کی شخصیت کیسی ہے؟ اگر بے راہ روی کا یہی حال رہا تو پھر جماعت کا کیا ہوگا اور اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد پر کیا قیامت گذرے گی؟ جام نور دہلی نے اپنی سیاہ تحریروں کے ذریعہ دلوں میں نفرت و عداوت کی جوالا مکھی کا دہانہ کھول دیا جو کل تک اعلیٰ حضرت کے نام پر روٹیاں سینکتے تھے اور اپنا پیٹ بھرتے تھے، مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے سے ذرا تکان بھی محسوس نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اس اصطلاح کے استعمال سے اپنے جسم و جاں میں ضعف اضمحلال کا احساس کرتے تھے مگر آج وہی اس اصطلاح کے استعمال پر تڑپ اٹھتے ہیں اور اسے اپنی گردن میں طوق سمجھ رہے ہیں، انھیں اس بات کا بھی احساس نہیں، واقعی اگر یہ اصطلاح گردن کی طوق تھی تو کل بھی طوق ہی رہی ہوگی۔ تو پھر آپ اسے اپنے قلب و جگر میں جگہ کیوں دیئے ہوئے تھے اور اگر کل طوق نہ تھی، تو یہ آج

کس طرح طوق ہوگئی اور اس میں کیا تبدیلی آگئی۔ ایسا کون سا معنی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت میں سرایت کر گیا اور محتاط علماء کرام کو اس کا احساس تک نہ ہوا۔ جدید نوجواں مفکروں کو وہ اسپیشل آنکھیں کہاں سے مل گئیں کہ اُنھوں نے وہ دیکھ لیا جسے اکابر علماء نہ دیکھ پائے......سوچئے اور بتایئے۔

جو افراد سیدی اعلیٰ حضرت کی طرف مسلک کی نسبت کرنے پر پانی میں آگ لگا رہے ہیں اور ایک زبردست طوفان کھڑا کر کے شور و غوغا مچا رہے ہیں انھیں خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنا چاہیے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے عشق و ایمان کی صیانت فرما کر اہل سنت پر کس قدر احسان فرمایا ہے۔ ان کی ذات بابرکت نہ ہوتی تو ہم لوگوں کے ایمان کی وادی میں کیسی ویرانی چھائی ہوتی، شاید ان افراد کو اس کا اندازہ نہیں، چمن کی بہاروں اور لہلہاتے گلستاں کو دیکھ کر اترانے لگے اور خوش فہمی کی بھول بھلیوں میں اس طرح الجھ گئے، کہ انھیں یہ بھی یاد نہیں کہ ان بہاروں اور رعنائیوں میں کس کے خونِ جگر کی سرخیاں نظر آ رہی ہیں اور یہ جذب و کشش کس کی بدولت ہے؟ ایسی بھی ترقی کس کام کی جس سے خود فراموشی کی کیفیت نمایاں ہو جائے اور اصل حقیقت سے نظریں چرانی پڑیں۔ خدارا، اپنے آپ کو سنبھالیے اور عقل و خرد کی توانائیوں کو ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دیجیے۔ یہ انداز فکر سنہری حیات کے لیے بدنما داغ ہے اور چمکتی پیشانی پر سیاہ دھبہ ہے۔ ایسا بھی حسن و جمال کس کام کے جن میں ملاحت نہ ہو، جس جذبۂ واقعی کا میں نے ذکر کیا ہے اس کی قدر کریں، اعتراف کریں، ورنہ پوری عمر کف افسوس ملنا پڑے گا۔ پروردگار عالم ایسے بگڑے ہوئے جوانوں کو سلیقۂ زندگی اور شعور حیات عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

افتراق سے اتفاق کی طرف

مولانا محمد مشتاق رضا نوری

کسی بھی ہدف تک پہنچنے کے لئے اجتماعی جدوجہد اور اتفاق، جزءلازمی کی حیثیت رکھتا ہے۔اس سلسلہ میں جب ہم تقریباً آٹھ سو برس قبل ''قبلہ اول'' کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں توسلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے جہد مسلسل، کاوش پیہم، عزم مصمم اور صلاحیت ایقانی کو بار بار سلامی دینے کو دل کرتا ہے۔ چونکہ ''ایوبی سیاست وتدبیر'' کے سامنے اس وقت کی عیسائی وصہیونی قوتیں، سیلاب کے تیز دھارے میں خس وخاشاک کی حیثیت رکھتی تھیں، لیکن ہزاروں جانوں کے نذرانے دینے کے باوجود ''قبلہ اول'' تک رسائی ہونے میں طویل عرصہ گذرگیا۔ کیوں؟ کیونکہ ہر زمانے میں جہاں ''چراغ مصطفوی'' پر جان چھڑکنے والے پروانے پیدا ہوئے وہیں ابلیس نے اپنی الگ ٹیم بنائی جس کے باطل جھونکوں نے ''شمع ہدایت'' کو بجھانے کی ہر چند کوشش کی، یہی صورت حال آج تک برقرار ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔

علمائے کرام کا اختلاف رحمت ہے، لیکن وہ اختلاف جس سے ذاتی اغراض ومقاصد کی فاسد بو آتی ہو وہ پوری قوم کے لئے تباہی سے کچھ کم نہیں۔ اختلاف تو ابتدائے آفرینش سے چلا آرہا ہے لیکن زمانے کی ماڈرنیٹی جن اختلافات کی پرورش کررہی ہے وہ ایک ''مذہبی طبقہ'' کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ آج کچھ لوگوں کا اختلاف مذہب ومسلک کے خسارے کا سبب بن رہا ہے۔ ٹارگیٹ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔

حضرت شیخ سعدی نے کہا تھا۔''علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است'' صدفی صد درست ہے۔ چونکہ جوعلم خود اس کی رہنمائی نہیں کرتا وہ دوسروں کی کیا کرے گا؟ جہاں تک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات ہے۔ آپ تنہا اتحاد کے سب بڑے علمبردار رہے ہیں۔ آپ نے کبھی بھی شریعت کے معاملے میں کسی مصلحت کو پاس پھٹکنے کی اجازت نہیں دی۔ ''لقوہ زدہ عقائد'' کے حامیوں سے مصالحت تو جانے دیجئے، ان کے ہر راہ و رسم سے نفرت وتعصب بنائے رکھا۔ آپ کی ذات اپنوں کے لئے ''چراغ رہ گذر'' تھی تو بد مذہبوں کے لئے تازیانۂ عبرت ''الحب فی اللہ و

البغض فی اللہ‘‘ کے مظہر، ایسی صورت میں آپ کا جوش، ولولہ اور طنطنہ آپ کی اس تڑپ کا اظہار تھا۔ جو تقدیس رسالت کی منافی سرگرمیوں کو دیکھ کر آپ کے دل میں پیدا ہوئی تھی، وصایا شریف کی یہ عبارت جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنی توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے دور ہو جاؤ۔‘‘ **من احب للہ و ابغض للہ فقد استکمل الایمان**‘‘ کی مکمل ترجمانی ہے۔

ایک مرتبہ ننھے میاں نے آپ کو خبر دی کہ ایک رافضی حیدر آباد (دکن) سے صرف آپ کی زیارت کے لئے آیا ہے ابھی حاضر خدمت ہوگا، دوران گفتگو ہی وہ رافضی بھی آ گیا۔ ننھے میاں کا اشارہ پاکر وہ بیٹھ گیا۔لیکن اعلیٰ حضرت نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔اس رافضی کو بھی کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی مجبوراً اٹھ کر چلا گیا۔تو ننھے میاں نے عرض کیا اتنی دور سے آیا تھا تھوڑی توجہ فرما لینے میں کیا حرج تھا؟ تو آپ نے فرمایا میرے اکابر نے مجھے یہی بتایا ہے۔ پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ بیان فرمایا جس میں آپ نے ایک بھوکے سائل کو گھر لا کر مہمان بنایا، لیکن اس کی زبان سے کچھ بد مذہبی کے کلمات نکلنے کی وجہ سے کھانا چھین لینے کا حکم دیا۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

عہد رسالت سے لے کر عہد تابعین تک ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جس میں انہوں نے بد مذہبوں سے دوری رکھی ہے۔اس کے باوجود اعلیٰ حضرت کو متشدد، افتراق کا داعی کہنا، احادیث اور طریقۂ اسلاف کا مذاق اڑانا ہے۔اغیار کی ستم ظریفی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تعصب و تنگ نظری، جانب داری، شخصیت پرستی اور موضوعیت مطالعہ یہ ایسے الفاظ ہیں جو کسی کو بھی صالح فکر سے محروم کر دیتے ہیں۔غیر جانب دارانہ مطالعہ (Dispassionate Study) ہی آدمی کو حقائق کی دریافت میں مدد کرتا ہے۔ افسوس اس کا ہے کہ ’’مطالعہ رضویت‘‘ میں اول الذکر قانون و قاعدے کا التزام کیا جاتا ہے۔

آنکھ والے تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

تاریخ کے آئینہ سے صاف ظاہر ہے عقائد و نظریات میں اختلاف شروع سے چلا آ رہا ہے۔لیکن ابن تیمیہ کے فکری فرزند ابن عبدالوہاب نجدی نے سعودی میں کیا دھما کہ کیا برصغیر ہند و پاک بھی اس اختلافی طوفان کے چپیٹ میں آ گئے۔ فی الواقع ردتقویت الایمان‘‘ کی تحریک نے ہی مذہبی میدان میں اختلافی طوفان کھڑا کیا۔ آج لاکھ پھبتیاں کس لے۔ الزام تراشیاں کر لے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات بے غبار تھی اور ہے۔حقائق کی موجودگی میں تاریخ کبھی بھی آپ کی ذات سے نظریں چرا کر گذر نہیں سکتی۔

امتداد زمانہ کے ساتھ مسلکی مسلمات سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی۔ ہمارے جدید مفکرین نے جدید فکریں پیش کی ہیں جس سے سوائے نقصان کے دین و مسلک کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا، میں یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آج اگر ’’لفظ بریلوی‘‘ یا لفظ ’’اعلیٰ حضرت‘‘ اتہام و افتراء پردازی کے تیر و نشتر سے گھائل ہو کر کراہ رہے ہیں۔ تو اس میں غیروں کی عیاری سے زیادہ اپنوں کی نادانی کا اہم رول ہے۔اغیار ان الفاظ کی غلط تعبیر کر کے برصغیر کے عوام کو برگشتہ کرنے میں

کامیاب ہو گئے اور ہم تو ٹھہرے اہل سنت و جماعت کے مبلغ، فکر رضا کے ناشر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے اپنی بربادی کا تماشا دیکھتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ خود ہم نے خانہ جنگی مول لی ہے۔

آج مذہب و مسلک جس نشیب و فراز سے دوچار ہیں۔ ہر ذی شعور کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ آج منجدھار میں پھنس کر ملت کی نیا کو پار لگانے کے لئے ہمیں پھر علامہ ارشد القادری جیسی شخصیت کی کمی کھل رہی ہے۔ ایسی ذات کی ضرورت محسوس کی جانے لگی ہے۔ جس میں مسلک کی سائنٹیفک ترویج کا ملکہ ہو۔ جو عوام کو فرق باطلہ کے جراثیم سے بچانے کا ہنر جانتی ہو۔ لیکن ایسے ہماہمی و کشمکش کے ماحول میں ایسے داعی کا وجود اتنا آسان نہیں لگتا، ہمارے پاس مناظر و مبلغ کی لمبی فہرست ہے لیکن جو بات علامہ ارشد القادری میں تھی وہ کہاں (نور اللہ مرقدہ) آپ کی تحریر و تقریر سے ملت کا درد اور اعلیٰ حضرت سے وفاداری کا رس ٹپک رہا ہے۔ لفظ ''اعلیٰ حضرت'' اور ''بریلوی'' کے تعلق سے آپ نے جو بیمار ذہنوں کی مسیحائی کی ہے وہ جدید فکر کے جدید اصولیں کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ آپ رقمطراز ہیں:

''آج دنیا کے کروڑوں سنی مسلمان اعلیٰ حضرت پہ اپنی جان کیوں چھڑکتے ہیں؟ مسلک اعلیٰ حضرت کیا چیز ہے؟ جس کے ساتھ اس کی والہانہ وابستگی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اندر دین و ایمان کی وہ کون سی خوبی تھی جس کی وجہ سے بریلوی کا لفظ اب سنی صحیح العقیدہ حق پرست طبقہ کا علامتی نشان بن گیا ہے۔'' (تقریظ بر سوانح اعلیحضرت مصنفہ علامہ بدر الدین احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خلاف منفی پروپیگنڈے کرنے میں وہابیوں، دیوبندیوں نے اپنے سارے ممکنہ ہتھکنڈے اپنائے، تعصب کی وسیسہ کاریوں کا کیا کہنا؟ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کثیر تصانیف کے درشاہ وار کی ذات کسی وہابی دیوبندی کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ ہمارا ایقان ہے اگر تعصب و ہٹ دھرمی سے بالاتر ہو کر اور مسلکی آبا پرستی کے کھول سے باہر آ کر دیکھیں گے تو فاضل بریلوی کی ذات کئی صدیوں میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی۔ یہ صرف عقیدت نہیں حقیقت ہے۔ حقیقت سر چڑھ کر بولتی ہے۔

۱۵ر جولائی ۲۰۰۷ء کو مولانا یلٰسین اختر مصباحی کی لکھی کتاب ''چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء'' کی رسم اجراء کے موقع سے امریکہ سے آئی ''مسزاوشاسانیال'' (جنہوں نے امام احمد رضا اور بریلوی تحریک پر کولمبیا یونیورسٹی امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ہے) نے اپنے خیالات کو اس طرح لفظوں کا پیرہن دیا ہے۔ ''میرے مطالعہ کا انداز مثبت اور غیر جانب دارانہ ہے۔ میں نے امام احمد رضا قادری کو ان کے ماننے والوں کی عقیدت سے زیادہ حقیقت کی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ علمائے اہل سنت کو چاہئے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ان کا جو دینی و روحانی رشتہ ہے اسے تحقیق و وضاحت کے ساتھ پیش کریں یہ اس دور کی اہم ضرورت ہے۔'' (ماہنامہ کنز الایمان ص ۵۸ ستمبر ۲۰۰۷ء

فی الحال لفظ بریلوی اور مسلک اعلی حضرت کے نعرے کو جنہوں نے بھی ہدف طعن و تشنیع بنایا ہے اور یہ دل میں سوچ پال رکھے ہیں کہ لفظ بریلوی یا مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ

چھوڑ دینے سے وہابی دیوبندی ہم سے قریب ہوں گے یہ صرف خام خیالی ہے۔ ان فرقوں سے بھلائی کی امید ذی شعور معاشرے کو جچتی نہیں۔ زمین شور سنبل بر نیارد کے مصداق ہے اور آج کی نئی دیوبندی نسل تو اور بھی متعصب اور لڑاکو ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال دیکھیں۔ اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی میں عشق رسالت اور تقدیس نبوت کا جو جذبہ پایا جاتا ہے اس کی ایک دنیا قائل ہے۔ اسی اعتراف حق میں مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں:

''بریلی میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور احمد رضا خان بریلوی اس کا نام تھا۔ ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عشق رسول ان کی نعت گوئی میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے''

(ارمغان نعت کراچی ص ۲۹)

لیکن دیوبند کی نئی نسل کی نئی کھوج دیکھئے! مولانا اعجاز قاسمی سہر ساوی نے لکھا ہے:

''خان صاحب بریلوی کی شعروشاعری محض شعرو شاعری تقیہ بازی ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں'' (حوالہ بانی بریلویت اخلاق وکردار کے آئینہ میں ص ۱۶)

یہ تاریخ کے ساتھ کتنا بڑا مذاق ہے کہ ایک ہی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے نیازی اور سہر ساوی میں یہ تضاد، آخر کیوں؟ سنا ہے بعد میں نیازی صاحب دیوبندیت سے تائب ہوگئے تھے۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف!

جہاں وہابیت اور دیوبندیت نے اعلیٰ حضرت کے خلاف منفی پروپیگنڈے کا سہارا لیا۔ وہیں اپنوں نے کچھ کم ظلم نہیں کیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ''سواد اعظم'' کے جو خطوط واضح کئے تھے اس سے ہم کٹے کٹے سے نظر آتے ہیں۔ دیگر معاملات کی طرح ہم شریعت کے موقف و مسلک میں بھی نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ نرم مزاجی نے غضب ڈھایا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں اہل سنت و جماعت ہونے کے باوجود کتنی خانقاہیں اپنا الگ مسلک رکھتی ہیں، کتنے دانشوران (بزعم خویش) فکر رضا کے مخالف نظر آتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہابی دیوبندی تحریکوں کو تقویت ملنا اور عوامی رجحان کو اپنی جانب کھینچنا کوئی بعید بات نہیں۔ کیونکہ ہم نے ایسی جگہ مورچہ بندی کی جس کے سارے ''رسد و کمک'' مخالف مورچہ کو بآسانی مل جاتے ہیں۔ آج جن ہتھیاروں سے لیس ہوکر مخالف ہم پر حملہ آور ہوا ہے ان میں بیشتر ہتھیار ہماری فکری خانہ جنگی نے فراہم کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر سید فاروق القادری (پاکستان) اپنی کتاب ''فاضل بریلوی اور امور بدعت'' میں رقمطراز ہیں:

''میں انتہائی کرب اور دکھ کے ساتھ قارئین سے یہ بات چھپانا نہیں چاہتا کہ فاضل بریلوی کی شخصیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور ان کے خلاف بدنامی کی مہم کو ہوا دینے میں خود ان کے معتقدین ونام لیواؤں نے بھی کمی نہیں کی''

(ص ۱۱۶)

اعلیٰ حضرت کے خلاف بد نامی کی مہم کو ہوا دینے میں "غیر شعوری" یا "شعوری طور" کا استعمال ہوا اسے اللہ و رسول ہی بہتر جانتے ہیں لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ہماری فکری بے راہ روی اور نرم مزاجی نے بھی غیروں کی طرح اس عبقری ذات کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اسے تاریخ کا المناک حادثہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

پچھلے چند سالوں سے مذہبی صحافت میں جو وبال دیکھا گیا۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں چونکہ میڈیائی دنیا (خاص کر رسائل و جرائد) ہی کچھ ایسی ہے۔ کہ اس میں گھماسان ہونا کوئی بعید نہیں۔ وجہ ظاہر ہے۔ نئے نئے مفکرین کے نئے نئے نظریات ہی کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ دفاع کے لئے چارو ناچار ایک دردمند کو زبان و قلم کے "تیغ وسپر" کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

مرور ایام کی سورش و یورش سے اہل سنت و جماعت کو تلخ تجربات ہوئے ہیں۔ ماضی قریب میں چند لوگوں کی "نئی باتیں" کیا سامنے آئیں، مانو بغاوت کے جراثیم کو پر لگ گئے۔ مثلاً مولوی ظفر ادیبی، شاہ اسماعیل دہلوی کے متعلق ایک نئے قضیہ کو کیا جنم دیا۔ جماعت میں "تفرقہ بازی، نے گل کھلانا شروع کر دیا۔ اس سے قطع نظر کہ علامہ فضل حق خیرآبادی نے کن وجوہات کے پیش نظر ان کی تکفیر کی اور فاضل بریلوی نے ان کی تکفیر کلامی سے کیوں توقف فرمایا؟ کہنا یہ ہے کہ اس مسئلہ سے ملی و مسلکی مشن کو کتنا بڑا جھٹکا لگا، کیا اس سے نظریں چرا کر گذرا جاسکتا ہے۔

درون خانہ اصلاح پسند تحریکوں کی صدائے بازگشت سنی جارہی ہے۔ کہ لفظ "اعلیٰ حضرت" یا لفظ "بریلوی" دعوت و تبلیغ کی راہ میں حائل ہے۔ اس سے میں نہیں سمجھتا کہ ہم اپنے اکابرین کے تئیں مخلص ہیں۔ اس سے کونسا تبلیغی مشن فیل ہورہا ہے۔ ہم تو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اور یہ ٹھیک وہی بات ہے جو ڈاکٹر جمال الدین اسلم صاحب کہہ گئے ہیں:

> "میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے جن لوگوں کے لئے "علیہ الرحمہ" مخصوص کیا ہے۔ کم از کم اورنگ زیب کا اس طبقہ سے کوئی تعلق نہیں"، ہمیں ڈاکٹر صاحب کی علمی بصیرت کا پورا لحاظ ہے۔ تاہم ان اکابر علماء کا کیا کیا جائے جنہوں نے "آستانہ اورنگ زیب" پر سجود نیاز لٹا کر ان کی سطوت شان کی قصیدہ خوانی کی ہے۔ خود اعلیٰ حضرت کی تحریرات میں حضرت اورنگ زیب کی عقیدت دیکھی جاسکتی ہے۔"

رسالوں کے صفحات پر کبھی مولانا محمود رفاقتی اور شرر مصباحی صاحبان میں قلمی جنگ ہوئی، کبھی ڈاکٹر طلحہ رضوی برق اور شرر صاحب میں لگی رہی۔ تو کبھی ڈاکٹر صابر اور شرر میں ٹھنی رہی، ڈاکٹر صابر سنبھلی نے کنز الایمان، کے چند محاسن کیا گنائے شرر مصباحی صاحب نے شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین اور فارسی ترجمہ نگاروں کی دہائیاں دے کر "فن محاسن" پر "لباس مفاسد" چڑھادیا۔ اگر علمی اختلافات ہوتے، مسلکی کا زمد نظر ہوتا، تو ان قلمی پیکاروں کو علمی مباحث کا نام دیا جاسکتا تھا، لیکن یہاں تو "اوقات اور ذات پات" والی بات دیکھنے کو ملی، کہا جاتا ہے کہ زمانے بدل گئے فکریں پروان چڑھیں، اب ہر فرد بشر کو اظہار خیال کی آزادی نصیب ہے۔ دوسرے سے اختلاف اپنا حق ہے۔ لیکن کسی ذی استعداد شخصیت سے اختلاف ہو تو اپنی رائے

کے نشیب و فراز کو دیکھ لینا چاہئے، یہی سامان عافیت ہے۔
چونکہ اس محاذ آرائی میں عقیدت و حقیقت کی کارفرمائی دور دور تک نظر نہیں آتی یہاں تک کہ بعض افراد نے تو اپنے مذہبی و مسلکی تشخص کو بھی نظر انداز کر دیا ع

'' نا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد''

اس سلسلہ میں جب ہم ''باب مسعود'' (ڈاکٹر مسعود احمد نوراللہ مرقدہ پاکستان) پر دستک دیتے ہیں تو ان کے تحقیق و تفحص سے لبریز قلم سے کچھ ایسے جملے نکلتے ہیں:

'' اعلیٰ حضرت سے اختلاف وہی شخص کر سکتا ہے جو علم و عمل میں اعلیٰ حضرت سے بڑا یا اعلیٰ حضرت کی مقابل ہو''

دل لگتی بات ہے۔ اہل نقد و نظر نے فاضل بریلوی کی تحقیق میں جو گیرائی و گہرائی پائی ہے وہ کسی کے ہاں دور دور تک نہیں ملتی، لیکن ''مومنانہ فراست'' دامن تھامے پوچھتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا کونسا نظریہ شریعت سے متصادم ہے؟ یا پھر قول و فعل میں کوئی تضاد؟

مندرجہ بالا عبارتوں کے بعد لگے ہاتھوں ذی شان مصباحی صاحب کا یہ اقتباس نوٹ کرتے چلیں، کہ:

'' اعلیٰ حضرت یا مفتی اعظم کے بارے میں بہت ایسے لوگ مل جائیں گے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں ان سے معمولی انحراف جہالت و گمراہی ہے، جہاں کسی نے ان کے فتوے کے خلاف فتویٰ دیا، ان کی دارو گیر شروع ہوگئی شدید نقطہ چینی ہوئی۔ اس رجحان نے بہت سے اپنوں کو دور کر دیا۔'' (جام اکتوبر ۲۰۰۷ء)

یہاں پر اتنی سی بات عرض ہے کہ اگر تبلیغی مشن کی کامیابی اور اپنی جمعیت بنانے کے لئے اپنوں کی اچھائیوں کو نظر انداز کر کے غیروں کی واہیات کو گلے کا پٹہ بنالیں تو اس پالیسی کو سیاسی دنیا تو جائز مان سکتی ہے لیکن ایک مہذب مذہب میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں، پھر بھی لفظوں کے طوفان میں ''جماعتی سیرازہ بندی'' کی دہایاں دینا، چادر افتراک تارتار کرنے کا راگ الاپنا، عوام کو صحیح پلیٹ فارم پہ لانے کی بات کہنا کچھ فٹ نہیں بیٹھتی:

متحد ہوتو بدل ڈالو نظام گلشن
منتشر ہوتو مرو شور مچاتے کیوں ہو

ہر دور کے الگ مسائل ہوتے ہیں۔ لیکن آج کے اس ماڈرن دور کی کوکھ سے ایسے مسائل جنم لے رہے ہیں جن کے سامنے قدیم فلسفہ سے در آئے ''اصول مزخرفہ'' کی قامت بھی بونی پڑ گئی ہے۔ الحاد و لادینت کے اس خونخوار اور بھیانک ماحول میں اپنی مذہبی شناخت بچائے رکھنا کسی جہاد سے کم نہیں۔ جہاں مادی طاقتیں ہم پہ دھاوا بولنے کو تیار ہیں وہیں ہماری ''شبستان فکر و نظر'' میں صلح کلیت تمام تر فریب کاری کے ساز سامان کے ساتھ موجود ہے۔ ایسی صورت میں ہماری تھوڑی سی لغزش، صلح کلیت کا اسٹیج تیار کر دے گی، آج صلح کلیت کی آندھی کافی تیزی کے ساتھ چل پڑی ہے۔ ماڈرن Uptodate قسم کے لوگوں کو کافی بھاتی ہے۔ کیونکہ صلح کلیت '' باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی'' کے فارمولے پر عمل کرتی ہے۔ اس کا پسندیدہ نعرہ ہے۔ '' بامسلمان اللہ اللہ بابرہمن رام رام'' الحاصل! اگر آج '' جامعہ اشرفیہ'' یا ابنائے اشرفیہ پر صلح کلیت کا الزام لگ

رہاہے۔تو یہ ہمارے لئے لمحہ فکر یہ ہے۔

چونکہ ''جامعہ اشرفیہ'' حافظ ملت کے خوابوں کی ایسی تعبیر ہے جس سے باطل نظریات کی توڑوابستہ ہے اور ہم یہاں دل تھام کراس بات کا اظہار کردیں کہ ''جامعہ نظامیہ'' دکن کو صلح کلیت کے جھونکوں نے کافی متزلزل کردیا ہے جس کو ضبط تحریر میں لانے کیلئے ایک دردمند قلم کو'' ودات کے بجائے قطرات اشک'' ہی ملیں گے۔ بانی جامعہ شیخ الاسلام علامہ انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ (علیہ ۱۲۶۴/ ۱۳۳۶ھ) اس علمی شخصیت کا نام ہے۔ جن کو اعلی حضرت احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔آپ نے ہمیشہ ''تقلید مذاہب اربعہ'' کو ہی معیار اسلام سمجھا۔آپ فرماتے ہیں'' یہ بات یادرہے کہ اس زمانے میں''تقلید مذاہب اربعہ'' سے مستحکم کوئی قلعہ نہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے۔ اگر تقلید آبائی کا فقرہ سن کر کسی کو عار آجائے اوراس قلعہ سے نکل پڑے تو کسی نہ کسی مکار غدار کا ضرور شکار ہوجائے گا'' (حوالہ مرقع انوار صفحہ ۸۰۷) لیکن اس شفاف عقیدہ والے مرد مجاہد کے علمی نشیمن میں صلح کلیت پسند زاغوں نے ایسا اسٹیج تیار کیا ہے۔ جس نے تقلید مذاہب اربعہ کے قلعہ کو بے حد کمزور کردیا ہے۔ میری دانست میں شیخ الجامعہ حضرت علامہ عزیز اللہ قادری ہی ایک ایسے فرد ہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج میں سرگرم ہیں۔ (راقم الحروف کو حیدرآباد کے دو جلسہ میں ساتھ رہنے کا اتفاق بھی ہوا ہے)

اخیر میں ہم اس بات کا ذکر کردیں کہ آج کے اس برق رفتار دور میں میڈیا ، پریس کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ کسی بھی مذہب کی بقاء کے لئے مذہبی لٹریچرز کی اشاعت '' جزء لاینفک'' کا درجہ رکھتی ہے۔ قلم نے ہمیشہ اپنی طاقت منوایا ہے۔ انٹرنیٹ نے پوری دنیا کو گلوبل ویج بنادیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہم اپنی جماعت کے تئیں مخلص ہیں تو ہمیں اپنی تحریروں کا قدناپنا ہوگا، تحریری رخ کا جائزہ لینا ہوگا، کہیں ایسا تونہیں کہ ہماری تحریر ملت کے بگاڑ کا سبب بن رہی ہو، ہمارے کسی جملہ سے جماعت کا وقار مجروح ہو رہا ہو (اللہ ہمیں صالح فکر و قلم عطا کرے آمین)۔

❁❁❁

کیا کنزالایمان کا لسانی جائزہ مجرمانہ فعل تھا؟

ڈاکٹر صابر سنبھلی

الحمد للہ و احسانہ، ترجمہ ''کنزالایمان کا لسانی جائزہ'' کتابی صورت میں چھپ کر شائع ہوگیا۔ سہ ماہی افکار رضا بمبئی میں اس کی چودہ قسطیں شائع ہوئی تھیں۔ کتابی شکل میں فروری ۲۰۰۹ء میں عرس رضوی سے چند روز پہلے آیا۔ بریلی شریف عرس رضوی میں ۵۰۰ر جلدیں آئیں بھی تھیں، لیکن ٹرانسپورٹ والوں کی غیر ذمے داری کے سبب عرس کی آخری شب میں ساڑھے سات بجے کے قریب اسٹال پر رکھی گئیں۔ ایسا وقت تھا کہ اکثر کو اس کا پتہ بھی نہیں چلا۔ محض ڈیڑھ سو جلدیں فروخت ہوئیں۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ بعض شر پسند عناصر کی رکاوٹ اور حوصلہ شکنی کے باوجود یہ کام انجام کو پہنچ گیا۔ میں سبکدوش ہوا۔ اب یہ بات تو کتاب کے قارئین ہی بتائیں گے کہ یہ کام کر کے میں نے کتنا بڑا جرم کیا ہے۔

حکیم جی شرر مصباحی سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی (خدا کا شکر ہے) نہ ہی ان سے کبھی خط و کتابت رہی۔ کبھی فون پر بھی گفتگو نہیں ہوئی۔ میں انہیں جانتا تک نہیں۔ اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ میرے اور ان کے مابین کبھی دشمنی رہی ہو۔ مگر پھر بھی انہوں نے اگست ۲۰۰۶ء میں ایک انٹرویو کے پردے میں میری ذات پر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ حملہ کر دیا۔ یہ حملہ جس طرح کیا گیا تھا اس سے علمی اور ادبی دنیا حیرت میں پڑ گئی۔ آخر کھلا تو یہی کھلا کہ حکیم جی شرر مصباحی در پردہ امام اہل سنت فاضل بریلوی سے دل میں کدورت رکھتے ہیں۔ ان کا ہر غلام ان کی نظروں میں خار اور خوار ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان پر کچھ اور لکھا جائے۔ اس لئے انہوں نے پہلی ہی بار میں میری حوصلہ شکنی کے لئے کچکچا کر کئی تابڑ توڑ حملے میری ذات پر کر دیئے۔ انتہا تو یہ ہے کہ میرے نام سے ایک عبارت گھڑی۔ میری علمی ڈگری کا مذاق اڑایا۔ مجھے در پردہ کم ظرف کہا۔ میرے بارے میں بہت گھٹیا قسم کے جملے لکھے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

ا: سنبھلی صاحب سے التماس ہے کہ وہ اول تو اتنا بوجھ نہ لادیں جس کا تحمل نہ ہو۔ (ماہنامہ ''جام نور'' دلی نومبر ۲۰۰۶ء صفحہ ۴۲)

۲: ایک راہ گیر نے ہم سے کہا کہ (صابر) صاحب پالکی میں بیٹھ کر اپلے لینے گئے ہیں (ایضاً صفحہ ۴۴)

۳: اب معلوم ہوا ہے کہ اس پردۂ زنگاری میں یہی معشوق سال خوردہ تھے۔ (ایضاً صفحہ //)

۴: عروض کی کتابوں اور ازالہ تسبیح جیسی مصطلحات عروض کا نام ان کی زبان سے اچھا نہیں لگتا اگر فن عروض و قوافی کی ذرا بھی ہوا لگی ہوتی۔ (ایضاً ۴۵)

۵: ہم اسے یکسر سنبھلی صاحب کے عجز پر محمول کرتے ہیں نہیں تو ان اشکالات کا حل پیش کریں۔ (ایضاً!)

اس کے بارے میں فقیر سہ ماہی ''افکار رضا'' بمبئی میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں لکھ چکا ہے کہ حل تیار ہے۔ شرر صاحب اس بات کا اعتراف کریں کہ وہ اس بارے میں عاجز ہیں اور صابر سنبھلی کی مدد کے محتاج ہیں۔ حل پیش بلکہ عام کردیا جائے گا۔ مگر انہوں نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا۔ ہوسکتا ہے غور کررہے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو غور کرتے رہیں۔ حل نکالنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان کے علم عروض کے مبلغ علم کی تہہ جاننے کے بعد یہ الفاظ نہایت ذمے داری کے ساتھ حوالۂ قرطاس کررہا ہوں۔

۶: جب وہ (صابر) نہ سمجھ کر لکھتے ہیں نہ لکھنے کے بعد سمجھتے ہیں، پھر بھی پھینکے جاتے ہیں تو ایسے قابل رحم کے لئے بریلی کے گنڈے تعویذ مفید ہوں تو ہوں، ہمارے پاس اس کا علاج نہیں ہے۔ (ایضاً صفحہ ۴۶)

جن قارئین نے ان کے غیر مہذب سوالوں کے جواب میں میرے مضامین بھی پڑھے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میں اس نزاع کو طول دینے کے حق میں نہیں تھا۔ اس لئے انٹرویو کا جواب نہایت ادب واحترام اور خوش آمدانہ لہجے میں دیا۔ ان کو دینی ویقینی بھائی لکھا۔ ان کو خوش کرنے کے لئے احتراماً ان سے کچھ سوال پوچھے۔ مگر وہ اس کو میری کمزوری سمجھ کر اور بھی دلیر ہوگئے اور ان کا انداز بیان اور بھی تکلیف دہ ہوگیا۔ اس لئے میں نے بھی ترکی بترکی سے کام لیا۔ لیکن ان کے گھٹیا پن کی سطح تک نہیں پہنچ سکا۔ پہنچ بھی نہیں سکتا تھا۔

قارئین کرام خود غور فرمالیں کہ بغیر کسی تعارف، چھیڑ چھاڑ یا دید شنید کے ان گالیوں کا اور کیا مقصد ہوسکتا تھا۔ یہی نا کہ میں کنز الایمان'' کے لسانی جائزے کو کتابی شکل میں آنے سے روک دوں ان گالیوں سے مجھے جتنی تکلیف ہوئی میں ہی جانتا ہوں۔ مگر اللہ کارساز نے برداشت کی قوت دی اور ان کو کسی طرح پی گیا۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ یہ کتاب بھی وجود میں آگئی۔ اب حکیم جی کے سینے پر سانپ لوٹ گیا تو میں کیا کروں؟

میں یہ جانتا ہوں کہ حکیم جی موصوف اگر چہ امام اہلسنّت سے کدر رکھتے ہیں، مگر یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ بد مذہب نہیں ہیں، سنی ہی ہیں۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ ان کو آخرت میں بھی کچھ پریشانی ہو۔ اب یہ بات حکیم جی کے سمجھنے کی بھی ہے۔ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ پتہ نہیں کب یہ سلسلہ ختم ہوجائے۔ اب انہیں چاہئے کہ آخرت کی راہ میں انہوں نے جو کانٹے بورکھے ہیں، ان کو صاف کریں امسال یعنی ۱۴۳۰ھ کے آخر تک مجھ سے معافی مانگ لیں۔ اگر انہوں نے کسی طرح کی لاگ لپیٹ کے بغیر واضح الفاظ میں وقت معینہ کے اندر ماہ نامہ جام نور یا ایسے ہی کسی کثیر الاشاعت جریدے کے ذریعے معافی مانگ لی تو انہیں

یقین دلاتا ہوں کہ صدق دل سے معاف کردوں گا۔ اور اگر یہ وقت گزر گیا تو پھر معاف نہیں کروں گا۔ اگر اس وقت تک کسی وجہ سے یہ مضمون شائع نہ ہو سکے تو اس کی اشاعت کے بعد ایک ماہ کا وقت اس کام کے لئے رہے گا حکیم صاحب کے لئے یہ نایاب موقع ہے۔ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے۔ میں نے Offer دے دیا۔ اگر حکیم جی کی انا آڑے آرہی ہو تو وہ جانیں۔ اگر وہ تمام معاملہ دارو محشر سے ہی طے کرانا چاہتے ہیں تو پھر یہی سہی میں مجبور ہوں۔

اس مضمون کا مقصد عزیزی محمد زبیر قادری کے دو جملوں سے اختلاف کا اظہار بھی ہے۔ ترجمہ کنز الایمان کا لسانی جائزہ کے ''حرف ناشر'' میں موصوف تحریر فرماتے ہیں:

ان کو تو چاہئے تھا کہ بڑھ کر ڈاکٹر صاحب کی حوصلہ افزائی کرتے، رہ نمائی کرتے، اصلاح فرماتے غلطیوں کی نشاندہی کرتے۔ (صفحہ ۳۰۷)

زبیر صاحب نے کھل کر نہیں لکھا کہ وہ مندرجہ بالا توقعات کس شخص سے رکھتے ہیں۔ یہ بات میں ظاہر کئے دیتا ہوں۔ وہ شخص حکیم جی شرر مصباحی ہیں۔ ان کے ان جملوں سے کیسی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ ان کو نہیں ہے۔ میں زبیر صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ حکیم جی شرر مصباحی اپنے حلقہ اثر میں کچھ بھی سمجھے جاتے ہوں، وہ اس قابل کب سے اور کیسے ہو گئے کہ صابر سنبھلی کی رہ نمائی کریں اصلاح فرمائیں۔ جی چاہتا ہے کہ ان کی اس حیثیت کو بھی واضح الفاظ میں بیان کردوں تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے۔

اللہ کریم کارساز کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے مجھ ناچیز کو ادب کی بلند تر ڈگری (پی۔ ایچ۔ ڈی) عطا فرمائی ہے اور صرف یہی نہیں اس نے یہ فضل بھی فرمایا ہے کہ مجھ کو اس ڈگری کے خواہش مندوں کی رہ نمائی پر بھی مامور فرمایا ہے۔ میری رہ نمائی میں متعدد ریسرچ اسکالرس پی ایچ ڈی کر چکے ہیں۔ میری رہ نمائی کے لئے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ میری رہنمائی حاصل کرنے والا کم از کم پوسٹ گریجویٹ ضرور ہو۔ اگر کوئی شخص پوسٹ گریجویٹ نہیں ہے تو میری رہ نمائی پانے کے قابل نہیں ہے۔ اب شرر صاحب کی علمی قابلیت ملاحظہ فرمائیں۔ جناب بی یو ایم ایس ہیں۔ جو گریجویٹ (Guraduation) کی ڈگری ہے۔ جیسے بی اے، بی کام یا بی ایس سی کی ڈگریاں ہوتی ہیں۔ وہ پوسٹ گریجویٹ نہیں ہیں۔ اس لئے میری رہ نمائی حاصل کرنے کے اہل بھی نہیں ہیں۔ اب ذرا سوچئے کہ جو شخص اس قابل بھی نہ ہو کہ میری رہ نمائی میں کام کر سکے وہ میری رہنمائی یا اصلاح کرنے کے قابل کیسے ہو سکتا ہے۔ زبیر صاحب نے یہ انتہائی بے تکی بات لکھی ہے میں اس پر نہایت ناگواری کے ساتھ احتجاج کرتا ہوں۔ بہتر ہو کہ اگلے ایڈیشن میں وہ ان الفاظ کو کتاب سے خارج کردیں۔

میں نے پہلے بھی لکھا تھا کہ اگر وہ میری رہ نمائی حاصل کر کے اصلی ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں تو پوسٹ گریجویٹ کی ڈگری حاصل کرلیں۔ ابھی تو اصلی یا نقلی کسی طرح کے ڈاکٹر ہیں ہی نہیں۔ اپنے نام کے ساتھ غلط طریقے سے صرف لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ڈاکٹر کا سابقہ لگاتے ہیں۔ پہلے بھی ان کو چیلنج کر چکا ہوں کہ اگر وہ ڈاکٹر ہیں تو ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی فوٹو کاپی کسی رسالے یا اخبار میں چھپوادیں۔ خرچ میں برداشت کروں گا۔ لیکن وہ بے چارے ڈاکٹر تو کیا

ہوتے پوسٹ گریجویشن کرنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔ ورنہ میرے اکسانے پر کوشش ضرور کرتے۔

حکیم جی کیا ہیں یہ لکھنے کی مجھے ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اول تو ان کی تعلیمی لیاقت کی اصلیت ظاہر ہو چکی، اس کے باوجود بھی وہ اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنا نہیں چھوڑتے، دوسرے وہ امام احمد رضا کے مخالف ہیں۔ اس لئے میں ان کی خامیوں کو ظاہر کرنا کار ثواب سمجھتا ہوں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ ان کی علمی قابلیت پر بھی چند جملے لکھ دوں۔

حکیم جی دو حیثیتوں سے متعارف یا مشہور ہیں۔ پہلی حیثیت تو فاضل درس نظامی کی ہے اور دوسری حیثیت طبیب کی ہے۔ اس مضمون میں ان کی دونوں حیثیتوں پر خامہ فرسائی کرنا چاہتا ہوں۔ (ان کی ایک تیسری حیثیت بھی ہے اور وہ ہے شاعر، ادیب اور مصنف کی۔ انشاء اللہ اس بارے میں اگلے مضمون میں لکھوں گا۔ جو امید ہے کہ عرس رضوی کے موقع پر شائع ہوگا۔)

حکیم جی نے دار العلوم اشرفیہ سے فاضل درس نظامی کی دستار لی ہے۔ واضح ہو کہ جس وقت شرؔر صاحب اس ادارے سے فارغ ہوئے، یہ مدرسہ تھا، جامعہ نہیں تھا اور اس وقت ہر جماعت کا زبانی امتحان ہوتا تھا۔ اس زبانی امتحان کے لئے جو ممتحن مقرر ہوتے تھے ان کا تقرر بھی مدرسہ طلبہ کے فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے کرتا تھا۔ ممتحن صاحب جب دیکھتے تھے کہ طالب علم کم علم ہے گھبرا رہا ہے تو بالکل ابتدائی کتابوں کے یا موضوع سے ہٹکر معمولی سوالات پوچھ لیتے تھے۔ غرض یہ کہ کوئی طالب علم فیل نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی اکثر مدارس میں امتحان کا یہی طریقہ رائج ہے۔ اور وہاں سے ایسے طلبہ بھی نکلتے ہیں جو نہ تو عربی کا ایک جملہ لکھ سکتے ہیں، نہ پڑھ سکتے ہیں۔ نہ بول سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ شرؔر مصباحی صاحب عربی سے ایسے نادار تو نہیں ہیں۔ جو مثال دی گئی مگر ایسے بھی نہیں ہیں جیسے عام مصباحی ہوتے ہیں۔ ۳۰ رصفحات کا ''حدائق بخشش'' کا مقدمہ اغلاط کی پوٹ ہے تو ''محاسبہ'' اغلاط کا خزینہ ہے (دونوں باتیں ثابتکر چکا ہوں) حدائق بخشش کی مٹی تصحیح کے نام پر خوب خراب کی ہے شعر بھی کم کر دیئے ہیں۔ بس اس کے علاوہ ساری زندگی کی کمائی کچھ بھی نہیں۔ کل ملا کر ۶۰ رصفحات اور وہ بھی سمجھدار کیلئے قابل شرم۔ شاید انہیں اس کم مائیگی کا احساس بھی ہے۔ اسی لئے بے چارے نام کے ساتھ مصباحی لگانے کے باوجو اپنی فضیلت کا ڈھول کم ہی پیٹتے ہیں۔ اور مولانا سے زیادہ خود کو ڈاکٹر ظاہر کرنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ جبکہ مستند مولوی ہیں اور ڈاکٹر کہیں سے کہیں تک نہیں ہیں کسی طرح نہیں ہیں۔

حکیم جی نے بی۔یو۔ایم۔ایس۔ کا امتحان پاس کیا ہے مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ کس ادارے سے کیا ہے۔ لیکن اندازہ یہ ہے کہ مولویت پڑھنے کے بعد کسی اقلیتی ادارے میں ہی داخلہ لیا ہوگا۔ جہاں Donation سے داخلے ہوجاتے ہیں۔ اور پھر امتحان میں سب پاس ہوجاتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پوسٹ گریجویٹ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بنیاد مضبوط ہوتی تو ہمت بھی کرتے۔ خیر اس بارے میں مجھے واثق اطلاع نہیں ہے۔ یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ہوسکتا ہے اس لئے اس پر اصرار بھی نہیں کر رہا ہوں۔ مگر علم طب میں ان کی علمیت کا ایک شاہکار نظر سے گزرا، اس کا ذکر کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس سے میرے مندرجہ بالا

خیال کو بھی تقویت ملتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے ڈاکٹر یا حکیم ہونے پر بھی چند جملے لکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔

بی۔ یو۔ ایم۔ ایس۔ ایک بیچلر ڈگری ہے۔ اس کے بعد انڈین میڈیسن بورڈ جب رجسٹرڈ کرتا ہے تو رجسٹرڈ پرسن کو ''حکیم'' لکھتا ہے (یہ حکیم یا حکمت کا صحیح مفہوم نہ جاننے کے باعث لکھا جاتا ہے۔ ورنہ ''طبیب'' لکھا جاتا۔ حکمت کچھ اور ہی چیز ہے پھر بھی بورڈ کے خطاب کے مطابق میں شررصاحب کو حکیم ہی کہتا اور لکھتا ہوں۔ اکثر قارئین کو معلوم ہوگا کہ طب یونانی میں اس کے بعد ایک ڈگری اور بھی ہوتی ہے جس کو ایم۔ ڈی کہتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر بی۔ یو۔ ایم۔ ایس کرنے کے بعد کوئی شخص کامل حکیم ہوجاتا تو ڈی۔ ایم۔ کی ڈگری کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ معلوم ہوا کہ ڈی۔ ایم۔ کرنے کے بعد کوئی شخص کامل ہوتا ہے اور بی۔ یو۔ ایم۔ ایس سے ناقص یا نیم حکیم رہ جاتا ہے۔ شررصاحب بی۔ یو۔ ایم۔ ایس ہی ہیں۔ مگر میں احتراماً ان کو حکیم جی کہتا ہوں نیم حکیم نہیں۔

غالباً مئی ۲۰۰۸ء کی بات ہے۔ سنبھل میں ایک پنساری (یہاں عطاری کا کام چند پنساری کرتے ہیں) کی دکان پر ایک صاحب ایک یونانی نسخے کی دوائیں بندھوا رہے تھے۔ نسخہ رام منوہر لوہیا اسپتال دلی کا تھا۔ دوا خرید نے والے صاحب نے بتایا کہ یہ ڈاکٹر ایف۔ آر۔ مصباحی صاحب کا لکھا ہوا ہے میرا خیال فوراً حکیم جی شرر مصباحی کی طرف منتقل ہوا۔ اب اگر وہ ڈاکٹر ایف۔ آر۔ حکیم جی شرر مصباحی نہیں ہیں اور کوئی دوسرے مصباحی حکیم یا ڈاکٹر ہیں تو میرا روئے سخن ان کی طرف نہیں ہے، لیکن یونانی نسخہ لکھنے والے کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کے سابقے سے اسی خیال کو تقویت ملتی ہے کہ یہ شرر صاحب ہی ہوں گے۔ کیونکہ وہی ہیں جو اکثر و بیشتر دستخط کرتے ہوئے بھی ڈاکٹر لکھ جاتے ہیں۔ خود کو ڈاکٹر لکھنے اور کہلوانے کا ایسا ہوا کسی دوسرے شخص میں نہیں دیکھا (کاش بے چارے ڈاکٹر ہوتے)

ایک نظر نسخے پر ڈالی تو محو حیرت رہ گیا۔ کھانسی زکام کا نسخہ تھا۔ ایک جوشاندے، ایک خمیرے اور ایک شربت پر مشتمل تھا۔ ۷/مفرد دوائیں تو جوشاندے میں تھیں۔ میں نے پنساری سے خمیرے کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ آٹھ دوائیں اس میں بھی ہیں اور بتایا کہ شربت میں بھی ۶/مفردات سے کم نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کھانسی زکام کے مریض کو روزانہ ۲۱/ دوائیں دی جارہی تھیں۔ قارئین غور فکر کے بعد بتائیں کہ یہ چارہ گری ہے یا اندھیرے میں لاٹھی گھمانے کا عمل ہے۔ ۲۱/ادویہ میں سے کوئی نہ کوئی تو کام کرے گی ہی۔ اگر یہ ڈاکٹر ایف۔ آر۔ مصباحی صاحب کوئی دوسرے شخص ہیں تو بات اور ہے لیکن حکیم جی شرر بھی اپنے مریضوں کا علاج ایک دوا سے نہیں کرسکتے تو وہ ان ایف۔ آر۔ مصباحی صاحب سے کس طرح بہتر کہے جاسکتے ہیں؟ ویسے میری بڑی تمنا ہے کہ حکیم جی شرر مصباحی کا تحریر کیا ہوا کوئی نسخہ پڑھنے کو مل جائے۔ سچ ہے ایسوں نے ہی علم وفن کی مٹی خراب کی ہے۔

یہ حکیم جی کی دو حیثیتوں کا ذکر ہوا۔ ادبی حیثیت کا ذکر انشاء اللہ اگلے مضمون میں ہوگا۔ اس میں ''حدائق بخشش'' کی تصحیح (یا اصلاح) پر خاص طور سے زور دیا جائے گا۔ عروض اور تاریخ گوئی کے بارے میں پہلے ہی لکھا جاچکا ہے، جو ماہ

نامہ سنی دنیا بریلی شریف میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بھی اہم نکات اس مضمون میں شامل ہوں گے۔ عروضی تجزیے میں پروفیسر عنوان چشتی کے مضمون سے سرقے کا بھی خاص طور سے ذکر ہوگا اور یہ بھی ثابت کیا جائے گا کہ حکیم جی شرر علم عروض کے بنیادی ارکان (رفاعیل) کا صحیح املا لکھنے پر بھی قادر نہیں تھے۔ اب ہو گئے ہوں تو دوسری بات ہے۔ بہتر ہو کہ شرر صاحب دوسروں پر اعتراض کرنے کے بجائے اپنے املا وغیرہ کی درستی پر توجہ دیں اور بغض امام احمد رضا سے دستبردار ہو جائیں۔

امید ہے کہ اس وقت تک حکیم جی اعلیٰ ظرفی سے کام لیتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنا بند کر دیں گے۔ یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ میرا روئے سخن اس معاملے میں صرف اور صرف حکیم جی شرر مصباحی صاحب کی طرف رہتا ہے اور انہی کے سامنے ایسے مطالبات رکھتا ہوں۔ دیگر کسی بی۔ یو۔ ایم۔ ایس۔ یا بی۔ اے۔ ایم۔ ایس معالج سے مجھے کوئی شکایت یا مطالبہ نہیں۔

ع دیتے ہیں قدح ظرف قدح خوار دیکھ کر

ان ڈگریوں کے حامل دیگر معالجین کی میں دل سے عزت اور قدر کرتا ہوں اور شرر صاحب کے بارے میں یہ باتیں لکھنے پر اگر کسی بھائی یا بہن کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو میں اس کے لئے دل سے معافی کا خواستگار ہوں۔ واضح ہو کہ مجھے کدورت یا اعتراض جو بھی ہے شرر مصباحی کی حرکتوں اور غرور سے ہے اور یہ اس لئے کہ انہوں نے میرے نام سے ایک فرضی عبارت گھڑ کر میری ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا مذاق اڑایا تھا۔ کسی دوسرے بھائی یا بہن نے میرے ساتھ ایسا نہیں کیا ہے تو مجھے اس سے شکایت کیوں ہونے لگی۔ میرا روئے سخن بہر حال حکیم جی شرر مصباحی کی طرف ہے۔ فقط (صابر زندہ صحبت باقی)

❁❁❁

خیریت اسی میں ہے

حضرت مولانا مفتی ولی محمد رضوی

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم شد از فضل رب

صالحین، عارفین، مقربین، فقہاء اور مفتیان دین وعلماء اسلام کا ادب واحترام کرنا دین کی تعلیم اور اسلام کا پیغام ہے۔ یہ ایسا وصف اور خوبی ہے جو قسمت والوں اور مقدر والوں کو ملتا ہے اور جب اسی فکر ونظر میں رنگ ڈھنگ ہوتا ہے تو زبان وقلم بھی ادب کے پھول مہکاتے اور گل گلزار سجاتے نظر آتے ہیں اس کی مثالیں دیکھنا ہو تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ورسائل کا مطالعہ کیجئے ان کے بعد تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ کی نگارشات دیکھئے تو ادب واحترام اور عقیدت کا چمن خوشبودار نظر آئے گا۔ شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی اور علامہ ارشد القادری علیہما الرحمہ اکابر واسلاف کے حضور عقیدت وادب کی پلکیں بچھاتے نظر آتے ہیں اعلیٰ حضرت ومفتی اعظم ہند ودیگر دین وسنیت کے مجاہدوں کے حضور ایسے مؤدب انداز میں حاضر ہوتے ہیں کہ ادب کا مجسمہ معلوم ہوتے:

خنک آں کہ در صحبت عاقلاں
بیاموزد اخلاق صاحب دلاں

قابل مبارک باد ہے وہ خوش نصیب مرد مومن جو عاقلوں اور صاحب دل انسانوں کی صحبت میں رہ کر اخلاق وکردار سے مزین ہو جائے اور صحبت صالح کی موتی چن کر ان کے رنگ میں رنگ جائے اور انہیں کے جیسا ہو جائے بزرگ اپنی نگاہ عارفانہ سے اسے بزرگ اوصاف وکردار کا حامل بنا دیں آج ان قابل فخر ہستیوں پر ہمیں ناز ہے حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میں نظمی مارہروی دام ظلہ العالی کیسا درس دے رہے ہیں:

”جماعت اہلسنّت کو ایک بند مٹھی کی طرح طاقتور بنانے کے لیے انہوں نے بے انتہاں قربانیاں دیں، دین کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے اور انہیں منہ توڑ جواب دینے کے لیے انہوں نے کیسی کیسی ”معرکۃ الآراء“ تصانیف سنی دنیا کو پیش کیں ہونا تو

یہ چاہئے کہ سنی دنیا ہر سانس میں اعلیٰ حضرت کا شکریہ ادا کرے کہ انہوں نے بددینوں کے مقابلے سر اٹھا کر جینے کا سامان عطا کیا مگر کچھ بدنصیب حسد وعناد کی ءآگ میں جلتے ہوئے اعلیٰ حضرت پر طرح طرح کی تنقیدیں کرنے میں جٹے ہوئے ہیں۔ (پیغام رضا ممبئی ص۸۳/ ۲۰۰۹ء)

یہ ہے سچائی وراستی جو خود بخود زبان سے نکلتی ہے اور بیان حق کر کے حق کی نگہداشت وحفاظت کی جاتی ہے اسی کے لیے مولانا رحمۃ اللہ صدیقی جیسے مرد مجاہد کو قلم کی قوت کے ساتھ میدان میں آنا پڑا ہے وقت کی اہمیت وضرورت وتقاضا کو موصوف نے یوں پورا کیا ہے بے راہ روی آوارگی کو لگام دینے کے لیے ان کو مجاہدانہ سرگرمیوں کا اظہار کرنا پڑا ہے جب جدت پسندوں کی عقل ٹھکانے آئے گی تو موصوف کو تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی یہ ان کی ہمت ہے کہ جدت پسندوں کے سامنے سینہ سپر ہیں جب تک کوئی اکا برین کو تنقید کا نشانہ بناتا رہے گا یہ محافظ ناموس اسلاف یوں ہی قلم کے جوہر دکھاتا رہے گا، مولیٰ تعالیٰ ان کے خلوص کو زیادہ کرے، آمین۔

جمہور علماء نے جن مسائل پر فتاویٰ دیئے ہیں وہ روح شریعت، مزاج سنت اور فقہ کے اصول کے مطابق دیئے ہیں چاہے وہ لاؤڈاسپیکر پر نماز کا مسئلہ ہو یا رویت ہلال کا ثبوت فون وغیرہ پر یا ٹی وی پر سماعتِ خطاب وبیان۔ مفتیان کرام نے قرآن وحدیث کی صورت میں حق بات کہی ہے اور ٹی وی اور تصویر وغیرہ کے عدم جواز کا حکم صادر کیا ہے، خدا ترسی کے جذبے سے جو کام کرتے ہیں مضبوط دلائل وبراہین کے ساتھ کرتے ہیں جن کو سمجھنا ہر کسی آوارہ فکر وقلم والے کے بس کی بات نہیں گھسیانی بلی کھمبہ نوچے والی بات ہے آدمی جس فن کا ماہر نہیں ہے اس میں کیوں ٹانگ اڑاتا ہے کٹ حجتی کرے مگر افسوس صد افسوس بازاری ایڈیٹروں پر اخباری نمائندوں پر کہ قلم کی آوارگی سے رائے زنی کرتے نظر آتے ہیں جب آوارگی فکر ونظر کو خواہشات کی تکمیل نظر نہ آئی تو قلم کے ذریعہ گالی گلوج کرنے میں بھی غیرت نہ آئی۔

اگر دار الافتاء میں بیٹھنے والے دین وملت کے امین حضرات پر اس طرح کیچڑ اچھالا جائے گا تو پھر متقی وتقویٰ شعار دیانتدار حضرات کون رہ جائیں گے ایک جدت پسند موڈرن خیال کو یہ حق کس نے دے دیا کہ ہمارے دین وشریعت کے محافظین کی شان والا میں ایسے نازیبا نفرت انگیز کلمات استعمال کرے جسے دار الافتاء میں بیٹھنا نصیب نہ ہوا ہو جو کسی شرعی مسائل کو کبھی رضائے الٰہی کیلئے نہ سمجھ سکا اور جو ضابطہء شریعت کی ڈگر پر نہ چلا ہو اس بے حیا نے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل نہ دیکھی تو ان محافظین شریعت کی شان میں گستاخی کرنے سے بھی نہ چوکا کہ جو اس کی آوارہ طبیعت کے مطابق فتویٰ نہ دے، ٹی وی کو جائز نہ قرار دے، نماز میں لاؤڈ اسپیکر نہ استعمال کرے یا فون وغیرہ ذرائع ابلاغ سے اصول فقہ کو پامال نہ کرے وہ اس کی نظر میں نفاق کا پتلا ہے اس کی منافقت ہے جس کو خوشتر نے جان لیا ہے نہ وہ خلوص پر مبنی ہے نہ شریعت کے موافق ہے نہ نماز کے آداب کا پاس ہے دیکھئے قلم کی جسارت (ص ۶/ وص ۲۴۵/)

اب بھی ہمارے بھولے سنی اس کو نہیں پہچانیں گے، اب بھی اس کا تعاون کریں گے اور حوصلہ دیتے رہیں گے

اپنے اسلاف کی گردن زدنی اس کے آوارہ قلم سے کراتے ہیں گے۔ضرورت ہے کہ اپنی ممبری فیس ختم کر کے اس سے بیزاری کی جائے کہ ہم ہرگز اپنے اسلاف کی گستاخی برداشت نہیں کریں گے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی یہ علامتیں بیان فرمائیں۔ارشادفرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم (۱) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب کسی سے کوئی عہد کرے تو عہد شکنی کرے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے۔

(بخاری شریف باب علامۃ المنافق ص۱۰/۱)

اب دریافت کیا جائے کہ حضور مفتی اعظم ہند،شارح بخاری علیہما الرحمۃ،تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری،محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دامت برکاتہم العالیہ اور کثیر تعداد میں مفتیان کرام وعلماء کرام جو شرعی فتاویٰ صادر کئے ہیں کیا منافقت کی علامتیں ان حضرات میں پائی جاتی ہیں یا اس طرح انہیں یاد کیا جائے گا،بے شک ان علامتوں سے ان حضرات کا دامن بری ہے۔معلوم ہوا ان حضرات پر ایسا بیہودہ الزام سراسر جھوٹ ہے حدیث کی روشنی میں ایسا ناپاک الزام خود کہنے والے پر لوٹتا ہے:

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دامن میں صیاد آگیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن پر لعنت اس کے قتل کی مثل ہے اور جو شخص مومن مرد یا عورت پر تہمت لگائے تو یہ اس کے قتل کے مثل ہے (رواہ الطبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے تو اس کلمہ کے ساتھ دونوں میں سے ایک پر لوٹے گا یعنی یہ کلمہ دونوں میں سے ایک پر پڑے گا۔(رواہ البخاری والمسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص دوسرے کو فسق اور کفر کی تہمت لگائے اور وہ ایسا نہ ہو تو اس کہنے والے پر لوٹتا ہے۔(بہار شریعت ص۱۶/ص۱۴۲/۱)

ہم نے خیر خواہی کے لیے احکام شریعت بیان کردیے ہیں اگر آں جناب (خوشتر) اپنی آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں تو توبہء نصوح کرلیں یہی سلامتی ونجات کا راستہ ہے

التائب من الذنب کمن لا ذنب له،

ان اکابر کے حضور اسی رسالہ (جام نور) میں معافی نامہ شائع کردیں ورنہ نفاق کا قلادہ جو مفتیان کرام کے گلے میں ڈالنا چاہتے ہیں خود ان کے گلے میں پڑا رہے گا۔

دعا ہے کہ مولیٰ محافظین شریعت کی عزت کو قائم رکھے ان کے علمی فیوض وبرکات سے ہم اہلسنّت وجماعت کو خوب خوب مالا مال فرمائے،ہم سب کے ایمان آبرو جان ومال کی حفاظت فرمائے نفس وشیطان کے فتنوں اور نفس وشیطان کے غلاموں کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے،آمین بجاہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

نشر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

عبید الرضا مولانا عبد الہادی خاں رضوی

پیکر علم ولیاقت، علمبردار حق وصداقت، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت محب محترم حضرت علامہ مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب قبلہ مدظلہ العالی مدیر اعلیٰ سہ ماہی نور ہدایت، پیغام رضا ممبئی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سیف مسلول شدت، ماحی تذبذب وضلالت محبوب و مقبول رسالہ بنام پیغام رضا کا فکر و تدبیر نمبر، بمعرفت سر چشمۂ فضل وکرامت، معمار قوم وملت، پیر طریقت حضرت علامہ مولانا الشاہ القاری الصوفی عبد الکریم صاحب قبلہ نوری، گونڈی، ممبئی موصول ہوا۔ بعد مطالعہ دل کی کلیاں کھل اٹھیں، بیساختہ دل مسرور سے یہ صدا آئی، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، آمین، میں آپ کے جملہ ارباب حل وعقد کو اس مجاہدانہ کردار وعمل پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو عمر خضر عطا فرما کر خوب خوب سنیت ومسلک اعلیٰحضرت کی خدمت لیتا رہے۔ یقیناً اس پرفتن دور اور آزاد خیالی و تعصب وجاہ طلبی کی مسموم ہواؤں، قصر سنیت کو متزلزل کرنے کی سعی لاحاصل کرنے والے بادصرصر کے جھونکوں میں آپ کا پیغام رضا، تریاق حقانیت کا تابندہ چراغ بن کر مغموم و مسموم دلوں کو جگمگا رہا ہے، اس بوالہوسی وخود بینی وخودنمائی کے پراگندہ ماحول میں جب کہ اصاغر کے دلوں سے اکابر کی تعلیم وتربیت، تعظیم وتوقیر کا جذبہ مدہم ہوتا جارہا ہے۔ اسلامی روح وروحانیت سے موجودہ بعض ادیب وعالم کا دل خالی ہوتا جارہا ہے۔ للّٰہیت وحق گوئی وحق بینی کا جذبہ پیدا کرنا اور اصولی وشرعی امور کی پاسداری کا پیغام دینا ہوا کے دوش پر چراغ روشن کرنے کے مترادف ہے، اس کے باوجود شمع حق کو روشن رکھنا اوراس کی روشنی میں عوام وخواص کو چلنے کی دعوت دینا آپ جیسے بلند حوصلہ، روشن خیال مسلک اعلیٰ حضرت سے محبت رکھنے والوں ہی کا طرۂ امتیاز وحصہ ہے، آپ عند اللہ ماجور، عبد الاخیار محبوب ومنصور ہوں گے، احقاق حق وابطال باطل اہل سنت ومسلک اعلیٰ حضرت کے سالار وسپاہی کا خصوصی کارنامہ رہا ہے آپ اسلاف کرام کے نقوش قدم اوران کی دینی وملی خدمات کے امین ہیں،

استاد دار العلوم حمیدیہ، رضویہ، بنارس (یوپی)

آپ کے بیباکانہ رشحات قلم سے ضرور بالضرور حقائق کے چہرے سے ظلمات افکار اور حوادث اوہام کے پردے اٹھیں گے۔ کسی کی گالی و بدلگامی سے خائف و مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ گالی انتہائی قبیح فعل ہے۔ یہ فعل تو ان لوگوں کا ہوتا ہے جن کے پاس ظرف نہیں ہوتا۔ جن میں مقابلے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور جو مستند کمینہ ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے آپ کو گالیاں دینے والے کون ہیں اور دلوانے والے کون لوگ ہیں۔ وقت پر ان شاء اللہ ان سب کو بے نقاب کیا جائے گا۔ ایسے ہی موقعہ پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا تھا:

سن لیں اعداد میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے
"عدد بد دین مذہب والے حاسد
تو ہی تنہا کا زور دل ہے یاغوث
حسد سے ان کے سینے پاک کردے
کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یاغوث

محترم: آپ کے مجلّہ پیغام رضا میں، مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے اٹھنے والے فتنوں کا شافی وکافی جواب و بیان موجود ہے، لیکن اگر دل و نگاہ سے نورانیت مفقود ہوجائے اور بصیرت و بصارت پر حسد و تعصب کا زنگ و میل چسپاں ہوجائے تو پھر دلائل و براہین کے درخشندہ و تاباں پہاڑ بھی نظر نہیں آتے ہیں، رہی بات اسلاف کرام کے عقائد و اعمال کا ترجمان، مسلک اعلیٰ حضرت کا زبان عوام وخواص پر جاری ہونے کی تو ہمارے بزرگوں نے اس لفظ مسلک اعلیٰ حضرت، کو حق و باطل کے درمیان خط فاصل قرار دیا ہے، اور تصلب فی الدین رکھنے والے علما و مشائخ وسجادگان خانقاہ نے، لفظ مسلک اعلیٰ حضرت کو معرفت ایمان و عقائد کے لئے جبین مدارس و خانقاہ کی زینت و جھومر قرار دیا ہے، مدارس و خانقاہ کے بورڈ پر مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان، و مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد لکھا ہوتا ہے۔ تاکہ یہاں آنے والا اول نظر میں سمجھ لے کہ خوش عقیدوں کی جگہ ہے، بدعقیدگی یا بدعقیدوں سے اس ادارہ و خانقاہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن حیرت بالائے حیرت ہے کہ آج کل کچھ ملت کا ترجمان کہلانے والے رسالے اور افراد و اشخاص اسلاف کے موقف و نظریات کے خلاف بیجا لب کشائی و منھ شگافیاں کر رہے ہیں۔ سنیت و مسلک اعلیٰ حضرت کے قلعہ میں بیٹھ کر قلعہ کے در و دیوار میں دراڑیں پیدا کر کے در و دیوار کو متزلزل کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں، رسالہ جام نور دہلی، معرض عتاب میں ہے۔ اور اسے معرض عتاب میں ضرور ہونا چاہئے، مسٹر خوشتر نورانی ایڈیٹر جام نور جس خاندان کے فرد ہیں اس خاندان کے رگ و پے میں مسلک اعلیٰ حضرت کا خون سرایت کئے ہوئے ہے۔ پورا خاندان مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان رہا ہے، مسلک اعلیٰ حضرت کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی ہے، خود مسٹر خوشتر نورانی صاحب بھی مسلک اعلیٰ حضرت کی آب و ہوا خورد و نوش سے پروان چڑھے ہیں ان کی رگوں میں جو خون دوڑ رہا ہے اس میں بھی مسلک اعلیٰ حضرت مہربانی شامل ہے۔ اپنے آبا و اجداد کے مقبول و شرعی نظریات سے انحراف بہر حال افسوس کی بات ہے، لیکن غور طلب یہ ہے کہ مسٹر خوشتر نورانی صاحب کے

ذہن میں انحراف اسلاف کا جذبہ وخیال کیسے پیدا ہوا؟ اس میدان میں ان کا مقتدا و پیشوا کون ہے، وہ لوگ جن کے آباء و اجداد، جعفری، عثمانی، علوی، گورکن اور سائیں لکھتے و کہلاتے تھے آج ان کی اولاد سید صاحب کہلانے لگی ہے وہ اپنے حقائق و اصلیت سے منھ پھیر کر سید کا تمغہ لگا کر عوام خواص کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں، ایسے لوگ جو اپنے آباء و اجداد کے وفادار نہیں ہیں۔ اگر یہ لوگ مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف کریں مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف منھ شگافیاں کریں تو افسوس کی بات نہیں ہے، جب وہ اپنے آباء واجداد کے وفادار نہیں ہیں اور ان سے منحرف ہیں تو پھر مسلک اعلیٰ حضرت کے کیا وفادار رہیں گے۔ ہاں افسوس ان پر ہے جن کے خون میں مسلک اعلیٰ حضرت کی سرخی شامل کئے ہوئے ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میدان میں شاہد انکا پیشوا جامعہ اشرفیہ کے بعض اساتذہ، ماہنامہ اشرفیہ و ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور ہے۔ ان کے علاوہ بھی اور چہرے ہیں جو اپنی آنکھوں پہ دبیز عینک اپنے سر پہ عمامہ سجا کر قوم و ملت کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں کا احتساب ہوگا۔ لوگ گروپ بنا رہے ہیں گروپ بندی جہنم کی طرف پیش قدمی ہے۔

اگر آپ بغور حالات کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ جس کے وجود وخمیر، دستور اساسی میں مسلک اعلیٰ حضرت کی پاسداری و پاسبانی کی خدمت انجام دینا ہے، محسن سینت حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت ہی کے لئے اشرفیہ کو قائم کیا اور اس کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے، آج اسی جامعہ اشرفیہ سے اعلیٰ حضرت و مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف آواز نکل رہی ہے، قارئین ماہنامہ اشرفیہ کو یاد ہوگا کہ پہلی مرتبہ ۱۹۹۹ء میں مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے کے خلاف ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور میں مضمون چھپا تھا، ماہنامہ اشرفیہ پڑھنے والے مضمون پڑھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ ایسا خرافاتی وانتشاری مضمون ماہنامہ اشرفیہ میں کیسے چھپ گیا؟ اکناف ہند و خود مبارکپور کے تصلب فی الدین رکھنے والے افراد و اشخاص نے علمائے مبارکپور کا مواخذہ شروع کر دیا، تو فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ صدر شعبۂ افتاء اشرفیہ نے ماہنامہ اشرفیہ میں چھپنے والے مضمون کی تردید فرمادی، آگے تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ایڈیٹر صاحب (مولوی مبارک حسین مصباحی) سے مواخذہ کیا، اور انہیں ہدایت بھی کی کہ ماہنامہ اشرفیہ ادارہ کا ترجمان ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان جامعہ اشرفیہ کے اغراض ومقاصد کی دفعہ ۷ میں تصریح ہے۔

''مسلک امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمہ کی تبلیغ وترویج کرنا''

مسلک اعلیٰ حضرت کے ترجمان دارالعلوم اشرفیہ و ماہنامہ اشرفیہ میں اس قسم کا مضمون چھپنا قابل افسوس وحیرت ہے، آج کل تحقیق جدید، وتلاش بحور قوافی کے نام پر جامعہ اشرفیہ و بعض متعلقین اشرفیہ کے قسم قسم کے فتنہ انگیز وعقائد و اعمال کو متزلزل کرنے والے بیانات اخبار و رسائل میں شائع ہو رہے ہیں جس پر ارباب علم و دانش کو توجہ دینا ضروری ہے۔ ورنہ سینت کی خدمت کے نام پر سینت ذبح ہوتی چلی جائے گی۔

ایسی صورت و حالات میں مسٹر خوشتر نورانی کے ساتھ

ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر مولوی مبارک حسین مصباحی، مفتی نظام الدین صاحب مفتی اشرفیہ و جناب حکیم شرر مصباحی اوران کے ہمنواؤں کی خانہ تلاشی از حد لازم وضروری ہے، وہ کون سے اسباب وعلل ہیں جو انہیں اعلیٰ حضرت ومسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف لب کشائی ومنھ شگافی پر برانگیختہ کررہے ہیں، یہ کیسی جرأت احمقانہ وکلمات بول و برازانہ ہے کہ قلم سے لکھتے اور زبان سے ادا کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ہتھیار تو دیئے لیکن سپاہی تیار نہیں کئے، لکھتے اور بولتے وقت غیرت نہیں آئی، کیا تنگ نظری و کوتاہی نے حقائق و واقعیت سے عاجز و مجبور کردیا ہے۔ بینائی و دانائی کو کام میں لاکر یہ نہیں دیکھتے، امام احمد رضا کے افق علم وفضل پر ایسے ہزاروں صدرشک شمس وقمر تاباں ودرخشاں ہیں جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے، جو ارض ہند کی زینت اور قوم وملت کی ناخدائی کی ضامن، جن کا وجود مسعود جن کی غلامی دارین کی سعادتوں کی ضمانت، امام احمد رضا کے فیضان کرم سے فیض پانے والے حجۃ الاسلام محمد حامد رضا، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، مفتی اعظم ہند، ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری ، محدث اعظم ہند کچھوچھوی ، صدرالافاضل حضرت مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادی، شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی، برہان ملت مولانا برہان الحق جبلپوری، سید سلیمان اشرف بہاری، محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائلپوری، حضرت مولانا عبدالرحمٰن محبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اوران جیسے ہزاروں ہیں کیا آج کا دارالعلوم مرکز علم وفضل بننے کا دعویدار جس کے فارغین نماز مغرب وفجر میں بھی قصر کرڈالتے ہیں، ان شموس بازغہ میں سے کسی ایک کی مثال پیش کرسکتا ہے اسی کچھاڑ کے ایک شیر کا نام حضور حافظ ملت ہے تو کسی کا نام مجاہد ملت وشمس العلماء ہے۔ جب اعلیٰ حضرت کے خرمن علم وفضل کے ایک خوشہ چیں کی مثال ارض ہند پیش کرنے سے قاصر ہے تو یہ ادہام باطلہ وخیالات فاسدہ کو سپرد قرطاس کرنا کہ اعلیٰ حضرت نے ہتھیار تو تیار کئے لیکن سپاہی نہیں پیدا کئے کتنی بڑی نادانی ہے، انہیں احمقانہ خیالات والوں کیلئے متنبّی نے کہا تھا:

وانا خفیت علی البغی فعاذر
ان لاترانی مقلة علیها

حضرت سعدی شیرازی نے فرمایا:

گر نہ بیند بروز سپرۂ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

میں ان بے بصیرت وبصارت لوگوں کی طرف اپنے قلم کو متوجہ کرنا نہیں چاہتا، میں ان کی پیشانی اوران کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کے پیچ وخم کو خوب جانتا ہوں ان کا مقصد کیا ہے، اور یہ سنیت کے کیسے گھاتک ہیں اچھی معرفت رکھتا ہوں، یہ لوگ اس کے مصداق ہیں، یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم لیکن میں کچھ لکھ کران بے بصیرت و بصارت کی طرح اپنے گھر میں آگ لگانا نہیں چاہتا ہوں، یہ چند باتیں صرف اہل عقل وشعور کی رہنمائی کے لئے لکھ رہا ہوں، تاکہ آئندہ اس قسم کے خرافاتی وفتنہ انگیز بیان وتحریر سے پرہیز کریں اور خرمن سینت میں آتش نفسانیت نہ لگائیں، اور دل میں جو کسک چھپا رکھا ہے، اپنے ساتھ مرقد میں لے جائیں تاکہ نکیریں اپنے گرز سے ان کس کوں

کو نکالیں، میں اپنے تاثرات قلبی سے جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ حضور عزیز ملت مدظلہ کو چند سال قبل ہی آگاہ کر چکا ہوں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ حضرت مدظلہ العالی نے میرے کلمات کی طرف توجہ نہیں دیا، اور حضرت توجہ کیسے دیتے اور مناسب کارروائی کیسے کرتے مولوی مبارک حسین مصباحی ماہنامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر حضرت مدظلہ العالی کے داماد ہیں، اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ان کی ریشہ دوانیوں کی بہت سی داستانیں میرے پاس موجود ہیں۔ مثلاً ایک معتمد مصباحی صاحب جو ان سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ وقت پر علمائے کرام کے سامنے حلفیہ بیان بھی دے سکتے ہیں، ان کا بیان ہے

''ہمارے کچھ احباب و مخلصین نے ایک دارالمطالعہ جس میں مختلف مضامین کی کتابیں ہوں قائم کرنا چاہا اور اس کا نام امام احمد رضا آرگنائزیشن و حافظ ملت اکیڈمی رکھا، ہم لوگوں نے جامعہ اشرفیہ کے منیجر و ناظم جناب حاجی سرفراز صاحب سے ملاقات کرکے اپنی باتیں رکھیں اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ہماری معاونت فرمادیں تو اس نام سے کچھ اصلاحی باتیں لکھ کر اغراض و مقاصد سے لوگوں کو مطلع کرادیں، ناظم صاحب نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ آپ مولانا محمد مبارک حسین صاحب ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ سے مل لیجئے جو خرچ آئے گا دیدیا جائے گا۔ جب ہم لوگ مولانا مبارک حسین کے پاس پہونچے تو وہ نام دیکھ کر خفا ہوگئے اور کہنے لگے کہ آپ لوگوں کی یہ عادت اچھی نہیں ہے۔ ہر جگہ اعلیٰ حضرت کا نام چسپاں کردیتے ہیں، آپ لوگ دو طرفہ چلتے ہیں صرف ایک نام رکھئے یعنی حافظ ملت اکیڈمی رکھئے ، اور امام احمد رضا آرگنائزیشن کا لفظ حذف کردیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت اشرفیہ کا طالب علم تھا اسلئے ان کے اس لغو کلمات پر غصہ پی کر رہ گیا''

اس قسم کی اور بھی کچھ حرکتیں سامنے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو دلی اذیت پہونچا رہے ہیں، لیکن رشتہ ایسا ہے کہ مناسب کارروائی سے مانع ہے، اور دوسرے مدرسین گرد و پیش رہنے والے، جب یہ اپنے لائق فائق استاد محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفی صاحب کے نہیں ہوسکے تو مسلک کے کیا وفادار ہوں گے۔

چند سال قبل میں سیدی وسندی ، مرشدی حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے عرس مقدس میں شرکت کے لئے جارہا تھا، میرے ساتھ قاضی شہر بنارس خلیفہ سرکار مجدد ابن مجدد حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ، مولانا مفتی غلام یٰسین صاحب نوری اور ان کے برادر اکبر الحاج مختار احمد صاحب رضوی بھی تھے بنارس اسٹیشن پر جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے سربراہ اعلیٰ عالی جناب حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب عزیز ملت مدظلہ العالی سے ملاقات ہوگئی، گاڑی لیٹ تھی اس لئے کچھ دیر ساتھ رہے اور خدمت کرنے کا موقعہ میسر آیا، اسی دوران حضرت قاضی شہر بناس نے، ماہنامہ اشرفیہ میں چھپنے والے ایک مضمون پر سوال مواخذہ کیا، چونکہ قاضی شہر بنارس حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اجلہ تلامذہ سے ہیں اور اشرفیہ

سے محبت بھی رکھتے ہیں، لیکن جب ماہنامہ اشرفیہ میں کوئی مضمون مسلک اعلیٰ حضرت کے مخالف چھپتا ہے تو آپ کو روحانی تکلیف ہوتی ہے بایں وجہ آپ نے مواخذہ کیا۔

تو حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا، ان کا یہ جواب سن کر مجھے افسوس ہوا تو میں نے بھی اطلاع و اصلاح حال کیلئے عرض کیا:

حضور اس وقت اشرفیہ و ماہنامہ اشرفیہ فتنہ و فساد کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ وہاں اسلاف کرام کے نظریات کا خون کیا جارہا ہے، وہاں کے کچھ افراد و اشخاص اپنے اسلاف کے اعمال و افعال سے برگشتہ نظر آرہے ہیں، اگر آپ نے توجہ نہیں دی تو پھر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو روحی تکلیف ہوگی۔

میری یہ بات سن کر حضرت سربراہ اعلیٰ صاحب مدظلہ چونک گئے اور حیرت سے مجھ کو دیکھنے لگے اور فرمانے لگے آپ نے یہ کیسے کہہ دیا، میں نے کہا حضور میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں بغور سماعت فرمائیں:

آپ کا ادارہ مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان ہے، آپ کے دستور میں یہ لکھا ہے کہ آپ کا ادارہ مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان رہے گا۔ لیکن آپ کے ماہنامہ اشرفیہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے کے خلاف مضمون شائع ہوا ہے، آپ کے ادارہ کے صدر مفتی حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ (علیہ الرحمہ) بعد میں اس مضمون کی تردید کرتے ہیں۔ پہلے مضمون چھپتا ہے بعد میں اس کی تردید کرتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ آپ کا تردیدی مضمون سب لوگوں تک پہونچ جائے، تو جن لوگوں نے اشرفیہ کو پڑھا وہ تزلزل کے شکار ہوں گے، ایسے مضمون کو شائع کرنے کی کیا ضرورت ہے جس سے اپنے اصول و نظریات کا خون ہوجائے۔

دوسری مثال حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ و دیگر تمام اسلاف کرام جوز میں پڑھ کر لوح محفوظ کا مطالعہ فرماتے تھے مثلاً حضور مفتی اعظم ہند و سرکار مجاہد ملت، علیہما الرحمہ وغیرہ بلکہ آپ و جامعہ اشرفیہ کے تمام علماء اور آپ کے ادارہ کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر سے نمازیں ادا کرنا جائز نہیں، جو لوگ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر نماز ادا کریں گے ان کی نماز فاسد ہوگی، اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ اس سلسلے میں فقیہ ملت حضرت علامہ مولانا مفتی جلال الدین صاحب امجدی نے بہترین رسالہ دلائل و براہین سے لبریز تحریر کیا ہے، اور اسلاف کے موقف کی خوب خوب تائید فرمائی ہے، اسکے مطالعہ سے علمی بصیرت و بصارت میں اضافہ ہوتا ہے"۔ لیکن آپ کے دار العلوم جامعہ اشرفیہ کا ایک مولوی بنام مفتی نظام الدین صاحب نے اسلاف کے تحقیقات و نظریات کا خون کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر نمازیں جائز ہیں۔ اور اس میں ہفوات و مزخرفات کا سہارا لیکر پوری کتاب بھر دیا، جس کی حضرت علامہ

مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے ایسی تردید کردی کہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت آگئی اور مولانا نظام الدین صاحب کے دلائل جبال قیامت کے مانند روئی کے فاہوں کی طرح اڑ رہے ہیں، اس کے باوجود یہ کتاب اشرفیہ کے پتہ پر چھپی، اشرفیہ کا بھاری بھرکم نام سنکر لوگ تزلزل کا شکار ہوگئے ، نفس پرستوں کو موقعہ ملا لاؤڈ اسپیکر کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے، آپ کے نظریات کے مطابق ہزاروں لوگوں کی نماز خراب ہورہی ہے، لیکن آپ نے مفتی نظام الدین صاحب کا نہ مواخذہ کیا، اور نہ ان کو ایسے بھیانک مفسد نماز کتاب کی تحریر کی وجہ اشرفیہ سے برطرف کیا، اور نہ یہ تنبیہ کی کہ یہ نماز خراب کرنے والی کتاب اشرفیہ کے پتہ پر نہ چھپے، یا جامعہ اشرفیہ سے اس کے رد میں کوئی کتاب چھپے، آپ کے اسلاف کے نظریات وفتاوی کی تردید کی گئی لیکن آپ نے یا آپ کے علمائے اشرفیہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اس لئے اشرفیہ کے نام سے کتنے لوگ دھوکہ کھارہے ہیں۔

آپ کے اشرفیہ سے چھپنے والی کتاب کی وجہ سے جس مسجد میں لاؤڈ اسپیکر سے نماز ہونے لگی ٹھوس اسلاف کے پیروکاروں نے امام کے پیچھے نماز پڑھنا بند کردیا کچھ بدعقیدوں اور صلح کلیوں کو موقعہ ملا اور انہوں نے امام کا ساتھ دینا شرع کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹھوس سنی ہٹ گئے اور بہت ساری مساجد میں بدعقیدوں یا صلح کلیوں کا تسلط ہوگیا ان مساجد کو ٹھوس سینوں سے خالی کرانے اور صلح کلیوں اور بد عقیدوں کے ہاتھ میں دینے کا ذمہ دار مفتی اشرفیہ و دار العلوم اشرفیہ کے علاوہ کون ہوگا، قیامت کے دن ان مسجدوں کی ویرانی کا وبال کس کے سر آئے گا؟

اس وقت یہ ضروری ہے کہ فوراً جامعہ اشرفیہ کے ارباب حل وعقد اور علما مفتی نظام الدین کے خلاف کارروائی کریں اور ان کی ہفواتی تحریر کے رد میں ایک کتاب شائع کریں تا کہ لوگوں کی نماز اور ان کے اعمال خراب نہ ہوں۔

تیسری مثال: چاند کے تعلق سے آپ کے اشرفیہ کا پوسٹر جب رمضان المبارک کے موقعہ پر چھپتا ہے تو اس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر معتبر نہیں ہے۔ لیکن اشرفیہ کا مفتی افاضہ واستفاضہ وغیرہ کے الفاظ میں بے جا تاویلات کر کے اپنے شائع کردہ پوسٹر کے خلاف لب کشائی کرتا ہے۔ عوام فتنہ میں مبتلا ہورہی ہے۔ اس قسم کے چند مسائل میں نے پیش کئے حضرت سربراہ اعلیٰ صاحب سنتے رہے اور کچھ جواب نہ دے سکے۔

میں نے کہا حضور آپ میری باتوں پر غور کریں اور جامعہ اشرفیہ کو خس وخاشاک سے پاک کریں ورنہ سینت کا شیرازہ بکھر جائے گا آخر کیا علل واسباب ہیں جو ان لوگوں کو اپنے اسلاف کے اصول ونظریات کے خلاف قدم اٹھانے پر مجبور کررہے ہیں۔ میں نے حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کو یہ واقعہ بھی سنایا۔ جب مولانا نظام الدین

صاحب کی کتاب لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم معرض وجود میں آئی اس وقت دار العلوم جامعہ فاروقیہ بنارس کے سابق صدر المدرسین وشیخ الحدیث وحضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے عزیز ترین شاگرد رشید متصلب فی الدین حضرت علامہ مولانا محمد باقر علی خانصاحب علیہ الرحمہ بقید حیات تھے۔ جب انہوں نے مولانا نظام الدین صاحب کی کتاب کو دیکھا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے اسکوفوراً جامعہ اشرفیہ سے نکالنا چاہئے ورنہ حضور حافظ ملت واکابر اہل سنت کوروحی تکلیف ہوگی۔ جب حضرت یہ فرمارہے تھے اس وقت میرے ساتھ وہاں جامعہ حمیدیہ بنارس کے ایک مدرس مولانا محمد یوسف رضا مصباحی موجود تھے۔ جیسے مصباحی صاحب نے کچھ عرض کرنے کے لئے اپنی زبان سے یہ کلمہ ادا کیا حضرت مولانا نظام الدین صاحب قبلہ، حضرت باقر العلوم سخت ناراض ہوکر فرمایا، تم اس کو قبلہ کہتے ہو قبلہ دیکھ کر اور سمجھ کر متعین کرو ورنہ نماز فاسد ہوجائے گی۔ جناب مصباحی صاحب کی بولتی بند ہوگئی۔ آج کچھ علماء خصوصاً مصباحی کہلانے والوں کا یہ طریقہ ہوگیا ہے کہ

ع چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

یہ کوشش کرتے ہیں کہ مسائل کولوگوں کے ذہن کے مطابق بیان کیا جائے۔ یہ کوشش نہیں کی جاتی کہ لوگوں کے ذہن کو مسائل شرعیہ کا عادی وگرویدہ بنایا جائے۔ یہ کمال نہیں کہ لوگوں کے ذہن کے مطابق مسائل کی تاویل کی جائے بلکہ کمال یہ ہے کہ لوگوں کے عقل وشعور کو بیدار کر کے مسائل شرعیہ کا پابند بنایا جائے۔

آج اس آزادی فکر کا اثر ہے کہ جامعہ اشرفیہ کے اسٹیج سے عبید اللہ خاں اعظمی جیسے بے چہرہ لوگ علمائے اہل سنت کے خلاف زہر افشانی کررہے ہیں امسال جب میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے عرس مبارک میں شرکت کے لئے حاضر ہوا تو عجب کرشمہ دیکھا کہ قل شریف کے وقت تک میدان عرس میں لوگوں کی قلت تھی پورا میدان خالی تھا قل شریف کے وقت لوگوں کا مجمع ہوا قل شریف کے بعد پھر ایک صاحب ممبئی سے آئے تھے کھڑے ہوئے اور مصباحیوں کا رونارونے لگے، اور غیر معقول کلمات زبان سے نکالنے لگے، میں نے یہ طے کرلیا کہ آئندہ عرس میں شرکت کرنا مناسب نہیں ہے جب بارگاہ حضور حافظ ملت میں حاضری کا ارادہ ہوتو عام و سادہ دنوں میں حاضری کا شرف حاصل کیا جائے تاکہ نامعقول باتوں کوسن کرروحی اذیت نہ ہو، آج اس پرفتن دور میں جب کہ اہل سنت پہلے ہی سے بہت سی غیر معقولی انتشاروں میں مبتلا ہیں پھر مصباحی و غیر مصباحی جیسے غیر مناسب وبیجا ولغو انتشاروں کی آگ میں اہلسنت کو جھونکنے کی کوشش کرنا فکر وشعور سے دوری کی روشن دلیل ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب سے مولانا محمد مبارک حسین مصباحی نے ماہنامہ اشرفیہ کے بار ادارت کو سنبھالا ہے یہ مصباحی وغیر مصباحی کی تفریق زیادہ ہوگئی، ماہنامہ اشرفیہ میں ایسے قدیم علما جنہوں نے کبھی اپنے آگے مصباحی کا لفظ استعمال نہیں کیا نہ کرنے کو سونچا ان کے آگے بھی یہ لفظ جوڑا جانے لگا۔ شہر بہ شہر مصباحی برادران کے نام پر میٹنگ کا پروگرام طے ہونے لگا۔ اس سلسلے میں بنارس بھی مبارکپور سے خبر آئی مصباحی برادران کی میٹنگ رکھی جائے۔ کچھ احباب کی خواہش ہوئی کہ یہ میٹنگ آپ کی خانقاہ میں رکھی

جائے، میں نے کہا اس قسم کی تفریقی ولغویاتی میٹنگ اپنی خانقاہ میں رکھ کر میں اہل سنت میں انتشار واختلاف کی راہ کوفروغ دینا نہیں چاہتا۔ مصباحی برادران کیا چیز ہے احقاق حق وابطال باطل کے لئے اہل سنت کی اتحادی میٹنگ ہونی چاہئے اوراس کے لئے میری خانقاہ کا دروازہ ہمہ وقت کھلا ہے۔

آج کے پرفتن ماحول میں مسلک اعلیٰ حضرت اور عقائداہل سنت کو مجروح کرنے اور اسلاف کرام کے مسلمات ومقبولات کو پس پشت ڈالنے اوران کے فرمان و بیان سے اختلاف کرنے کی منظّم سازش چلائی جارہی ہے۔ اوراگرکوئی اعتراض کرتا ہے تو یہ نومولودعلماومدعیان فقہ وافتاء فوراًیہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا امام اعظم سے امام محمد و امام ابویوسف نے اختلاف نہیں کیا ہے؟ یہ نومولودحضرات امام محمد وامام ابو یوسف بننے کے مدعی ہوتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ یہ حضرات فقیہہ ومجتہداورعلم وفضل کے جبل شامخ تھے اور میں کہاں ہوں، شیخ الاسلام و المسلمین معجزۃ من معجزات سید المرسلین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل و جامع علوم وفنون دینیہ و دنیویہ کی شان جلالت میں بھی کچھ لوگ اپنے ناقص عروض وقوافی کے ذریعہ کلام شروع کردیا تھا، لیکن قربان جائے، حضرت مولانا محمد محبوب رضا صاحب رضوی روشن القادری پوکھرپروی، شیخ الحدیث دارالعلوم فیضان مفتی اعظم رضا جامع مسجد پھول گلی ممبئی و مفخر اکابر حجۃ اصاغر حضرت پروفیسر صابر سنبھلی کی ذات پر کہ انہوں نے ان مدعیوں کی ایسی خبر لی کہ ان کے ردیف وقافیہ، عروض وبحور مقابر میں ایسے مدفون ہوگئے کہ کوئی نوحہ کرنے والا بھی نظر نہیں آتا اور رسالہ جام نور کی زمیں تنگ ہوگئی، اوران شاء اللہ بہت جلد اس کا نام ونشان بھی مٹ جائے گا وہ محبوبین خدا کے عتاب میں ہے، جولوگ اس کوسہارا دے رہے ہیں ان کی مٹی پلید ہورہی ہے اور ہوتی رہے گی اعلیٰ حضرت کل بھی مہر درخشاں تھے، آج بھی ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔ آج بھی گلستان رضا میں ایسے ایسے شگفتہ و درخشندہ گلاب ولعل وگہر موجود ہیں جو ہر قسم کے خرافاتی مضامین وقلمکاری وگل کاری کا شکستہ ودرخشیدہ جواب دے سکتے ہیں، آج اہل سنت واکابراہل سنت کی عظمت و برتری کو مقدم رکھنے اور پامالی سے بچانے کے لئے منصف مزاج علمائے امت کوآگے آنے کی ضرورت ہے۔ علمائے اہلسنّت وخصوصاً حضور عزیز ملت مولانا الشاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ مدظلہ العالی کوخصوصی توجہ دینی ہے تاکہ اکابر کے نظریات و اصول پامال نہ ہوں اور ایسے اقدامات کوترجیح دی جائے جس سے حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ و الرضوان کی روح خوش ہو۔

اور میں توجہ دلانا چاہوں گا رضا اکیڈمی ممبئی کے ارباب حل وعقد کوکہ وہ بھی حالات و واقعات پہ نظر رکھیں تاکہ یہ واضح ہوسکے کہ آج کے دور کی یہ تعریف بمایشبہ الذم کرنے والے قلمکار وفنکار اینٹ وپتھر سے بھی تولنے کے قابل ہیں یا نہیں! رضا اکیڈمی ممبئی کے حوالے سے بھی کچھ باتیں سامنے آرہی ہیں اللہ الحاج سعید نوری صاحب کوسوچنے کی صحیح سمت عطا فرمائے اور تمام اہلسنّت کوعقل وبصیرت سے کام لینے کی توفیق عطا فرمائے، آمین،

❁ ❁ ❁

قیادت کا مستحق کون؟

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

ارباب فکر و دانش اس بات سے واقف ہیں کہ تاج الشریعہ سے حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری مدظلہ العالی کی ذات مراد لی جاتی ہے۔ ہندوستان و پاکستان اور دوسرے ملکوں میں بھی عوام وخواص کا یہی ذہنی تبادر ہے۔ تاج الشریعہ اور بھی دوسرے القاباب وخطابات سے یاد کیے جاتے ہیں، مثلاً تاج الاسلام، سندالمفتین، صدرالمحققین، فقیہ الاسلام، فقیہ اعظم، شیخ المحد ثین، مرجع العلماء والفضلا وغیرہ۔ ۲۰۰۵ء میں شرعی کونسل آف انڈیا میں تمام علماء کرام نے حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کو قاضی القضاۃ فی الہند کا منصب عطا کیا۔ جن علمائے کرام اور فضلائے عظام نے یہ خطاب اور منصب عطا کیا وہ اپنے اپنے علاقہ کے مرجع انام فی الفتاویٰ ہیں اور انھیں یہ خطاب ومنصب عطا کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، لہٰذا اسے کسی بھی صورت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہے اور جن کے دلوں میں نفرت، کدورت اور حسد کی آگ بھڑک رہی ہے تو ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ دن کے اجالوں، سورج کی کرنوں کا انکار بھی ان کے لئے کوئی حیرت انگیز نہیں، وہ تو اس بات کے عادی ہیں۔ البتہ سنجیدہ ذہن اور اصابت رائے رکھنے والے افراد سے ایسی امید نہیں کی جا سکتی ہے۔ یوں تو ہندوستان میں بہت سے مسالک اور مکاتب فکر ہیں لیکن کسی بھی مکتبہ فکر میں حضرت ازہری میاں قبلہ جیسی بصیرت اور فقہی معلومات رکھنے والی کوئی بھی شخصیت نہیں، خواہ وہ دیوبندی مکتبۂ فکر ہو یا وہابی، قادیانی مکتبہ فکر ہو یا ارباب تشیع، اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جو قاضی القضاۃ تاج الاسلام والشریعہ ہوتا ہے، قیادت انھیں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ ملی اور عائلی مسائل بھی وہی حل کرتے ہیں، سماجی کرب واضطراب کا علاج بھی انھیں کے ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ ملک کے کونے کونے سے سوالات آتے ہیں جو انفرادی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی، سماجی بھی ہوتے ہیں اور معاشرتی بھی، مذہبی بھی ہوتے ہیں اور اقتصادی بھی، سائنسی سوالات بھی آتے ہیں اور غیر سائنسی بھی...... ازہری میاں صاحب قبلہ یا دارالافتاء میں بیٹھنے والے مفتیان عظام

صدر مدرس شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

ان کے جوابات دیتے ہیں۔ کسی کالج یا اسکول اور یونیورسٹی میں چلے جائیے، ہر مضمون اور ہر فن کے الگ الگ ماسٹر پروفیسر ہوتے ہیں جو ماہر سماجیات، اقتصادیات اور ماہر سیاسیات کہے جاتے ہیں...... مگر یہ مفتیان کرام ہر فن میں درک رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جدید نظریات سے ان کا کوئی رابطہ نہیں ہوتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جدید نظریات ہی سب کچھ ہیں اور قدیم نظریات کی کوئی اہمیت و افادیت نہیں، ایسا خیال کرنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ انسان کی عملی زندگی میں انھیں قدیم نظریات کی بہاریں پائی جاتی ہیں۔ اس ہمہ گیر اور آفاقی قیادت کے باوجود دورِ حاضر کے افراد مسئلہ قیادت کو لے کر مایوسی اور یاسیت کے شکار ہیں جسے دیکھئے وہ قیادت کا رونا روتا ہے اور ہر کوئی یہی کہتا ہوا نظر آتا ہے ہمارا کوئی قائد نہیں، کوئی رہنما نہیں، ہم جائیں تو کدھر جائیں؟ اپنا دردِ دل سنائیں تو کسے سنائیں؟ کون ہے جو میرے زخموں کی ٹیس کا احساس کرے اور رستے ہوئے گھاؤ کا علاج کرے، مضطرب دلوں پر تسلی کا ہاتھ رکھے اور مرغ نیم بسمل کی مانند تڑپنے سے بچائے؟ ممکن ہے آپ کے دل کی آواز بھی یہی ہو۔ یہ حسرت و ناامیدی بھی بلا وجہ نہیں ہے چونکہ مسلمانوں کی ابتر اور خستہ حالات نے ہی مایوسی پیدا کر دی ہے اور سرد آہیں بھرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چند باتیں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں جن کے مطالعہ سے ممکن ہے کچھ اس میں سدھار پیدا ہو جائے۔

اولاً – ہمیں اپنی سوچ اور فکری روش کو بدلنا ہوگا کہ مایوسی ظلمت ہے، اندھیرا ہے، اور ہمت، جرأت، بلند حوصلہ اجالے ہیں۔ ہمیں تاریکیوں، سیاہ بدلیوں سے اپنی سوچ کو نکالنا ہوگا اور اجالوں میں لانا ہوگا۔ تاریخ بتاتی ہے جن قوموں نے اپنی عظمت رفتہ پر صرف آنسو بہانے کی روش اپنائی، وہ قومیں تباہ و برباد ہو گئیں اور زندگی سے ان کا نام و نشان مٹ گیا اور جن قوموں نے حوصلہ سے کام لیا، عزم و ارادہ میں پختگی پیدا کی، وہ زوال پذیر اور گرتی ہوئی تہذیبوں سے نکل گئیں اور پھر اجالوں میں اپنا آشیانہ بنا لیا کہ ہم اس مٹی سے تعلق رکھتے ہیں جو ذرا سی نمی سے ذرخیز ہو جاتی ہے اور پھر لالہ زار بن کر دعوتِ نظارا دیتی ہے۔

ثانیاً – ہماری قوم وملت کو اس بات پر دھیان دینا چاہیے کہ ہماری مایوسی اور حسرت و ناکامی کا سبب کیا ہے؟ وہ کیا عوامل ہیں جو ہمارے ارادوں میں تزلزل پیدا کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں تاریخ کے جھروکوں میں جھانکنا پڑے گا، ۱۸۵۷ء سے قبل کے حالات کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ عوام و خواص جب تک خانقاہوں، مدرسوں اور عالموں، فاضلوں کی قیادت سے منسلک تھے، تو ان میں حوصلوں کی کمی نہ تھی۔ ان کے حوصلے بلند اور ارادے پختہ تھے۔ ستاروں سے بھی آگے جانے کی امنگ ان کے دلوں میں تھی یہی وجہ ہے ہمارے اندر شجاعت، جرأت، حق گوئی، بیباکی اور دلیری کی خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ نہتے ہونے کے باوجود ہم انگریزوں کو روکے ہوئے تھے اور ان کے راستوں میں ناقابلِ تسخیر پل بن کر کھڑے تھے۔ مگر ۱۸۵۷ء کے بعد ایسے حالات بنے اور ایسی تحریکوں نے جنم لیا جس نے ہمیں علماء کی قیادت سے باہر کر دیا اور ہمارے ارادوں کو متزلزل کر دیا۔ کبھی ترقی روشن تہذیب کے نام پر اور کبھی اصلاح عقائد و کردار کے نام پر۔ حالانکہ اصل میں یہ اصلاح کوئی اصلاح

نہ تھی بلکہ اصلاح کے نام پر مسلمانوں کو دھوکہ دیا جا رہا تھا اور ان کے عشق ایمان کے خزانوں پر نقب زنی کی جا رہی تھی۔ اس سلسلہ میں سرسید کی تحریک اور دیوبندی و وہابی تحریکوں کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اس موقع کے لیے اقبال نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے۔

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی پر طائر دیں کر گیا پرواز

طائر دین کی پرواز میں دونوں قسم کی تحریکیں برابر کی شریک ہیں۔ سرسید نے ترقی کے نام پر زمین ہموار کی، صلاحیتوں کو بیدار کیا اور فرقۂ باطلہ کے افراد نے مایوسی کے بیج بو دیئے۔ یہ افراد تو مزے اڑا رہے ہیں، ناؤنوش میں مشغول ہیں اور ہماری ملت کے زیادہ تر افراد مایوسیوں میں گھر گئے۔ یہ وہ حقائق ہیں جو جھٹلائے نہیں جا سکتے ہیں۔

ثالثاً - صرف سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شخصیت تھی جو اپنی خداداد صلاحیت اور تجدیدی کارناموں سے علمائے دین کی قیادت بچانے میں لگے رہے۔ عوام کے ذہنوں پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اس کے ازالہ کی کوششیں کرتے رہے، زمانہ کے تقاضوں اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق کام کیا۔ جہاں اور جس مقام پر جیسی ضرورت پیش آئی امام احمد رضا نے خالصاً لوجہ اللہ اس کی ضرورتوں کو پورا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ مذہبیات، سماجیات، معاشیات، ریاضی، جغرافیہ، ہیئت و توقیت، نجوم طبیعات، عطریات، عنصریات، معدنیات، مدنیات جیسے اہم عنوانات پر ان کی تحریریں آج بھی پائی جاتی ہیں، جو چشم کشا ہونے کے ساتھ ساتھ عبرت آموز بھی ہیں۔ معاشیات کے تعلق سے ان کی جو تدبیریں ہیں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں......

(الف) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپئے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

(ب) بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

(ج) مسلمان اپنی قوم سے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(د) علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

یہ وہ تجاویز ہیں جو جدید معاشیات کی آئینہ دار ہیں۔ امام احمد رضا نے یہ تجاویز اس وقت پیش کی تھیں جبکہ جدید معاشیات نے ابھی لباس وجود بھی نہ پہنا تھا اور امام احمد رضا نے اسے بال و پر عطا کر دیئے۔ ان تجاویز کو ہم تدبیر فلاح ونجات و اصلاح کے نام سے جانتے ہیں۔ ان تجاویز میں کیسے کیسے اصول معاشیات در آئے ہیں اس کا اندازہ ارباب نظر ہی کر سکتے ہیں۔ ان تجاویز کی بنیاد پر انھیں اقتصادیات کا امام کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح دوسرے عصری علوم وفنون پر بھی آپ کو مہارت حاصل تھی۔ ان کی تعلیمات کے مطالعہ سے اس کا اندازہ کچھ زیادہ مشکل امر نہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی عالمی، آفاقی قیادت ہی تو تھی جس نے ہر موڑ پر مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور زندگی کے تمام شعبوں میں قیادت کا جلوہ دکھایا۔ انھیں کے تجدیدی کارناموں کی بدولت فرقۂ ناجیہ کی تمام تر رعنائیاں برقرار ہیں عشق و ایمان، جذبۂ اخلاص اور سوز و گداز کے پرکیف جذبوں سے ہماری

ملت آشنا رہی۔ اس کے باوجود آج قیادت کے نہ ہونے کا شکوہ کیا جا رہا ہے، یہ شکوہ بیجا ہے اور غیر سائنٹفک انداز فکر کا نتیجہ ہے۔ عوام کی سوچ بھی یہی ہے اور خواص کی بھی، ایک عام پڑھے لکھے انسان کی بھی، اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی بھی۔

رابعاً - حسرت و یاس اور نا امیدی کے دلدل سے نکلنے کے لیے ضروری ہے علمائے کرام اور مفتیان عظام کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے اور ان کی قیادت پر بھروسہ کیا جائے۔ انھیں قائد اور رہنما تصور کیا جائے مگر یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے نہ تو ان کی قیادت پر اعتماد کیا جا رہا ہے اور نہ ہی ان کے کردار و عمل پر اطمینان کیا جا رہا ہے صرف یہ معاملہ یہیں تک محدود نہیں بلکہ ان کے تعلق سے منفی جذبات اور غیر معیاری رجحانات رکھے جاتے ہیں۔ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس مرض میں مبتلا ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) موجودہ دور کے علمائے کرام کو، علمائے حیض و نفاس کہا گیا۔

(۲) تفقہ فی الدین سے صرف فہم دین مراد لے کر مدارس و جامعات کی تعلیمات سے انحراف اختیار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(۳) دینی علوم کو عصری علوم سے کم تر تصور کیا جا رہا ہے۔

(۴) موجودہ حکومت کے صدر وزیر اعظم سے واقفیت کو علم اور عدم واقفیت کو جہالت بتایا گیا۔

(۵) من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل کی غلط توضیح کر کے علمائے کرام کی توہین کی گئی۔

(۶) تحریروں کے ذریعہ، عالموں مفتیوں کو تنقید بیجا کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

(۷) متفقہ مسائل شریعت پر انگشت نمائی کی جا رہی ہے۔

(۸) ثائی اور غیر کفو سے نکاح کے معاملہ میں علمائے اہل سنت کے خلاف موقف اختیار کیا گیا۔

(۹) مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح پر علمائے کرام کو کیا کیا نہ کہا گیا۔

(۱۰) طلبہ کے ذہنوں میں مایوسیت بٹھائی جا رہی ہے۔

(۱۱) مدرسوں کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم نیز انتظامی معاملات سے انحراف پر اقدام کیا جا رہا ہے۔

(۱۲) مسلک اعلیٰ حضرت کو دعوت و تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ کا نام دیا گیا۔

(۱۳) اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند کی تحقیقات سے اختلاف کا ذہن دیا گیا۔

یہ وہ شقوق ہیں جن سے مسلمانوں میں پائی جانے والی یاسیت، قنوطیت کا کیا اندھیرا چھٹے، اس سے تو ظلمتیں شدید ہوتی ہیں، اور دن بدن گھنگھور گھٹائیں گہری ہوتی جا رہی ہیں۔ ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو اندھیروں سے باہر نکالا جائے، مگر انھیں اس سے نجات دلانے کے بجائے اور انھیں دلدل میں پھنسایا جا رہا ہے اور ان کے کرب و اضطراب میں مزید اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ کوئی مسئلہ کا حل نہیں بلکہ اس سے تو الجھنیں، دقتیں اور دشواریاں بڑھتی ہیں۔

خامساً - علمائے کرام کی قیادت پر گہری نظر ڈالنی چاہیے اور چشم کشا نظروں سے ان کی طرف دیکھنا چاہیے اور پھر سنجیدگی سے اس پر غور کرنا چاہیے۔ جب بھی قوم مسلم پر کوئی بات آئی، ہندوستان میں جب کبھی فتنہ کھڑا ہوا اور اسلام و مذہب کے خلاف کوئی نزاع اُٹھا، تو یہی علمائے کرام

تھے جنھوں نے سر پر کفن باندھ کر میدان میں آ کھڑے ہوئے اور پورے خلوص وللّٰہیت سے حکومت وقت کے سامنے اپنا موقف پیش کیا، احتجاج کیا اور مظاہرے کیے۔ شاہ بانو کیس کا معاملہ ہو یا بابری مسجد کا، نسبندی کا طوفان کس زور و شور کے ساتھ اٹھا تھا اور پورے ہندوستان میں ہر طرف کہرام مچا دیا تھا۔ ہندوستان کا ہر ایک فرد پریشان تھا، ہندو بھی کرب و اضطراب میں مبتلا تھے اور مسلمان بھی، دوسری قوموں کا بھی برا حال تھا، سبھی لوگ سہمے سہمے نظر آ رہے تھے، کسی کے چہرہ پر نہ خوشیاں تھیں اور نہ ہی شگفتگی تھی، ہندوستان کا ہر دانشور طبقہ جن کو قیادت کا دعویٰ تھا وہ بھی بغلیں جھانک رہے تھے اور مہر بہ لب تھے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں اس وقت قیادت کس نے کی؟ اور وہ آواز کس کی تھی؟ جس نے ایوان حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ صرف اور صرف میرے سرکار مفتی اعظم کی آواز تھی اور نسبندی کا فتویٰ حضور تاج الشریعہ نے رقم فرمایا تھا۔ حکومت کی طرف سے دباؤ بنایا گیا کہ فتویٰ واپس لے لیا جائے، مگر واپس نہ لیا گیا۔ یہ زیادہ دنوں کی بات نہیں آج بھی اس کی یادیں تازہ ہیں، جو مردہ ضمیروں کو جھنجھوڑ رہی ہیں۔ جو لوگ آج قیادت کے کھو جانے کی بات کرتے ہیں انھیں یہ بات اپنی زبان سے نکالنے سے پہلے خود اپنی بھولی بسری یادوں میں کھو جانا چاہیے۔ قیادت کے فقدان پر اشک شوئی کرنے والے، تھوڑی توجہ سے کام لیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور مکمل دین ہے اگر اس میں قائد و رہنما نہ ہوں تو پھر تکمیل دین کا کیا مطلب؟ کم از کم مسلمانوں کو تو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے؟

اصل وجہ

ہماری پریشانی کی اصل وجہ قیادت کا نہ ہونا نہیں، قیادت تو ہے اور قیامت تک رہے گی اور ہر دور میں پائی جائے گی۔ سچ پوچھیے تو پریشانی کی اصل وجہ علماء کی قیادت سے انحراف اختیار کرنا ہے اور اس پر اعتماد نہ کرنا ہے۔ جس کے پاس قرآن و احادیث ہوں، مسائل و جزئیات پر مشتمل فقہی متون و شروح ہوں اور پھر وہ ایسی باتیں کریں، کچھ زیب نہیں دیتا ہے۔ بزرگوں کی مدون سیرتیں ہیں، ان کی تعلیمات و ارشادات ہیں اور پھر یہ رونا کہ ہمارا کوئی قائد نہیں، کوئی رہنما نہیں، بڑی حیرت کی بات ہے۔ اس طرح کی باتیں کرنے والے دو طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔

اول - یہ کہ انھیں قیادت کے مسئلہ کی پوری جانکاری نہیں، قیادت عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی رہنمائی اور رہنمائی کرنا ہے۔ یہ قیادت مطلقہ ہے اور جب بھی قیادت مطلقہ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے قیادت کاملہ مراد لی جاتی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کون سی قیادت، قیادتِ کاملہ ہے؟ اور کون سی قیادت کاملہ نہیں ہے۔ کسی بھی سنجیدہ ذہن رکھنے والے سے پوچھیے تو وہ یہی بتائے گا کہ قیادت کاملہ اگر کوئی قیادت ہے تو وہ دینی اور مذہبی قیادت ہے کہ اس قیادت کے تعلق سے آیا ہے۔ میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔ تو کیا دین کی تکمیل قیادت کی تکمیل کا تقاضا نہیں کرتی؟ ہاں کرتی ہے اور ضرور کرتی ہے تو پھر قیادت کے فقدان کا مسئلہ کہاں سے آ گیا؟ اس لیے میں کہتا ہوں ایسے افراد جو

قیادت کے فقدان پر آنسو بہاتے ہیں انھیں اپنی سوچ کا علاج کرنا چاہیے اور اپنی فکری صلاحیتوں میں انقلاب لانا چاہیے کہ فکری صلاحیتوں میں انجمادی کیفیت سے ہی مایوسی آتی ہے اور پھر زبان سے بھی ایسی باتوں کا غیر شعوری طور پر اظہار ہونے لگتا ہے جو حسرت و یاس اور ناامیدی کا آئینہ دار ہوتی ہیں۔ میری ان باتوں سے جدت پسند افراد کو حیرت بھی ہوگی۔ چند لمحوں تک وہ کسی بھی کیفیت سے دو چار ہو جائیں مگر حقیقت یہی ہے جسے میں نے واضح کر دیا۔

دوم - دورِ حاضر کے جدید دانشوروں، مفکروں، مدبروں نے غیر معیاری قیادت کو معیاری تصور کر لیا اور اس پر یقین کر بیٹھے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس قیادت کا وجود ہی دوسروں کے سہارے ہو، اس سے ملت میں تزلزل پیدا نہیں ہوگا، تو پھر کیا ہوگا؟ سماجی، معاشی، معاشرتی اور اقتصادی قیادتیں، کیا معیاری اور کامل ہیں، نہیں بلکہ ان قیادتوں میں آئے دن تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ ہاں ان میں سے جو قیادت بھی، دینی قیادت کے زیر اثر پرورش پاتی ہے اس میں ضرور خوبیاں پائی جاتی ہیں اگر ان قیادتوں کے فقدان کی بات کی جائے تو اس میں سچائی کی تھوڑی سی جھلک ضرور پائی جاتی ہے کہ یہ قیادتیں اپنی ذمہ داریوں کو نہیں نبھا رہی ہیں اور نہ ہی عوام و خواص کو مستفید کر پا رہی ہیں۔ تو اس کی وجہ صرف دینی قیادت سے انحراف ہے، اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں۔

اخوت، محبت، رواداری، اخلاص، امداد باہمی قطعی نہیں پائی جاتی ہے۔ کون بیمار ہے، پریشان حال اور غمزدہ ہے ہمیں واقفیت نہیں۔ کون بھوکا ہے؟ اور کون پیاسا ہے؟ اس کی بھی خبر نہیں۔ مضطرب دلوں پر کوئی بھی شفقت کا ہاتھ رکھنے والا نہیں۔ کرب و اضطراب کی روداد اور غموں کی داستانیں سنائیں تو کسے سنائیں۔ کوئی ایسا ہمدرد و مونس اور غم خوار نظر نہیں آتا۔ آخر کیوں؟ تعلیم بھی ہے، لیاقت و صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔ علما بھی موجود ہیں، دین کی باتیں بھی بتانے والے ہیں، سماجی مسائل کے حل کی صلاحیت بھی موجود ہے مگر سماج کا کوئی فرد بھی اس کی طرف دھیان نہیں دیتا۔ مولویوں کی طرف کوئی رخ نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ فرد میں سماجی تشکیل کی جو صلاحیت پائی جاتی ہے وہ خشک ہوتی جا رہی ہے، اسی لیے تو سماجی قیادت کا وجود نہیں اور نہ ہی سماجی افراد میں اس کی چاہت اور تمنا ہے۔ سائنسی ایجادات و اختراعات میں انہماک شدید کے باعث لوگ اپنی تاباں زندگی میں مست ہیں۔ غریبوں، مظلوموں اور غمزدہ لوگوں کی طرف انھیں دیکھنے کی فرصت ہی نہیں۔ جس طرح تیز روشنیوں میں دیکھنے والی نگاہیں، چراغوں کی روشنیوں میں اندھی ہو جاتی ہیں یہی کچھ صورت حال تاباں زندگی کے خوگر انسانوں کی ہوتی ہے۔ تو بتایئے سماجی قیادت کہاں سے پیدا ہوگی؟ آسماں سے یا زمیں سے یا پھر ہمیں لوگوں سے؟ اس پر غور کیجیے اور بتایئے۔

سماجی مسائل

ہمارا سماج بگڑا ہوا سماج ہے۔ اس کے افراد میں

اقتصادی حالات

سماج و معاشرہ کا ہر ایک فرد جانتا ہے کہ ہندوستان ہی

نہیں زیادہ تر ملکوں میں بھی مسلمانوں کے اقتصادی حالات بہتر نہیں اور ہم معاشی مسائل میں اس طرح الجھ پڑے ہیں کہ ہمارے بہت سے بھائی نان شبینہ کے محتاج ہو چکے ہیں ان کا کوئی کاروبار نہیں، تجارت نہیں اور غریبی سے بہت زیادہ نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت کی جو پالیسی ہے اس سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ملتا کیونکہ قرض کی اسکیم سے وہ لوگ فائدہ اٹھالیتے ہیں جو اس کے مستحق نہیں اور جو اس کے مستحق ہیں وہ ہاتھ ملتے ہوئے تاروں کو گننے لگتے ہیں۔ اس طرح سے دولت مند زیادہ مالدار ہو رہے ہیں اور افلاس زدہ اور بھی زیادہ معیار سے گرتے جا رہے ہیں۔ غریبی ہٹاؤ کا نعرہ تو سب ہی پارٹیاں لگاتی ہیں مگر دور کوئی بھی نہیں کر پاتی، سب کو آزما کر دیکھ لیا۔ اس لیے تمام ہندوستانیوں اور خاص طور سے مسلمانوں کو چاہیے کہ غریبی اور افلاس کو دور کرنے کی صلاحیت خود میں پیدا کریں۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس سلسلے میں بنام تدبیر فلاح و نجات جو فارمولے پیش کیے ہیں انھیں پر عمل کیا جائے۔ اس سے ہمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر بھی فائدہ ہوگا۔ دینی قیادت سے الگ تھلگ رہنے کی بدولت آج ہماری جو حالت ہے قابل رحم بھی ہے اور لائق ترس بھی۔ اعلیٰ حضرت نے ملت اسلامیہ کے لیے فلاح و نجات کے جو خطوط متعین کیے ہیں انہیں خطوط پر عمل کرنے سے ملت اسلامیہ کی کشتی بھنور سے نکل سکتی ہے۔ جوں جوں زمانہ آگے کی سمت بڑھ رہا ہے اعلیٰ حضرت کے متعین کردہ خطوط کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔

سیاسی عمل

سیاست جو کسی دور میں حکمت عملی اور تدبیر حسنہ کا نام تھا لیکن آج سیاست سے دھوکہ، فریب اور جذبۂ انتقام مراد لیا جا رہا ہے۔ اس لیے سیاسی چالبازیاں مشہور ہیں۔ سیاسی قائدین کو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا چاہیے، مگر آج سیاست کے نام پر کیا ہو رہا ہے؟ ہم آپ سبھی لوگ جانتے ہیں۔ صحیح معنوں میں پوچھئے تو سیاست کے میدان میں اترنے والے قائد و رہنما نہیں ہو سکتے۔ سیاست کے ساتھ قیادت کا جوڑنا ایسا ہی ہے جیسے فرش مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا۔ اس کے باوجود تمام افراد سیاست کے شاطر کھلاڑیوں پر مرے جا رہے ہیں۔ اگر ایم. ایل. اے، ایم. پی یا کوئی وزیر جھوٹی محبت سے کسی کی طرف دیکھ لیتا ہے تو وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ بس اب ہماری معراج ہو گئی ہے، سیاسی قیادت میں گھن لگ چکا ہے، اس کی رونقیں ختم ہو چکی ہیں، اس قیادت کا جو مستحق تھا انھیں ملی نہیں اور نا اہلوں نے اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو مسلم ایم. پی، ایم. ایل. اے وِدھان سبھا اور لوک سبھا میں ہیں انھیں کیا کہا جائے، مسلم مفاد کی وہ کوئی بات نہیں کرتے۔ کاش اگر ان کے دلوں میں قیادت کی عزت ہوتی اور دل و جان اس پر نچھاور کرتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ دینی، مذہبی قیادت وہ قیادت ہوتی ہے جو کرب و اضطراب کی تمازت سے پریشان حال افراد کو ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں عطا کرتی ہے اور اسے اخلاص کی لوریوں سے نوازتی ہے مگر دورِ حاضر کے منحرف لیڈروں، قائدوں کی سمجھ میں یہ بات

نہیں آتی اور شب و روز دینی قیادت اور دوسری قیادتوں کے بیچ کی خلیج وسیع و کشادہ ہی ہوتی جارہی ہے۔ آئے دن فاصلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے، جو نہیں بڑھنا چاہیے۔ جب تک ان قیادتوں کی تقسیم نہ ہوئی تھی، مسلمانوں کا بول بالا تھا۔ ہر طرف انھیں کے چرچے تھے، انھیں کی داستانیں تھیں، لہٰذا یہ بات سمجھ لینی چاہیے اور سب کو دینی قیادت کے قریب آنا چاہیے۔ شاید اقبال نے بھی اپنے شعر میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

صحافتی میدان

صحافت نہایت ہی صاف ستھرا اور پاکیزہ شغل ہے بشرطیکہ صحافت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس کی دیانت داری اور اظہار حق و صداقت کو برقرار رکھیں لیکن تجربہ یہ ہے کہ میڈیا والوں کو جہاں کہیں بھی اسلام پر انگشت نمائی کا موقعہ ملتا ہے چوکتے نہیں اور نہ ہی ان کی نگاہیں خطا کرتی ہیں۔ ہمارے کچھ نوجوانوں نے صحافت میں قدم رکھا اور مذہبی صحافت کی شروعات کی۔ اس کے تعلق سے مختلف رسالے، ماہنامے اور ڈائجسٹ شائع ہو رہے ہیں۔ انھیں ماہناموں میں جامِ نور بھی ہے۔ مذہبی صحافت کے پلیٹ فارم سے یہ شائع ضرور ہوتا ہے مگر اس نے بھی مسلمانوں کی پستی، پس ماندگی کے صحیح اسباب و علل کی وضاحت نہ کی اور عام صحافیوں کی طرح اس نے بھی مخالف روش اختیار کی، اس سے ملت کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچا۔ علماء کی بے قدری کا ذمہ دار بھی جامِ نور ہے۔ جسے چاہتا ہے اپنی بیجا تنقید کا نشانہ بنا لیتا ہے۔ اس کا قلم بے لگام گھوڑوں کی مانند رواں دواں ہے۔ مدرسوں، مکتبوں کی مخالفت میں تو اس جامِ نور نے حد ہی کر دی۔ عصری علوم کو وہ زیادہ اہمیت دیتا ہے اور دینی علوم کو نہیں۔ مسلمانوں کی پستی، ذلت و خواری کے کیا اسباب ہیں؟ ان کی وضاحت جامِ نور دہلی نے کبھی نہ کی۔ ناخواندگی، خستہ حالی، معاشی ابتری تو اس کے عام اسباب میں سے ہیں۔ مگر اس کا اصل سبب کیا ہے؟ اس کے تعلق سے صرف یہی کہا جا سکتا ہے یا تو وہ جانتا نہیں، اور اگر جانتا ہے تو اس سے چشم پوشی کی وجہ کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں اس وجہ کو واضح کرنا اس کی پالیسی کے خلاف ہو۔ بہر حال وجہ کوئی بھی ہو، چشم پوشی سے تو کام لیا گیا، جو صحافت کے رخِ زیبا پر بدنما داغ ہے۔ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

دینی قیادت اور ضرورت شدیدہ

سماج و معاشرہ میں مسئلہ، قیادت پر پائی جانے والی بے چینی، بے اطمینانی، درد و کرب اور اضطرابی کیفیت کے پیش نظر اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ یہ سادہ لوح مسلمان کہاں جائیں اور کس سے پناہ مانگیں، در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے زمانے گزر گئے، عرصے بیت گئے، مگر حاصل کچھ بھی نہ ہوا بلکہ ہاتھوں میں کٹورے آگئے۔ لہٰذا دینی قیادت کا ہی سہارا لیا جائے اور اس کے سہارے زندگی کے بقیہ ایام گزارے جائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دنیا بھی سنوار دے گا اور دین بھی۔ دینی قیادت کی تلاش میں کہیں جانے کی ضرورت نہیں، ہر شہر ہر قصبہ میں اس کی

برانچیں ہیں۔ علماء کرام اور مفتیان عظام پائے جاتے ہیں انھیں کو ساتھ لیجیے اور تعمیری کاموں کے لیے لائحہ عمل مرتب کر لیجیے۔ ان علماء کی طرف آپ اپنی دلچسپی سے قدم بڑھائیں تو سبھی مسائل خود بخود حل ہوتے جائیں گے اور آفتیں بھی دور ہوتی جائیں گی۔ دینی مرکزی قیادت اس وقت حضرت علامہ تاج الشریعہ مولانا محمد اختر رضا خاں ازہری کے دست مبارک میں ہے۔ مرکزی قیادت کی ساری رعنائیاں ان کی شخصیت میں پائی جاتی ہیں اسی لیے تو انھیں قاضی القضاۃ فی الہند کہا گیا۔

قائد کیسا ہو

قائد کیسا ہو؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ اس سوال کو حل کرنا ضروری ہے اور حل نہ کرنے کی صورت میں آپ اندھیرے میں پڑے رہیں گے۔ میں آپ کو اندھیروں میں رکھنا نہیں چاہتا، اجالوں میں لانا چاہتا ہوں، ذیل میں جو باتیں پیش کی جا رہی ہیں ان پر دھیان مرکوز کریں۔ اگر یہ باتیں دل کو بھا جائیں، تو انھیں آپ مان لیں اور دوسروں کو بھی تلقین کریں کہ وہ بھی اس نظریہ کی تائید کریں:

(الف) مسلمانوں کا قائد ایسا ہو جو ہر دلعزیز ہو اور ان کی مقبولیت پورے ہندوستان ہی نہیں دوسرے ملکوں میں بھی پائی جائے کیونکہ یہ علاقائی یا صوبائی قیادت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ انڈیا لیبل کا مسئلہ ہے، اس اعتبار سے ہندوستان میں تو ان کی مقبولیت ہونی ہی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے ملکوں میں بھی ان کی مقبولیت ہو تا کہ بین الاقوامی سطح پر کچھ اچھے اور مثبت اثرات نمایاں ہوں۔ یوں تو ہندوستان میں بہت سے علمائے کرام ہیں، مفتیان عظام اور خانقاہوں کے سجادہ نشین بھی ہیں لیکن جو مقبولیت حضرت قبلہ ازہری میاں صاحب کو حاصل ہے وہ کسی کے حصہ میں نہیں آئی ہے۔ ہندوستان کے جس علاقہ میں آپ کا سفر ہوتا ہے چاہنے والے ٹوٹ پڑتے ہیں اور ان کے دیدار کے لیے سفر کی صعوبتوں کو بھی برداشت کر لیتے ہیں اور زبان سے ''ہوں'' بھی نہیں نکلتا ہے۔ ہندوستان ہی کی مانند ان کی مقبولیت پاکستان اور ایشیا کے دوسرے ملکوں میں بھی پائی جاتی ہے، مصر کی سرزمین پر بھی ان کی مقبولیت کا یہی عالم ہے۔ سعودی، نجدی حکومت نے انھیں گرفتار کیا، ہندوستان سے اور بھی علمائے کرام جاتے ہیں انھیں ٹچ نہیں کیا، قبلہ ازہری میاں کو کیوں ٹچ کیا۔ جیل کی سلاخوں میں انھیں کو کیوں بند کیا؟ اسی لیے رکھا کہ نجدی حکومت صرف انھیں کو قائد تسلیم کرتی ہے اوروں کو نہیں۔ اسی لیے انھیں پابہ زنجیر نہیں کیا گیا۔ اس لیے میرا ماننا ہے کہ قیادت کی باگ ڈور صرف انھیں کو حاصل ہے۔ بقیہ جتنے اور بھی قائدین ہیں ان کی حیثیت ماتحت قائدین کی ہے۔ اسی لیے علمائے اہل سنت نے انھیں قاضی القضاۃ کے لقب سے ملقب کیا۔

(ب) ہمارا قائد ایسا ہو جو عزم و ارادہ کا پکا اور پختہ ہو، فولادی صلاحیتوں کا مالک ہو، حق گوئی اور بے باکی کا جذبہ ان کے دلوں میں پایا جائے تا کہ مردِ ظالم کے روبرو بھی وہ اعلان حق کر سکے اور نیچی نگاہیں کر کے

باتیں نہ کرے۔ حضرت تاج الشریعہ اس معیار پر کھرے نظر آتے ہیں نسبندی کے دور میں بہت سے اہل قلم اور جبہ و دستار والے دفاعی صورت میں تھے اور قاری طیب نے تو سنجے گاندھی کے سامنے ہتھیار ڈال ہی دیا تھا مگر تاج الشریعہ نے اپنے قلم سے جو لکھ دیا اس پر اٹل رہے اور اعلان حق کو اپنا شیوہ بنائے رکھا۔ نجدی حکومت کے سامنے بھی اپنے موقف پر جمے رہے۔ اسی شجاعت و بہادری، دلیری اور حق گوئی کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ ازہری میاں ہی قائد بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں ترجیحی بنیاد پر ہم تمام اہل سنت کو انھیں کی قیادت پر اتفاق ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ کچھ سر پھرے نوجوان اگر اس پر لب کشائی کرتے ہیں تو انھیں معذور تصور کیا جائے کہ وہ اس بارے میں رائے دہی کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔

(ج) قائد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی فکر بلند ہو اور سوچ میں لطافت ہو، علم و شعور میں درک تام رکھتا ہو، کیونکہ قائد ہونے کی حیثیت سے انھیں موقف کے اختیار کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے میں دیکھتا ہوں ہندوستان کا کوئی بھی عالم ان سے اعلیٰ نہیں ہے اور نہ ہی فکر و فن میں بالا نظر آتا ہے۔ فقہی بصیرت، تنقیدی صلاحیت، مثبت نظریوں کی تشکیل میں انھیں کمال حاصل ہے، ٹی۔وی کے مسئلہ پر انھوں نے فکر و فن کے جو مظاہرے کیے ہیں ان سے ان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور مہارت تامہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی فکر میں بھی رعنائی ہے اور شعور میں بھی، انجلائی کیفیت پائی جاتی ہے۔ علم و تدبر تو ماشاء اللہ دنیا کچھ کہے مگر اپنے موقف پر جمے ہوئے ہیں۔ اس طرح سے انھوں نے اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھا ہے اور آئندہ بھی رکھیں گے۔ لہٰذا قیادت کا استحقاق صرف انھیں کو حاصل ہے۔

(د) ہمارا قائد ایسا ہو جو روایتوں کا امین اور تہذیبوں کا پاس دار ہو، اور اس کی نگہداشت میں کسی بھی زاویہ سے کوتاہی عمل کا اس میں دخل نہ ہو، حالات کیسے بھی بنیں، تہذیب و روایات میں تبدیلی تغیر سے راضی نہ ہو، جو ہر لمحہ روایتوں میں بدلاؤ لا دے اور ہواؤں کا رخ دیکھ کر اپنے موقف میں تبدیلی لائے اور نظریوں کو بدل دے ایسوں کے ہاتھوں میں قیادت ایک قسم کا کھلونا بن کر رہ جائے گی وہ کسی کی رہنمائی کیا کر پائیں گے؟ حضرت تاج الشریعہ کی یہ شان زیبائی ہے کہ وہ جب اپنا کوئی موقف اختیار کر لیتے ہیں تو اس پر سختی سے عمل کرتے ہیں اور اپنے بزرگوں کی روایتوں کا ادب و احترام کرتے ہیں اور یہی ان کے خاندان کی ریت رہی ہے۔ ٹائی کا مسئلہ ہو یا ٹی۔وی کا، تصویروں کے دیکھنے کا مسئلہ ہو یا نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا، اب تک حضرت والا اپنے موقف پر قائم ہیں، جبکہ بہت سے لوگوں نے اپنا رخ کسی اور جانب موڑ دیا ہے۔ اہل زمانہ کے مزاج اور ان کی نفسیات کا علم رکھنا ضروری ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ موقف میں تغیرات لائے جائیں، یہ تو منھ دیکھی بات ہو جائے گی۔ حالات اور ضرورت شدیدہ سے اس کا کوئی

تعلق نہیں، اس امتیازی خصوصیت وکمال کے پیش نظر برائے قیادت انھیں کی ذات کا انتخاب عمل میں آتا ہے اور وہ کرلیا گیا۔

یہ چند باتیں تھیں جو حقائق پر مبنی تھیں آپ کے روبرو پیش کردی گئیں، اس پر غور کریں اور کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں تاکہ قیادت کا مسئلہ یقینی طور پر حل ہو جائے اور قوم ملت میں پائی جانے والی پریشانیوں کا ازالہ کیا جا سکے۔ بہرحال اس طویل گفتگو سے یہ ثابت ہوتا ہے دورِ حاضر میں بھی دوسرے ادوار کی مانند قیادت کا فقدان نہیں۔ قیادت کی کسی خاص نوعیت کے ساتھ پریشانی کا لاحق ہونا یا پھر اس کا فقدان اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ اب قیادت مطلق/کاملہ نہیں رہی کہ خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں۔ تو پھر قیادت کے فقدان کو اس قدر بڑھاوا کیوں دیا جا رہا ہے؟ یہ پریشانی تو صرف اس وجہ سے لاحق ہے کہ ہماری خاص قیادت کا قیادت کاملہ سے رشتہ برقرار رہا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ دورِ حاضر میں صرف حضرت تاج الشریعہ کی ایسی ذات ہے جن پر قیادت کی قبائے رنگیں زیب دیتی ہے۔ بہ اعتبار اور ہر زاویہ فکر سے صرف انھیں کی ذات وشخصیت کو ترجیح حاصل ہے علم وشعور، فکر وفن، تقویٰ وطہارت، نفاست وپاکیزگی، جرأت وبیباکی، شجاعت ودلیری، استقامت فی الدین، تصلب، تفقہ، تدبر، جذبہ اخلاص، عمل خیر کا ذوق وشعور، زندگی کے تمام پہلوؤں پر کامل عبور، عصری علوم وفنون سے واقفیت، زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات پر کڑی نظر اور عوام کی نفسیات سے واقفیت، یہی وہ اوصاف وکمالات ہیں جو تاج الشریعہ کی شخصیت کو قیادت کے لیے پیش کرتے ہیں۔

سماج ومعاشرہ کے ہر ایک طبقہ سے صرف یہی آواز بلند ہوتی ہے، ہمارا کوئی قائد نہیں، کوئی رہنما نہیں، میں ان کی اس آواز سے اتفاق نہیں کرتا کہ قیادت کے فقدان کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہاں مسئلہ اگر کوئی ہے تو صرف قیادت کاملہ، مطلقہ سے انحراف کا مسئلہ ہے ...... کہ یہ انحراف نفرت وعادت کے خلاف ہے اور انسانی نفسیات بھی ان سے اتفاق نہیں کرتی ہے کہ جس طرح نظام کائنات میں ظلمت بھی ہوتی ہے اور اجالے بھی، تاریکی بھی ہوتی ہے اور روشنیاں بھی، اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی، اسی طرح کوئی قائد بھی ہوگا اور اس کے اشارۂ ابرو پر چلنے والے افراد بھی ہوں گے۔ صرف اندھیروں یا اجالوں کا ہونا اور صرف رہنماؤں کا ہونا اور صرف رہنماؤں کا نہ ہونا فطری نظام کائنات کے خلاف ہے۔ تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا کوئی قائد نہیں، رہنما نہیں، یہ خام خیالی کسی بھی انسان اور گروپ کی ہو، انھیں سب سے پہلے، اس خام خیال کو دور کرنا چاہیے، اس کے کیا اسباب وعلل ہیں ان کی بھی تلاش کرنی چاہیے اور تمام دوسری قیادتوں پر صرف اور صرف دینی قیادت کو ترجیح دینی چاہیے۔ اس عقیدہ ویقین کے ساتھ کہ دینی قیادت ہی زندگی، سماج اور معاشرہ کے تمام مسائل کا حل کرتی ہے اور انسان کی سماجی، معاشی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ یہ کوئی انصاف ہے؟ صاف شفاف آبشاروں کو چھوڑ کر کسی گندے نالے کا پانی پیا جائے اور اس سے اپنی تشنہ لبی دُور کی جائے، یہ انصاف نہیں، دیانت نہیں بلکہ انصاف ودیانت کے نام پر بٹّہ لگانا ہے۔ عوام وخواص کو اب ہوش میں آ جانا چاہیے اور دینی قیادت کی طرف تدریجاً قدم

بڑھانا چاہیے۔ تدریج کی قید اس لیے لگائی گئی تاکہ اس قیادت کاملہ سے نکلنے والی شعاعیں قلب و دماغ کے تمام گوشوں کو منور و مجلّہ کر دیں اور اس کی زمین میں تارے اُگا دیں۔ جب دلوں میں یہ جذبہ بیدار ہوگا تو آپ خود ہی محسوس کر لیں گے کہ ہمارا قائد کون ہوسکتا ہے؟ اور ہماری رہنمائی کون کرسکتا ہے؟ کس میں اتنی صلاحیت ولیاقت ہے جو قیادت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برہو سکے اور قوم وملت کی فلاح و بہبودی کے لیے کچھ کام کر سکے۔ آپ نے سب کو دیکھ لیا، آزما لیا اور تجربہ بھی کر لیا۔ ایک بار تو کم از کم علماء کرام کو اپنایئے اور ان سے اپنا رشتہ مستحکم کیجیے۔ اگر یہ علماء آپ کو فائدہ نہ دے سکیں گے تو ان سے کوئی اذیت بھی نہ ملے گی کہ یہ سادہ لوح افراد ہیں جو دلوں میں دینی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ میرے ضمیر کا فیصلہ ہے کہ حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ ہی قائد و رہنما بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا انھیں اپنا قائد بنایا جائے اور دینی قیادت کی چھتر چھایا میں دینی اور عصری علوم کے فروغ وارتقاء کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جائے جن سے بچوں کا مستقبل سنور سکے اور نونہالوں کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ بہتر سے بہتر انداز میں شروع ہو سکے۔

یہ مضمون ایک قسم کا صاف شفاف آئینہ ہے جو پیش کر دیا گیا ہے، اسے پڑھیے اور درج ذیل سوالوں کے جوابات تلاش کیجیے:

(۱) مسلمانوں کے زوال وپستی کے اسباب کیا ہیں؟
(۲) حسرت ویاس کے وجوہات بتایئے؟
(۳) دینی قیادت کیا ہے؟ اور اس کی وسعتوں کو بتایئے۔
(۴) کیا دینی قیادت سے مسلمانوں کی پستی دور ہوسکتی ہے؟
(۵) آپ کی نگاہ میں سب سے بڑا ہندوستان میں قائد کون ہے؟
(۶) قائد کے اوصاف وکمالات کی وضاحت کریں۔

❁❁❁

اعزاز ہو مبارک

”جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں“

مولانا انیس عالم سیوانی

آبروئے اسلام وسنت، نازش خانوادۂ اعلیٰ حضرت، شیخ طریقت، تاج شریعت فقیہ اسلام، جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی قاری محمد اختر رضا خاں ازہری مدظلہ النورانی کی خدمت میں۔ عالم اسلام و دنیائے عرب کی مشہور و معروف اسلامی یونیوسٹی جامعہ ازہر مصر کی جانب سے ایوارڈ پیش کیا گیا۔ اپنی معلومات کی حد تک میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستانی علما اور مشائخ میں تاج الشریعہ کی واحد ذات ہے جسے اس اعزاز و انعام سے نوازا گیا ہے۔ آپ کے علاوہ بہت سارے لوگوں نے جامعہ ازہر سے فراغت حاصل کی ہے۔ مگر اس اعزاز کا مستحق صرف تاج الشریعہ کی ذات ٹھہری۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تاج الشریعہ کا پایۂ علمی اس اعزاز سے بہت بلند ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو رتبۂ بلند آپ کو عطا کیا ہے وہ آدمی اپنی کوششوں سے نہیں حاصل کرسکتا یہ فقط فضل الٰہی اور عطائے خاص ہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی نے فرمایا تھا۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اعلیٰ حضرت کا یہ مقطع جہاں ان کی ذات پر صادق آتا ہے وہیں اس شعر کے آخری مصرعہ کے مصداق نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضور تاج الشریعہ کی شخصیت بھی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علوم وفنون کا اس دور میں کما حقہ وارث و امین صرف تاج الشریعہ کی ذات ہے۔ تاج الشریعہ علم وعمل اور تصلب فی الدین میں امام احمد رضا کے حقیقی جانشین ہیں۔ آپ کی مثال پوری جماعت پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ظاہر و باطن کو اتنا حسین وجمیل اور پرنور بنایا ہے کہ خلق خدا آپ کی طرف دیوانہ وار متوجہ ہوتی ہے۔ آپ کی شخصیت اسم بامسمیٰ ہے۔ بلاشبہ آپ اپنی ذات اور کمالات میں اختر ہیں۔ بلکہ یوں کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ تاج الشریعہ کی ذات میں نہ معلوم کتنے مہہ واختر پوشیدہ ہیں۔ خانوادۂ رضا کا اختر نہ کبھی بدلیوں میں چھپتا ہے نہ اس پر کبھی گہن کا سایہ پڑتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی ذات میں اتنا حسین اور اپنے مواہب و کمالات میں اتنا عظیم ہے کہ جو اس کا قرب پاتا ہے خود عظیم ہو جاتا ہے۔ وہ آفتاب علم وحکمت اور ماہتاب شریعت و طریقت ہیں۔ عظمتیں، رفعتیں، بلندیاں اس شخصیت کے قدموں پہ نثار ہیں، وہ جدھر گیا زمانہ اس کا ہوگیا، مکہ مکرمہ گیا۔ عراق گیا، شام گیا، مصر گیا ہر جگہ عظمتوں کا اعتراف کیا گیا اور نسبت رضوی پہ فخر کیا گیا۔ تقریباً ۴۳ رسالوں کے بعد پہلی بار مصر کی سرزمین پر آپ

نے قدم رکھا، جس والہانہ انداز میں علمائے مصر نے آپ کا استقبال کیا یقیناً یہ حضور تاج الشریعہ ہی کا حصہ ہے۔ علما اور مشائخ مصر جن کی علمی عظمت و جلال کے آگے علما کی گردنیں جھکتی ہیں انہوں نے تاج الشریعہ کی خدمت میں ایوارڈ پیش کر کے یہ بتا دیا کہ تاج الشریعہ کی شخصیت فقط خانوادۂ اعلیٰ حضرت اور ہندوستان ہی میں اہمیت کی حامل نہیں ہے بلکہ ان کی ذات ایک جامع الصفات، عبقری الشان اور عالمگیر حیثیت کی حامل ہے۔ ویسے تو ہندو پاک میں خانوادۂ اعلیٰ حضرت کو جو مقبولیت و شہرت حاصل ہے وہ کسی دوسرے خانوادے کو نہیں لیکن دورۂ مصر سے یہ ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت اور بریلی کا سکہ صرف بریلی اور ہند ہی میں نہیں کھنکھتا بلکہ یہ وہ سکۂ رائج الوقت ہے کہ جس کے خریدار پوری دنیا میں ہیں۔

ہمارے علمائے اہل سنت میں شاید ہی اس منصب کا کوئی دوسرا شخص ہو تاج الشریعہ کی شخصیت اور آپ کی مقبولیت نہ صرف باپ داداؤں کی وجہ سے ہے اور نہ کسی پروپیگنڈہ کے باعث اور نہ کسی گروہی عصبیت کے سبب بلکہ آپ کی ذات جن اوصاف کی حامل ہے، وہ جملہ اوصاف کسی فرد واحد میں شاید ہی دیکھنے کو ملیں۔ ہمارے ان دعوؤں کا ثبوت ان کی تصنیفات اور خطبات ہیں۔ ان کے دعوتی اسفار اور تبلیغی دورے ہیں، ان کے فتاوے اور ان کا تفقہ فی الدین ہے۔ جس زاویے سے ان کی شخصیت کو پرکھئے ارفع و اعلیٰ نظر آتی ہے۔ کہنے کو تو ہمارے یہاں بڑے بڑے علامہ، فہامہ، محدث، مناظر اور مفکر ہیں، اور نہ معلوم کتنے شیخ الادب اور جامع علوم وفنون۔ مگر جب ہم ان کا تقابل تاج الشریعہ سے کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہزاروں ستاروں کے درمیان تاج الشریعہ کے کمالات و اوصاف چاند و سورج کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ ہمارے مدرسوں میں عربی کتابیں پڑھانے والے تو مل جاتے ہیں مگر عربی بولنے والے عربی لکھنے والے بہت کم ملتے ہیں اور اگر کہیں کسی کو تھوڑا بہت عربی بولنا آتا بھی ہے تو انگریزی سے تو دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف عربی، انگریزی میں تاج الشریعہ برجستہ تکلم فرماتے ہیں۔ عربی میں اعلیٰ حضرت کی کئی کتابوں کے آپ نے ترجمے بھی کئے ہیں۔، وہابیوں کے رد میں دو جلدوں میں آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف مراۃ النجدیہ۔ حاشیہ بخاری بزبان عربی، ابھی حال ہی میں ''اصحابی کالنجوم'' کی حدیث اور تلقی بالقبول عند العلما و محدثین ہونے پر ۲۶ رصفحات پر مشتمل دلائل و براہین سے مزین آپ کا عربی مقالہ ہے۔ واضح رہے کہ چند ماہ پیشتر راقم نے تصوف کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا تھا جسمیں اصحابی کالنجوم کو حدیث کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ جس پر برادرم مولانا تاج محمد ازہری نے اعتراض کیا تھا اور انہوں نے اس روایت کو موضوع اور باطل قرار دیا تھا۔ حالانکہ یہ روایت بہت مشہور و معروف ہے علما کے مابین اس لئے اس پر کئی لوگوں نے اپنے معروضات پیش کئے، کافی دن گذرنے کے بعد بھی مولانا تاج محمد ازہری صاحب کی طرف سے نہ وضاحت شائع ہوئی نہ مراجعت، اسی دوران کسی نے حضور تاج الشریعہ سے اصحابی کالنجوم کے اسناد سے متعلق سوال کیا اور دریافت کیا کہ کیا واقعی یہ روایت موضوع و باطل ہے؟ جس کے جواب میں برجستہ تاج الشریعہ نے ۲۶ رصفحات پر مشتمل عربی مقالہ تحریر کیا۔ جس میں صراحت فرمائی کہ متعدد سندوں سے یہ روایت منقول ہے۔ اسے علمائے محدثین نے قبول کیا ہے،

یہ روایت بالمعنیٰ ہے، لفظاً یہ حدیث ضعیف ہے نہ کہ موضوع و باطل، اس مقالے کی ایک کاپی راقم کے پاس موجود ہے۔ تاج الشریعہ نے خود اس کی ایک کاپی مولانا تاج محمد ازہری کو بھی بھیجوادی تھی اس کے باوجود انہوں نے ابھی تک اپنی رائے نہیں ظاہر کی۔

حضور اج الشریعہ کے نہ معلوم کتنے اہم علمی کارنامے ہیں۔ جن کا اندازہ تو ان کی تصنیفات کے مطالعہ ہی سے لگایا جاسکتا ہے، تقریباً ڈیڑھ سال قبل کی بات ہے راقم اور مولانا شاہد القادری کلکتوی مرتب تجلیات تاج الشریعہ نے الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد میں شیخ القرآن علامہ عبد اللہ خان عزیزی مدظلہ العالی سے ملاقات کی دوران گفتگو یہ بات آئی کہ ہم لوگ بریلی شریف حضور تاج الشریعہ سے ملنے جانے والے ہیں، اس پر شیخ القرآن نے فرمایا کہ حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کا عربی ترجمہ شمول الاسلام مصنفہ اعلیٰ حضرت آئی ہے۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ مطالعہ کرکے اپنی رائے دیجئے، ساتھ ہی المعتقد کا اردو ترجمہ بھی آیا ہے، میں مطالعہ کررہا ہوں، اس میں وقت لگ رہا ہے اس لئے کہ اسے بغور پڑھنا پڑتا ہے چونکہ حضرت ہماری جماعت کے سب سے بڑے عالم ہیں بلکہ ہیرو ہیں بلکہ عالم اسلام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمان مضطر صاحب رضوی پورنوی نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ہم لوگ رضوی مرکزی دار الافتاء میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں کسی طالب علم نے آکر بتایا کہ کوئی دیوبندی آیا ہوا ہے ملنا چاہتا ہے۔ ہم لوگوں کو شبہ ہوا کہ دیوبندی یہاں کیسے آسکتا ہے۔ میں نکل کے باہر آیا تو دیکھا کہ شیخ ابوبکر القادری الشافعی کیرالہ ہیں۔ میں نے تاج الشریعہ سے بتایا اور یہ بھی عرض کیا کہ حضور اگر ان کی عزت افزائی فرمائیں تو بہتر ہوگا آخر کار تاج الشریعہ نے اجازت مرحمت فرمائی جیسے ہی شیخ ابوبکر دروازے میں داخل ہوئے فرمایا " **نحن متفق معكم على تكفير الوهابية السلام عليكم و رحمة الله و بركاته** ، تاج الشریعہ نے کھڑے ہوکر آپ سے مصافحہ و معانقہ کیا اور آپ کی شان کے لائق اکرام فرمایا، مفتی مطیع الرحمان صاحب فرماتے ہیں کہ دوران گفتگو شیخ ابوبکر نے کئی حدیثیں شوافع کی تائید میں پڑھیں، عجب اتفاق کہ بروقت ہم لوگوں میں سے کسی کو کوئی ایسی حدیث ذہن میں نہیں تھی جو مسلک امام اعظم کی تائید میں ہو۔ ہم لوگوں کو بڑی سبکی کا احساس ہورہا تھا کہ آخر شیخ کیا سوچیں گے کہ یہ لوگ اتنے بڑے اور مشہور حنفی عالم ہیں اور انہیں اپنے مسلک کی حمایت میں کوئی حدیث یاد نہیں۔ اتنے میں تاج الشریعہ گویا ہوئے اور آپ نے مذہب امام اعظم کی تائید میں کئی حدیثیں پیش کیں یہ سن کر خوشی کے مارے ہم سب لوگوں کا سینہ چوڑا ہوگیا کہ شمالی ہند کی لاج رہ گئی اس وقت ہم لوگوں نے دل ہی دل میں کہا کہ یہ فیضان اعلیٰ حضرت ہے یہ انہیں کا فیض ہے جو تاج الشریعہ کی زبان وقلم سے جاری ہورہا ہے۔

مولانا قمر الزماں مصباحی استاذ محسن ملت یونانی میڈیکل کالج رائے پور چھتیس گڑھ نے بیان کیا (اس موقع پر نقیب اعظم ہندوستان مولانا علی احمد سیوانی صاحب بھی موجود تھے۔ (مولانا قمر الزماں مصباحی مظفرپوری جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے ایک لائق وفائق فاضل ہیں مولانا قمر الزماں مصباحی صاحب کا بیان ہے کہ ہم لوگ محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب کی درسگاہ عزیزی ہال میں

بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضور تاج الشریعہ تشریف لائے۔ غالباً بنارس کے کسی پروگرام سے لوٹ رہے تھے۔ جیسے ہی آپ تشریف لائے، حضرت محدث کبیر نے مسند چھوڑ دی، تاج الشریعہ زینت مسند بنے، آپ حضرات نے آپس میں کچھ بات چیت کی، جیسے جیسے خبر پھیلتی گئی تمام اساتذہ اور طلبہ جمع ہوتے گئے۔ آپسی بات چیت ختم ہونے کے بعد تاج الشریعہ نے حضرت علامہ محمد احمد مصباحی (موجودہ پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) کو مخاطب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مصباحی صاحب آپ کو چونکہ عربی زبان سے لگاؤ ہے اس لئے عربی کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں، وہاں موجود ہر شخص گوش برآواز تھا، تاج الشریعہ اپنا عربی کلام پڑھ رہے تھے اتنے میں مصباحی صاحب کی آواز سنائی دی اور آپ نے کسی لفظ کے استعمال پر توقف فرمایا اور کہا کہ یہ متروک الاستعمال ہے، اتنا سننا تھا کہ تاج الشریعہ نے سات آٹھ اشعار امراء القیس اور دیگر شعرا کے اشعار سے پیش کئے اپنے ثبوت میں، تاج الشریعہ کے استحضار علمی اور قوت استدلال کے سامنے سارے اساتذہ اور طلبہ دم بخود تھے، حتی کہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے بھی اس کے بعد کچھ نہیں کہا، اس طرح کے نہ معلوم کتنے واقعات ہیں۔ اگر سب کو جمع کیا جائے تو تاج الشریعہ کے امتیازات و ممیّزات پر ایک مفصل کتاب تیار ہو جائے، اخیر میں ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ مصر کی سرزمین پر اساتذۂ ازہر کی جانب سے دیا جانے والا ایوارڈ تاج الشریعہ کی ہمہ گیریت کی روشن دلیل ہے، تاج الشریعہ کی ذات اس قسم کے اعزازات سے بالاتر ہے لیکن ہم تمام ہندوستانی سنیوں اور خصوصاً رضویوں کے لئے باعث فخر ہے۔ ساتھ ہی تمام سنی علما اور مشائخ کے لئے

تاج الشریعہ کا دورہ مصر ایک پیغام بھی ہے۔ تاج الشریعہ نے مصر کی سرزمین پر بھی اپنے مذہب و مسلک کا برملا اعلان و اظہار کیا، پوری حق گوئی و بیبا کی کا مظاہرہ کیا، اعلیٰ حضرت کے خانوادے کے اس فرزند عظیم اور سنیت کے بطل جلیل نے وہاں بھی یہ بتایا کہ بریلوی کوئی نیا فرقہ یا نیا مذہب نہیں بلکہ اہل سنت کا دوسرا نام بریلوی ہے جس طرح عرب میں وہابی کے مقابلہ میں اہلسنت و جماعت خود کو صوفی کہتے ہیں۔ اسی طرح ہند میں وہابیت کے مقابلے میں باطل سے امتیاز کے لئے اہل سنت کو بریلوی کہا جاتا ہے، بریلوی کوئی الگ مذہب نہیں، ہم اہل سنت ہیں۔ تاج الشریعہ کے اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ بریلوی کہنے سے الگ فرقہ کا تصور معاندانہ اور غلط ہے، ہم کو ہمارے مخالف بریلوی کہہ کر نئے مذہب کا پیروکار ثابت کرنا چاہتے ہیں جو بالکل بے بنیاد اور غلط ہے، جن کو دیار ہند میں بریلوی کہا جاتا ہے وہی سنی صحیح العقیدہ اہل حق ہے:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اللہ تعالیٰ مرکز اہل سنت بریلی شریف اور خانوادۂ رضا کی مرکزیت کو سلامت رکھے اور معاندین و حاسدین کو حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

پیغام رضا ممبئی کی جانب سے حضور تاج الشریعہ کی خدمت بابرکت میں ہزار ہا ہزار مبارکباد پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیائے سنیت کی اس مرکزی اور روحانی رہنما کو عمر مدید عطا فرمائے۔ اور اہل سنن کو ان کے نام پر متفق و متحد فرمائے نیز ملت محمدیہ کو انتشار اور گروہ بندی سے محفوظ فرمائے آمین۔

مصر کے چند ایام، تاج الشریعہ کے نام

مولانا امام الدین رضوی

سر زمین مصر کو ایک زمانے سے مرکز علم وفن کی حیثیت حاصل ہے اور آج بھی تشنگان علوم نبویہ دنیا کے ہر گوشہ سے اپنی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے اس کا رخ کرتے ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم القدسیہ سن ۱۹۶۳ء میں دنیا کی قدیم دینی یونیورسٹی ازہر شریف مصر میں حصول تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے اور قیام مصر کے دوران اپنے جد امجد امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی فکر وآگہی اور فقہی کمالات سے اہل مصر کو بطور عام اور علمائے ازہر شریف کو بطور خاص روشناس کرایا تھا۔

مگر چند سال کے قیام کے بعد جب آپ تکمیل تعلیم کے بعد ہندوستان واپس آ گئے تو پھر آپ کا کوئی ایسا علمی یا قلمی رشتہ جامعہ ازہر سے قائم نہ رہ سکا جس کے توسط سے علمائے مصر و ازہر شریف کو امام احمد رضا فاضل بریلوی کی جامع شخصیت اور آپ کی گرانقدر خدمات کو مزید جاننے اور سمجھنے کا موقع ملے۔ اس قطع تعلق کے نتیجہ میں اعداء اہل سنت و جماعت نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی پروقار شخصیت کو مجروح کرنے کی حتی الامکان کوششیں کرتے رہے جس میں وہ کچھ حد تک وقتی طور پر کامیاب بھی رہے لیکن ادھر چند سالوں سے طلباء اہل سنت و جماعت کا جم غفیر جو یہاں پر تعلیم حاصل کر رہا ہے، انہوں نے جب حالات کو پراگندہ پایا تو سب بہ یک آواز پکار اٹھے کہ جو ماحول ہمارے خلاف بنایا گیا ہے اس کو صاف و شفاف کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے وہ اپنی بساط کے مطابق جد و جہد کرتے رہے اسی اثنا میں علم و ادب اور صوفی گھرانہ سے وابستہ شیخ خالد ثابت جو بیسیوں کتابوں کے مصنف بھی ہیں، تبلیغی جماعت کے عیارانہ و مکارانہ دام فریب میں آ کر ہندوستان کا چند بار تبلیغی دورہ فرمایا ان کا کہنا ہے کہ جب میں ہندوستان میں قیام پذیر تھا تو میں تبلیغی جماعت کے سرکردہ لوگوں سے شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا کے متعلق پوچھتا تو وہ برجستہ جواب دیتے کہ وہ بریلویہ فرقہ کے موسس ہیں اور یہ ایک گمراہ اور گمراہ گر فرقہ ہے۔ جب ہم نے سنا تو

جامعہ الازہر الشریف، مصر

ہمارے کانوں کو یقین نہیں آیا کیونکہ میں بریلویت کے بارے میں عرصۂ دراز سے سن رہا تھا کہ وہ ایک صاف و شفاف اور محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ہے آخر یہ عداوت کیسی؟ کہاں حق اور کہاں باطل یہ دونوں کا سنگم کیسے؟ اب میں نے شدت سے اس جماعت کی حقانیت کی جستجو شروع کی اور جب وطن واپس آیا تو چند ہندوستانی علماء جو سعودی عرب میں جامعات سے جڑے ہوئے تھے ان سے دریافت کیا کہ آپ لوگ شیخ امام احمد رضا بریلوی کو جانتے ہیں اور ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو وہ تبلیغی جماعت کی طرح ہی جواب دیئے جس سے میں کافی کبیدہ خاطر ہوا لیکن طالب حق کی رہنمائی اللہ عز وجل ضرور فرماتا ہے اسی تلاش میں ایک طالب علم جو سرزمین کیرالہ سے تعلق رکھتا ہے اور وہ ازہر شریف میں زیر تعلیم ہے اس سے ملاقات ہوئی تو میں نے حسب عادت شیخ امام احمد رضا کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے امام ہیں اور ہندوستان میں ۹۰؍ فیصد سنی مسلمان ان کے تابع ہیں اور صحیح طریقے پر ایک زمانہ سے اسلامی عقائد کی آبیاری فرما رہے ہیں۔ مزید معلومات کے لئے اس طالب علم نے شیخ امام احمد رضا کی اور دیگر علمائے اہل سنت کی کتابیں فراہم کیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے مطالعہ کی روشنی میں ایک کتاب بنام "من اقطاب الامة فی القرن العشرین" ترتیب دی۔ اس کتاب میں تین برگزیدہ شخصیات کا اجمالی تعارف اور ان کے عقائد ہیں اس میں سرفہرست (۱) الشیخ احمد رضا خان البریلوی الہندی (۲) الشیخ صالح الجعفری مصر (۳) الشیخ احمد السغالی علیہم الرحمة و الرضوان ہیں۔ جب یہ کتاب مارکیٹ میں آئی تو بعض احباب کے ذریعہ مطالعہ کے لئے دستیاب ہوئی بعد مطالعہ راقم کے دل میں صاحب کتاب سے ملاقات کا شوق بیدار ہوا کہ اتنے بڑے عاشق امام احمد رضا یہاں پر ہیں اور ہم لوگ ان کی زیارت سے محروم ہیں اب راقم الحروف مع احباب اس شیخ جلیل سے شرف زیارت کے لئے ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے سلام ودعا اور رسمی گفتگو کے بعد شیخ نے اپنی ساری آپ بیتی سنائی تو آنکھیں نم ہوگئیں کہ کس طرح سے حق کو مٹانے کے لئے خوارج وہابیہ و دیوبندیہ نے اپنے فریب کے جال بچھائے تھے۔ شیخ اپنے قیمتی مشورہ سے نوازتے رہے اور بتاتے رہے کہ کون کون سے ذرائع ہو سکتے ہیں۔ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے عقیدۂ حقہ کی ترجمانی کے اس کی ایک کڑی حضور تاج الشریعہ کا دورۂ مصر ہے آپ جب علامہ ازہری سے فون پر ہمکلام ہوئے تو ان کے چہرے پر مسرت وشادمانی کا آفتاب مسلسل چمکتا رہا اور اخیر میں آپ نے بہت ہی عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ حضور اگر آپ اپنے قدم میمنت سے اہل مصر کو عام طور سے اور اس گدائے امام احمد رضا کو خاص طور سے زیارت کا شرف بخشیں تو انتہائی ذرہ نوازی ہوگی تب علامہ ازہری نے کہا کہ انشاء اللہ میں بہت جلد دورۂ مصر پہ آرہا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ شیخ خوشیوں سے پھولے نہیں سما رہے تھے اور زبان پہ صرف اور صرف اہلاً وسہلاً مرحبا کی صدائیں تھیں۔ جب یہ خبر طلبائے ہند کے مابین پھیلی تو ہر کوئی دست بدعا تھا کہ حضرت کا دورہ کسی طرح بھی ہو جائے تا کہ برسوں سے پھیلے ہوئے ہمارے خلاف غلط افکار کی اصلاح حضرت کی زبان

فیض ترجمان سے ہوگی تو زیادہ پر اثر ہوگی۔

اب وہ وقت بھی آ ہی گیا کہ حضور تاج الشریعۃ نے اپنے سفر کی تاریخ کا تعین کر دیا۔کیا کہنا تھا خوشیوں سے طلبا جھوم اٹھے، زمانہ امتحان کا تھا پھر بھی طلبا ہمہ تن اپنے قائد کے پروگرامات کی تیاریوں میں روز و شب مصروف ہو گئے اور علماء ازہر شریف اور دیگر جامعات کے علما کو دعوتیں دی جانے لگیں۔ساتھ ہی مصر سے حضور اعلیٰ حضرت اور دیگر علماء اہل سنت و جماعت کی شائع شدہ کتابوں کا سیٹ بھی دیا گیا، جس میں مندرجہ ذیل کتابیں تھیں۔

(۱) تنقية الايمان من عقائد مبتدعة الزمان المعروف باسم المعتقد المنتقد مع شرحه المعتمد المستند بناء نجاة الابد

(۲) رفع الريب عمانال المصطفىٰ من علم الغيب المعروف باسم الدولة المكيه بالمادة الغيبية

(۳) محمد صلى الله عليه وسلم خاتم النبين

(۴) الفلسفة الاسلامية

(۵) من اقطاب الامة فى القرن العشرين

(۶) حضرت کا نایاب تحقیقی رسالہ ''الصحابة نجوم الاهتدا''

یہ کتابیں سیکڑوں کی تعداد میں مفت تقسیم کی گئیں تا کہ کتابوں کے مطالعہ کی روشنی میں ہر منصف مزاج اپنی رائے قائم کر سکے۔پورے ماحول کو رنگ رضا میں ڈھالنے کی بھر پور جد و جہد کی گئی جس میں خاطر خواہ کامیابی بھی ملی۔ تین مئی کی وہ حسین رات تھی جب طلباء کا ایک وفد قاہرہ ایئر پورٹ پہ جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان ازہری کا استقبال کرنے کے لئے گیا اور وہ ساعت سعید بھی آ گئی کہ اللہ کا زندہ ولی اپنے احباب کے ساتھ نازک قدموں سے خراماخراما چلا آ رہا ہے، جو جہاں ہے اس حسین وجمیل فرشتہ صفت پیکر کو دیکھ رہا ہے اور دل ہی دل میں اپنی زبان سے یہ اظہار کر رہا ہے کہ کیا آج کے اس پرفتن اور فیشن بھرے ماحول میں ایسے بھی اللہ کے نیک بندے ہیں سب کی زبانیں مدح سرائی میں لگی ہوئی ہیں کہ یہ کوئی اللہ کا ولی ہی ہوسکتا ہے۔ بعد مصافحہ و معانقہ یہ وفد اپنے عظیم قائد آبروئے اہل سنت و جماعت کو ان کی قیام گاہ کی طرف لے کر روانہ ہوا تو یہاں بھی طلباء کا جم غفیر تھا سب نے حضرت کا پرتپاک استقبال کیا۔

حضرت چند منٹ آرام کرنے کے بعد تشریف لائے تو طلبا نے آپ کے تعلیمی زمانے کے متعلق چند سوالات کئے جس کا جواب حضرت نے بڑے ہی اچھوتے انداز میں دیا۔ پھر حضرت نے اگلے دن کے پروگرام کے متعلق پوچھا کہ کیا کیا پروگرام ہے۔تب سارے پروگرامات کی تفصیل حضرت کے گوش گذار کر دی گئی جو کچھ اس طرح سے تھی۔

۷ر مئی کو گیارہ بجے شیخ الازہر سید طنطاوی سے **مشیخة الازهر** میں ملاقات کرنی ہے، پھر اس کے بعد عالم اسلام کے عظیم مفتی مصر علی جمعۃ سے ملاقات کرنی ہے، اور پھر ۳ بجے سے بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد ہے جس کی تیاری بڑے پیمانے پر بہت ہی محنتوں سے کی گئی ہے جس میں اجلہ اکابر علما کو مدعو کیا گیا ہے، اس میں آپ کے جد امجد امام احمد رضا خان فاضل بریلوی پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کی تردید کرنی ہے اور جماعت بریلویۃ کے متعلق اور

ان کے عقائد کے بارے میں آگاہ فرمانا ہے۔ علما وطلبا کے ذہنوں میں جو شکوک وشبہات جماعت بریلویہ کے متعلق ہیں اس کو دفعہ کرنا ہے۔

۵ رمئی کو جامعہ ازہر شریف کے وائس چانسلر احمد طیب سے گیارہ بجے دن میں ملاقات کرنی ہے اس کے بعد مزارات مقدسہ کی زیارتیں کرنی ہیں۔ اور شام بعد نماز عشاء عاشق اعلیٰ حضرت جناب شیخ محمد خالد ثابت صاحب کے دولت کدہ پر محفل ہے اس میں شرکت کرنی ہے۔ ۶ رمئی کو قیام گاہ ہی پر اکثر ملکی وغیر ملکی طلبا درس حدیث کے متمنی ہیں اور بیعت کے خواہش مند ہیں وہ حاضر بارگاہ ہوں گے۔ ان کی تمناؤں کو پایہ تکمیل تک پہونچانا ہے۔ ۷ رمئی کو وطن کے لئے روانگی ہے۔

اب میں مذکورہ بالا تواریخ کے پروگرامات کی اجمالی تفصیل پیش کر رہا ہوں۔

۴ رمئی کو گیارہ بجے حضرت مع احباب شیخ الازہر سید طنطاوی سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو شیخ الازہر نے پرجوش انداز میں آپ کا استقبال کیا اس کے بعد آپ نے شیخ سے اپنے جد امجد امام احمد رضا کے افکار و خیالات پر تبادلہ خیال کیا اور چند کتابیں جو اپنے ہمراہ لے کر آئے تھے شیخ کو پیش کی اور ہر کتاب پہ تفصیل سے روشنی ڈالی کہ ان کتابوں کا پس منظر کیا ہے۔ جب آپ نے حضور اعلیٰ حضرت کی کتاب "تنقية الايمان من عقائد مبتدع الزمان" کو پیش کیا تو شیخ صاحب نے طائرانہ نگاہ پوری کتاب پر ڈالی اور پکار اٹھے کہ یہ کتاب اہل سنت و جماعت کے عقیدے کی بھرپور تائید کرتی ہے اور باب عقائد میں منفرد ہے۔ اس کی خوب اشاعت ہونی چاہئے۔ پھر آپ نے اپنا تحقیقی رسالہ "الصحابة نجوم الاهتداء" پیش کیا اور بتایا کہ ازہر شریف کے ایک عالم نے حدیث "اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم" کو شفاء شریف کی تحقیق و تخریج میں موضوع لکھا ہے۔ تب شیخ صاحب نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف حدیث باب فضائل میں مقبول ہے اور اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ لہذا یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ اس عالم کا لکھنا غلط ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ پھر دوسرا رسالہ "ان ابا ابراهيم تارح لا آزر" کو پیش کیا اور کہا کہ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہیں، تب شیخ صاحب نے کہا کہ نہیں آزر ان کے چچا تھے اور تارح ان کے والد ہیں۔ شیخ صاحب فراخ دلی سے آپ کی نادر و نایاب تحقیقات پر داد دیتے رہے اور دعائیں کرتے رہے کہ اللہ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپ کا سایہ ہمارے اوپر تا دیر قائم رکھے۔ آپ نے اب اپنا تیسرا رسالہ جو ابھی غیر مطبوع ہے اس کا زیراکس پیش کیا جس کا نام ہے "سد المشارع على من يقول ان الدين يستغنى عن الشارع" اور بتایا میں سعودی عرب میں تھا تو کسی دیوبندی (جو دار العلوم دیوبند سے تعلق رکھتا ہے) نے کہا ہے کہ دین رسول اللہ کا محتاج نہیں ہے اتنا سننا تھا کہ شیخ صاحب کے چہرے پر ناگواری ظاہر ہوئی اور کہا کہ وہ ملحد ہے جس نے ایسا کہا ہے تب آپ نے کہا ہم نے اس کے رد میں یہ تفصیلی جواب لکھا ہے۔

اس طرح سے گفتگو کا سلسلہ گھنٹوں جاری رہا پھر شیخ

نے کہا کہ امام احمد رضا کے افکار کو عالم عرب میں متعارف کرایا جائے تو آپ نے کہا کہ میں ان کے مجموعہ فتاویٰ بنام "العطایا النبویة فی الفتاویٰ الرضویة" کی تعریب کر رہا ہوں جو جلد ہی منظر عام پہ آئیں گے اور چلتے چلتے آپ نے شیخ صاحب کو بریلی شریف آنے کی دعوت دی شیخ نے کہا کہ انشاء اللہ حاضر ہونگا۔

اب مفتی مصر علی جمعہ سے ملاقات کرنی تھی لیکن وہ کسی اہم کام سے باہر تھے تو ان سے روبرو ملاقات تو نہ ہوسکی البتہ فون پر تبادلہ خیال ہوا۔ پھر حضرت اپنی آرام گاہ کے لئے روانہ ہوئے کچھ دیر آرام کے بعد راقم نے آپ کو لے کر طلبا کی جانب سے منعقد عالمی کانفرنس میں پہونچا تو وہاں علما و طلبا پہلے ہی سے دیدار کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ جب آپ کی گاڑی رکی تو علما و طلبا کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر آپ کی طرف بیتابانہ بڑھا اور پوری فضا اہلاً وسہلاً مرحبا کی آواز سے گونجنے لگی آپ رونق اسٹیج ہوئے وہاں پر ازہر شریف و دیگر جامعات کے اجلہ علمائے کرام تشریف فرما تھے۔ جن میں کلیة اصول الدین کے شعبۂ عقیدہ وفلسفہ کے صدر جناب عزت مآب ڈاکٹر طٰہ حبیشی دسوقی، اور صدر شعبۂ حدیث عزت مآب ڈاکٹر سعید جاویش "کلیة اللغات والترجمہ" کے شعبہ اردو کے مساعد ڈاکٹر جناب عزت مآب حازم محفوظ اور جامعہ عین شمس کے ڈاکٹر عبد القادر نصار اور دیگر جامعات کے کئی علماء تشریف فرما تھے۔ سب کے ناموں کا احاطہ مشکل ہے۔ صحافتی میدان سے تعلق رکھنے والے کئی افراد تھے لیکن انہیں پہلے ہی باخبر کر دیا گیا تھا کہ شیخ کے نزدیک تصویر کشی حرام ہے اور اس کے لئے سختی سے پمفلٹ چسپاں کر دیئے گئے کہ کوئی تصویر نہ کھینچے جس کی وجہ سے بعض میڈیا والے چلے گئے اور جو رہے وہ سامعین کی حیثیت سے بیٹھے رہے اور پروگرام کی رپورٹ نوٹ کرتے رہے جس میں ازہر یونیورسٹی کے طرف سے نکلنے والا ہفتہ واری اخبار "صوت الازھر" نے پروگرام کی رپورٹ مختصر لیکن جامع شائع کیا۔ اور تقریباً پچاسوں ملکوں کے طلبا زینت محفل تھے محفل کی ابتدا پہلے ہی سے ہو چکی تھی جس میں سب سے پہلا خطاب ڈاکٹر عبد القادر نصار جامعہ عین شمس نے کیا بہت ہی مختصر لیکن نہایت ہی جامع و پرمغز خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا کہ اگر کسی کو امام احمد رضا کے عقیدے پر کوئی شبہ ہو تو پہلے ان کی تصنیفات کا مطالعہ کرے خصوصاً "تنقیه الایمان من عقائد مبتدعة الزمان" کا اس لئے کہ اس کتاب میں امام اہل سنت امام احمد رضا نے تمام باطل فرقوں کی سرکوبی کی ہے اور علما اہل سنت کے عقائد صحیحہ کو بیان فرمایا ہے اور میں وثوق سے کہتا ہوں کہ اگر کسی نے اس کتاب کو منصفانہ مزاج سے پڑھ لیا تو اس کے سارے شکوک وشبہات ریت کے تودوں کے طرح بکھر جائیں گے۔ لہٰذا ہمیں امام کی کتابوں کا مطالعہ لازمی ہے اس سے پہلے کچھ بھی ان کے متعلق کہنا عبث ولایعنی بات ہوگی۔

دوسرا خطاب ڈاکٹر طٰہ حبیشی دسوقی کا ہوا (موصوف ایک صوفی گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور بڑے ہی علم وفضل کے مالک ہیں۔ نابینا ہونے کے باوجود ہر ماہ دو ماہ پر آپ کی کوئی نہ کوئی نایاب وعلمی کتاب منظر عام پر آتی ہے اور اپنے درسگاہی لیکچر میں کھلم کھلا وہابیوں کا رد فرماتے ہیں اور ذرا

بھی کسی کا خوف نہیں کرتے) آپ نے سب سے پہلے اپنے عظیم وبابرکت مہمان کو ہدیۂ تہنیت پیش کیا اور کہا کہ جامعہ ازہر آپ کا خیر مقدم کرتا ہے اور میں بھی تہ دل سے آپ کا استقبال کرتا ہوں۔ پھر آپ نے ہندوستان میں اسلامی تاریخ پر بہت ہی جامع روشنی ڈالی کہ کس طرح اسلام سر زمین ہند میں داخل ہوا اور کس طرح انگریزوں نے وہابیت کے توسط سے افتراق بین المسلمین کا کھیل کھیلا، اور قادیانیت نے کس کے رحم وکرم پہ اپنا پر پھیلانا شروع کیا اور دیوبندیوں کا ان سارے حالات میں کیا رول رہا ہے؟ اب ایسے پرفتن ماحول میں شیخ الاسلام والمسلمین محبّ رسول امام احمد رضا خاں بریلوی کا کیا کردار رہا ہے اور آپ نے دفاع اسلام کی عظیم ذمہ داری کو کس طرح انجام دیا ہے۔ چنانچہ جب قادیانیوں نے اپنا پر پھیلانا شروع کیا تو سب سے پہلے اگر کسی نے تردید کی تو وہ امام احمد رضا بریلوی کی شخصیت ہے اور آپ نے ان کی تردید میں پانچ کتابیں تصنیف فرمائی اور جب وہابیت و دیوبندیت نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر سوالات اٹھائے تو امام احمد رضا بریلوی نے الدولۃ المکیہ جیسی مدلل کتاب پیش کیا گو باطل نے جس زاویہ سے اعتراض کیا امام نے اسی زاویہ سے جواب دیا چنانچہ آپ اپنے زمانہ میں ہر نئے جنم لینے والے فتنے کا سر قلم کیا ہے اور اکیلے میدان میں ان فتنوں کا مقابلہ کیا جیسا کہ آپ کی کتابوں سے ظاہر ہے، میں نے آپ کی چند کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور سنا ہے کہ آپ کے فتاویٰ ۳۰ رجلدوں پر مشتمل ہیں لیکن ابھی تک میں نے اسے نہیں پایا ہے، لہٰذا میں اپنے معزز ومکرم مہمان سے عرض کروں گا کہ جد امجد کی کتابوں کو زیادہ سے زیادہ عرب دنیا میں پھیلایا جائے تاکہ صحیح عقائد کی نشر و اشاعت ہو سکے۔ اخیر میں آپ نے کہا کہ وقت کی تنگی ہے اور ہمارے عظیم مہمان تشریف فرما ہیں۔ ہم ان کی زبانی امام احمد رضا کے متعلق سنیں گے۔

تیسری تقریر ڈاکٹر سعد جاویش کی ہوئی آپ نے بھی اپنے عظیم مہمان کو سب سے پہلے ہدیۂ تہنیت پیش کیا اور حضرت کی کتاب ''الصحابۃ نجوم الاھتداء'' پر بھرپور روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ میں نے ابھی تک اس حدیث ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم'' پر اتنی مفصل بحث نہیں دیکھی ہے اور نہ ایسی نادر تحقیق ہماری نظر سے گزری ہے یہ تحقیق اپنی مثال میں منفرد ہے اور اس بات پہ شاہد عدل ہے کہ علم حدیث میں مہمان موصوف کو مکمل عبور حاصل ہے۔

خطاب حضور تاج الشریعہ

آپ نے سب سے پہلے اپنے سامعین، منتظمین اور زینت اسٹیج علمائے کرام کا شکریہ ادا کیا، آپ نے فرمایا کہ ازہر شریف جو کعبۃ العلم ہے اور علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری دنیا میں پھیلانے میں کوشاں ہے اور یہ ایک زمانہ سے اس خدمت کو بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے، زمانہ کے نشیب و فراز نے بہت ساری تبدیلیوں کو لایا لیکن ازہر شریف آج بھی اسلاف کی ڈگر پہ قائم ہے اور اسلام کی سچی تعلیمات کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچا رہا ہے۔

آپ نے کہا کہ آج ہمارے جد امجد شیخ الاسلام والمسلمین امام الھمام امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کے

بارے میں کچھ مفسد عناصر نے اپنے عقائد فاسدہ پر پردہ ڈالنے کے لئے غلط عقیدوں کو ان کی طرف منسوب کر دیا ہے جس سے ہمارے جد امجد اور ان کی نسلیں بری ہیں اور ہمارے عقائد وہی ہیں جو عہد صحابہ سے لے کر آج تک سینہ بسینہ چلے آ رہے ہیں اور ہم مذہبا حنفی، مسلکا سنی، مشربا قادری، اور بلدا بریلوی ہیں۔ آج وہابیوں اور دیوبندیوں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ امام احمد رضا فرقہ بریلویۃ کے بانی ہیں میں کہتا ہوں بریلویہ کوئی فرقہ نہیں ہے نہ امام احمد رضا اس کے بانی ہیں یہ ایک جھوٹ اور غلط الزام و بہتان ہے جو ہمارے اوپر عائد ہے ہم اس سے کلیتًا بری ہیں۔ ہاں! جس طرح عرب دنیا میں اہلسنّت و جماعت اپنے آپ کو صوفی سے متعارف کراتے ہیں اسی طرح ہندوستان میں اہل سنّت و جماعت کو بریلوی کہا جاتا ہے۔

اب تاج الشریعہ سے کئے گئے سوالات کو من وعن پیش کر رہا ہوں۔

سوال نمبر۱: احسان الٰھی ظہیر نے اپنی کتاب ''البریلویہ تاریخ وعقائد'' میں لکھا ہے کہ احمد رضا کے استاذ مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: نہیں۔ مرزا غلام قادر بیگ امام احمد رضا کے استاذ اور وہ سنی صحیح العقیدہ تھے۔ ان کا انتساب مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف کرنا صریح جھوٹ ہے اس لئے کہ ان کا تعلق قادیانی سے نہ قرابتًا ہے اور نہ مجاورۃ، کیونکہ قادیانی پنجاب میں رہتا تھا اور مرزا غلام قادر بیگ شہر بریلی میں رہتے تھے اور ان دونوں شہروں کے مابین طویل مسافت ہے اور وہ اس سے کبھی نہیں ملے اور یہ ان کے اوپر الزام ہے کہ وہ قادیانی کے بھائی تھے ایسا کچھ نہیں ہے وہ اس سے بری ہیں۔

سوال نمبر۲: کیا امام احمد رضا فرقہ بریلویہ کے موسس ہیں؟ اور کیا بریلویہ کوئی مستقل فرقہ ہے؟ اور امام احمد رضا کا تعلق کیا شیعہ اور قادیانیوں سے ہے جیسا کہ سعودی عرب سے ایک کتاب بنام ''ان عجم میسر الادیان'' شائع ہوئی ہے جس میں لکھا ہے کہ احمد رضا فرقہ بریلویہ کے موسس ہیں اور ان کا تعلق شیعہ اور قادیانی سے ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: سب سے پہلے میں کہنا چاہوں گا کہ بریلویہ کوئی فرقہ نہیں ہے اور نہ ہمارے جد امجد امام احمد رضا کا تعلق کسی شیعہ اور نہ قادیانی سے ہے ہم اور ہمارے جد امجد ان ساری تہمتوں سے پاک ہیں۔ اہل سنت و جماعت کو ہندوستان میں بریلویۃ سے پہچانا جاتا ہے جیسا صوفیہ بلاد عرب میں اہل سنت و جماعت کا دوسرا نام ہے۔

سوال نمبر۳: بریلویہ اور دیوبندیہ میں کیا فرق ہے؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں کہونگا کہ میں نے ایک مستقل کتاب بنام ''الحق المبین'' لکھی ہے جو ان سارے اختلافی باتوں پر مشتمل ہے۔ حق بات یہ ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت سے ہیں اور ہمارے پاس کوئی جدید فکر ہے اور نہ ہی ہم کسی مذہب جدید سے جڑے ہیں، بریلویہ کا لقب ہمارے اغیار و اعداء نے اس شرط کے ساتھ دیا ہے کہ یہ محبّ رسول کی جماعت ہے اور جواب اہل سنت و جماعت کی نشانی ہے۔ سوال کے دوسرے جز کا جواب یہ ہے کہ دیوبندیوں کا اہل سنت و جماعت سے کوئی تعلق نہیں

دیوبندیت وہابیت کے بطن سے پیدا ہوئی ہے اس کا تذکرہ میں نے اپنی کتاب ''الحق المبین'' میں کیا ہے۔ اور دوسری کتاب ''حقیقة البریلویة المعروف باسم مراة النجدیة بجواب البریلویہ'' کی تحقیق وتخریج ازہر شریف کے طلبا کر رہے ہیں۔ (راقم الحروف نے اس کتاب کی تحقیق و تخریج کی ہے اور یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہوگئی ہے) ہم اپنے قارئین سے عرض کریں گے کہ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ فرمائیں تاکہ حق و باطل کی پہچان کر سکیں۔

اس طرح سے ہماری یہ کانفرنس اختتام کو پہونچی اور اخیر میں حضور اعلیٰ حضرت کی چند کتابیں جن کی تعریب حضور تاج الشریعہ نے کی ہے اس کی تقسیم حاضرین میں کی گئی کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ

(۲) قوارع القهار علی المجسمة الفجار

(۳) الهادی الکاف فی حکم الضعاف

(۴) الامام احمد رضا خان البریلوی فی صفوة المفکرین

یہ کتاب علمائے عرب کے مقالات کا مجموعہ ہے کتاب میں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور جناب عزت مآب ڈاکٹر حازم محفوظ نے ترتیب دی ہے۔

۵/مئی کو حضور تاج الشریعہ جامعہ ازہر شریف کے وائس چانسلر جناب عزت مآب ڈاکٹر احمد طیب سے ملاقات کے لئے پہنچے (موصوف ایک خانقاہی گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور خود بھی بہت بڑے پیر ہیں مصر کے بین الاقوامی ٹی وی چینل نائل ٹی وی Nile TV پہ ہر ہفتہ پابندی سے وہابیہ کارد فرماتے ہیں راقم نے کئی دفعہ ان کی رد وہابیہ کی سی ڈی کو سنا ہے) ڈاکٹر موصوف نے آپ کا استقبال مع وفد اپنے آفس کے صدر دروازہ پہ پرجوش انداز میں کیا پھر اس کے بعد اپنے خاص آفس میں لے گئے اور یوں آپ کے سامنے بیٹھے تھے کہ لگ رہا تھا کہ کوئی طالب علم اپنے استاذ کے روبرو زانوئے تلمذ تہہ کئے ہوئے ہے۔ یہ ان کی اپنی عاجزی تھی کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود عاجزی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ان سے مختلف امور پر تبادلہ خیال ہوا موصوف نے کہا کہ ازہر شریف اشعریوں اور صوفیوں کا ہے اور اس کا دروازہ ہمیشہ اہل سنت و جماعت کے طلبا کے لئے کھلا ہوا ہے پھر آپ نے اپنے محترم ومکرم زائر کو ایک اعزازی ایوارڈ سے نوازا، یاد رہے کہ یہ ایوارڈ ازہر شریف کے ان فارغین کو دیا جاتا ہے جن کا کارنامہ ملکی و غیر ملکی پیمانہ کا ہوتا ہے چنانچہ اس سے پہلے یہ ایوارڈ پاکستان کے نامور عالم پیر کرم شاہ ازہری کو دیا گیا تھا۔

اسی شام تاج الشریعہ جبل مقطم پہ عاشق امام احمد رضا ڈاکٹر محمد خالد ثابت کے دولت کدہ پہ تشریف لے گئے یہ وہی محترم موصوف ہیں جن کی دعوۃ پر حضرت کا یہ دورہ ہوا ہے۔ موصوف اپنے یہاں محفل میلاد منعقد کئے تھے یہاں بھی سامعین کی اچھی خاصی تعداد تھی آپ نے حضور ازہری صاحب سے عرض کیا کہ سیدی اپنا کوئی قصیدہ اپنی رس بھری آواز میں سنائیں تو حضرت نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور اپنا عزیز ترین قصیدہ

"اللہ اللہ اللہ مالی رب الا ھو" کو گنگنایا اور تمام سامعین حضرت کے ساتھ اس قصیدہ کو گنگنا رہے تھے۔ پھر اس کے بعد وہاں پہ ایک بہت بڑے صوفی عالم دین اور فن طب کے ماہر ڈاکٹر یسری صاحب تشریف فرما تھے۔ موصوف آج بھی ازہر شریف کی جامع مسجد میں درس بخاری دیتے ہیں جس میں کئی ممالک کے طلبہ شریک ہوتے ہیں۔ آپ کا نظریہ امام احمد رضا کے متعلق صاف نہیں تھا۔ کیونکہ جب ہمارے احباب نے حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کی کتاب "حدوث الفتن وجھاد اعیان السنن" کی طباعت شیخ محمد خالد ثابت کے مکتبہ سے کرائی تو موصوف نے شیخ خالد سے کہا کہ آپ نے اس کتاب کو اپنے مکتبہ سے کیوں شائع کیا ہے اس میں تو امام احمد رضا بریلوی کا تذکرہ ہے جو مسلمانوں کی عام تکفیر کرتے ہیں تو شیخ نے کہا کہ ہماری نگاہ سے تو ایسی عبارت نہیں گذری ہے تب موصوف نے کہا کہ میں نے ایک کتاب بنام "البریلویہ تاریخ وعقائد" میں پڑھی ہے تو شیخ نے کہا کہ یہ ایک وہابی کی کتاب ہے اور آپ وہابیوں کے دسائس سے بخوبی واقف ہیں کہ انہوں نے شیخ الاسلام علامہ زینی دحلان اور علامہ یوسف نبھانی علیہم الرحمۃ والرضوان کے بارے میں کیا کچھ نہیں لکھا ہے، اس کے بعد موصوف خاموش ہو گئے تب شیخ خالد نے کہا کہ کسی قسم کا اگر کوئی تردد ہو تو آپ بلا جھجک پوچھ سکتے ہیں۔ میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرونگا۔ راقم اپنے دوست کے ساتھ شیخ خالد کی زیارت کے لئے گیا تو انہوں نے یہ ساری باتیں بتلائی کہ اس طرح کا حادثہ ہوا ہے پھر آپ نے پوری کہانی سنا دی تو ہم نے ان سے عرض کیا کہ آپ ضرور ان سے خاص طور پر ملاقات کر کے ان کے نظریات کو صاف کریں اس کے لئے ہم سے جس طرح کی بھی مدد کی ضرورت ہوگی تو ہمیں حاضر پائیں گے، اسی اثناء میں حضرت کا دورہ بھی ہوا تو ڈاکٹر موصوف کو خاص طور سے کانفرنس میں مدعو کیا گیا تھا لیکن موصوف عدم فرصت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تب میں نے شیخ خالد سے عرض کیا کہ ڈاکٹر یسری صاحب کو اپنے دولت کدہ پر پروگرام میں ضرور مدعو کریں تو انہوں نے لگے ہاتھ فون کر کے موصوف کو دعوت دی اور وہ ان کے دولت کدہ پر حاضر ہو گئے لیکن جب موصوف نے حضرت کے پر رونق جلوہ زیبا کو دیکھا تو حیران ہو گئے اور کلی طریقے سے مرعوب نظر آنے لگے اور بہت ہی عاجزی کے ساتھ چند سوالات اس شرط کے ساتھ کیے کہ یا سیدی آپ کا مذہب بھی طیب ہے اور مشرب بھی طیب ہے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل کلمہ کفر کہے تو کیا وہ کافر ہوگا یا نہیں کیونکہ آپ کے جد امجد امام احمد رضا خان اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ تب تاج الشریعہ نے کہا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عام ہوگئی ہے اور جہالت کوئی عذر نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی کلمہ کفر بکے اور اس پر مصر رہے تو وہ کافر ہے جیسا کہ فقہائے حنفیہ کا کہنا ہے پھر آپ نے برجستہ درالمختار وردالمحتار کی عبارتیں پیش کیں۔

(راقم الحروف نے جب ان عبارتوں کی تحقیق کی تو من وعن پایا جیسا آپ نے بیان کیا تھا۔ یہ حضرت کی اپنی انفرادیت ہے، فقہ حنفی کے مسائل میں) حضرت کی اس حاضر دماغی پر ڈاکٹر موصوف ششدر رہ گئے اور بول پڑے

کہ اگر اصرار کرتا ہے تو یقیناً کافر ہے، تب حضرت نے کہا کہ وہابیہ و دیابنہ اسی اصرار کی وجہ سے کافر ہیں۔ ان ساری گفتگو کے بعد ڈاکٹر موصوف نے عرض کیا کہ آپ ہمیں دلائل الخیرات شریف کی اجازت عنایت فرمائیں تو حضرت نے فرمایا کہ اجازت ہے اس کے بعد عرض کیا کہ داخل سلسلہ فرمالیں تو حضرت نے داخل سلسلہ کیا۔ کسی صاحب نے کہا کہ کہئے کہ وہ ٹائی اتارلیں ٹائی ہمارے نزدیک پہننا حرام ہے (یہ جرأت و بے باکی حضرت کا ہی حصہ ہے جو انہوں نے اپنے اسلاف کرام سے پائی ہے) پھر آپ نے داخل سلسلہ فرمایا اور طریقہ قادریہ کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ اس طرح اختتام محفل پر حضرت نے اپنا عمامہ شریف جو اپنی قیام گاہ ہی سے لے کر آئے تھے اس کو شیخ محمد خالد ثابت کے سر پر سجایا اور دعائیں کیں کہ اللہ عزوجل مزید آپ کو ہمارے جد امجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر کام کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے اور آپ کی عمر دراز فرمائے۔ پھر آپ نے شیخ کو بریلی شریف آنے کی دعوت دی۔

حضرت کے دورہ کے بعد آپ نے دوسری کتاب بنام "انصاف الامام امام اہل سنۃ العالم الربانی المجدد الشیخ احمد رضا خان البریلوی" تصنیف فرمائی ہے جس میں آپ نے سارے الزامات جو امام احمد رضا خاں پر بے بنیاد لگائے گئے ہیں ان کا خوب اچھی طرح سے قلع قمع کیا ہے۔

۶ رمئی کو طلبا از ہر شریف و دیگر جامعات کے طلبا درس حدیث کے لئے قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو حضرت نے انہیں بخاری شریف کی پہلی حدیث "انما الاعمال بالنیات" پڑھائی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی محدث علم حدیث کے گوہر لٹا رہا ہے اور آپ مسلسل بزبان عربی بہت دیر تک پڑھاتے رہے۔ آپ مصری لہجہ میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ بول رہے تھے ایسا لگ رہا تھا کہ عربی النسل ہیں۔

اختتام درس کے بعد سند حدیث کی اجازت عطا فرمائی۔ اسکے بعد کثیر تعداد میں ملکی اور غیر ملکی طلبا داخل سلسلہ قادریہ ہوئے اور دلائل الخیرات شریف کی اجازتیں حاصل کیں۔ ۷ رمئی کے شام کو حضرت کی وطن کے لئے روانگی ہوئی۔ تمام طلبا نے حضرت کو اشکبار آنکھوں سے اس امید و بیم کے ساتھ الوداع کہا کہ آپ حضور آئندہ ضرور تشریف لائیں گے۔ اس رپورٹ کی آڈیو سننے کیلئے لاگ آن کریں ہماری اس ویب سائٹ پر www.albarelwia.com اس آڈیو سیکشن میں اس پروگرام کی ساری تفصیل بزبان عربی دستیاب ہے۔ اس رپورٹ کی تیاری میں جو خامی ہوگی اس کی ساری ذمہ داری راقم کے سر ہے۔

❁❁❁

حضور تاج الشریعہ اور جامعہ ازہر مصر

مولانا فیضان الرحمٰن، سبحانی ازہری

یادش بخیر! ایک دور تھا جب حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں الازہری جامعۃ الازہر الشریف قاھرہ میں زیر تعلیم تھے۔ اس وقت جامعۃ الازہر میں صرف اور صرف تین شعبے تھے کلیہ الشریعہ، کلیہ اللغۃ اور کلیۃ اصول الدین۔ آخرالذکر کلیۃ حضرت کے دور میں مختلف شعبہ جات پر مشتمل نہیں تھا۔ جبکہ یہ کلیہ ابھی قسم التفسیر قسم الحدیث اور قسم الدعوہ قسم الفقہ و الفلسفہ پر مشتمل ہے۔ حضور تاج الشریعہ نے یہاں اسی کلیہ میں اپنی ۳؍سالہ زندگی بہت ہی عرق ریزی اور جد و جہد سے گذاری تھی۔ اور اپنے کلیہ میں ممتاز مقام حاصل کیا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب کہ جامعۃ الازہر میں ہندستان کے صرف دو طلباء تھے۔ ایک تو حضور تاج الشریعہ اور ایک فخر القراء حضور قاری احمد ضیاء صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ دور 1963 کا تھا اور مصر میں جمال عبدالناصر کی حکومت تھی۔

لیکن ایک دور ایسا بھی آیا جب صدر حسنی مبارک کی حکومت آئی جو آج تک قائم ہے۔ حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کے بعد مصر کی سرزمین پر ہندوستانی طلباء کی آمد بہت تیز رفتاری سے بڑھی۔ بہت سارے علماء و فضلاء اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ الازہر الشریف مصر کے دیگر جامعات میں بھی داخل ہونے لگے۔

عرصۂ دراز سے علماء ہند اور علماء عرب کے مابین رابطہ منقطع تھا۔ ایک وقت تھا جب اعلیٰ حضرت اور عرب دنیا کے علماء کے مابین بڑے گہرے اعتقادی اور علمی و عملی تعلقات تھے لیکن اس کے بعد سے اب سے کچھ پہلے تک اس تعلق پر لاتعلقیت کی ایسی گرد جمی کہ ہمارے جماعتی حریفوں نے ہماری آئینہ جیسی صاف و شفاف شبیہ داغدار کردے اور اس لا تعلقی کا اتنا بڑا فائدہ اٹھایا کہ ہم اہل سنت و الجماعۃ کو عربوں کے نزدیک ایک فرقہ کی شکل میں پیش کردیا۔

ہم ازہری طلبہ کے لئے یہ صورت حال بڑی پریشان کن تھی اور ہم سارے ہندوستانی طلبہ اس سلسلہ میں فکر مند تھے کہ کسی طرح جامعۃ الازہر کے ذریعہ اس خلا کو پاٹا جائے تاکہ یہاں کی آواز معتمد طور پر عالم اسلام میں سنی جائے۔

بالآخر وہ وقت جانفزا آہی گیا۔ خدا عز وجل نے ایک ایسے سیراب کرنے والے مسیحا کو اس کام کے لئے بھیج دیا جس سے پوری دنیائے سنیت سیراب ہورہی ہے۔ یعنی حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں القادری الرضوی الازہری طول اللہ عمرہ کی آمد عنقریب ہونے الی تھی۔ حضرت کے آنے کی خبر نشر ہوئی تو ایک ہلچل پیدا ہوگئی۔ ہر ایک کی زبان حضرت کی مدح سرائی کرنے میں لگی ہوئی تھی اور ہر ایک کی نظر حضرت کے قدوم بابرکت کی منتظر رہنے لگی یہاں کے دکاترہ (پروفیسر) نے جب یہ خبر مسرت افزا اثر سنی تو جوش و جذبہ سے سرشار ہوگئے۔ اور سبھی کے چہروں پر مسرت کی لکیریں ابھر آئیں۔

حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کے آنے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں، تاریخ ابھی تک کسی کو معلوم نہ ہو سکی تھی کہ آخر حضور کس دن تشریف لائیں گے۔ بس انتظار پر انتظار کی کیفیت تھی، یہاں کے دکاترہ بھی بیقراری کا پیکر بنے بار بار پوچھتے کہ حضور تاج الشریعہ کب آرہے ہیں۔ مفتی الاعظم بالھند کب اپنی زیارت سے ہم سب کو مشرف فرمائیں گے۔ گویا سبھی حضرات اپنے محبوب رہنما کی آمد میں پل پل گن رہے تھے۔

یہاں کے ایک مشہور و معروف ڈاکٹر محمد خالد ثابت صاحب نے حضور تاج الشریعہ کو مصر آنے کا خاص دعوت نامہ بنام سفیر سفارت خانہ مصر نیو دہلی کے نام بھیجا تھا تا کہ حضور ازہری میاں کو مصر آنے کی آفیشیلی اجازت ملے اور بالآخر حضور تاج الشریعہ کے پاسپورٹ پر دوسری مرتبہ جمہوریہ مصر العربیہ کا ویزا اکیسویں صدی میں ثبت کر دیا گیا۔

حضرت کے آنے کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ لوگوں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ طلباء ازہر نے اب حتمی طور پر یہاں کے چیدہ چیدہ افراد کو دعوت دینے کا عزم مصمم کر لیا۔ اور پھر دعوت دینے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

دعوت نامہ تیار کیا گیا ان کتابوں کو جمع کیا گیا جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اور حضور تاج الشریعہ کی تصنیف شدہ ہیں۔ تا کہ دعوت نامہ کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کو بھی دکاترۂ مصر کو پہونچائی جائیں۔ دکاترہ کی لسٹ پہنچ گئی۔ اور حسب الترتیب تمام دکاترہ کو دعوت نامہ پیش کیا گیا تب جا کر دکاترہ نے اطمیان وسکون کی سانسیں لیں۔ بہت سارے دکاترہ نے حضرت ازہری میاں قبلہ کی آمد کو تاریخی آمد قرار دیا۔

حضرت کے آنے کا وقت آہستہ آہستہ قریب ہونے لگا۔ حضرت عمرہ سے فارغ ہوکر شام کے دورہ میں مصروف تھے وہاں فکری عملی وعلمی اعتبار سے آپ سے بہت افراد مستفیض ہوئے۔ علماء شام نے حضور تاج الشریعہ کو اپنا نہ صرف استاد بلکہ ایک بہت بڑا عالم، بے مثال فاضل اور بے مثیل فقیہ مانا۔ ایک صاحب نے مجھے شام کا واقعہ سنایا ہے کہ ایک ڈاکٹر صاحب جو پوری دنیا میں مشہور ہیں جب انہوں نے حضور تاج الشریعہ کی آمد کی خبر سنی تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور نہ صرف خاطر خواہ عزت افزائی فرمائی بلکہ حضور کی جوتیوں کو خود اپنے ہاتھوں سے سیدھی کرنے میں مصروف ہوگئے اور فرمانے لگے کہ حضور آپ کا کرم ہے کہ آپ نے زحمت فرمائی ورنہ یہ تو ہم پر فرض تھا کہ ہم بریلی پہنچ کر آپ کی زیارت کرتے اور فیض یاب ہوتے۔

شام کا دورہ کچھ دنوں کا رہا جہاں حضور تاج الشریعہ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی بھرپور نمائندگی فرمائی اور خوب خوب خراج تحسین حاصل کیا۔ اب مصر کی باری تھی۔ یہاں بھی اعلیٰ حضرت کا دریائے فیض و رحمت فیضان برپا کرنے والا تھا۔ وہ علم کے بحر ناپید کنار (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی) کا حقیقی وارث دنیائے مصر میں دوبارہ قدم رکھنے والا تھا۔ پہلی مرتبہ تو شرف تلمذ حاصل کرنے کے لئے لیکن اب یہاں کے اساتذہ کو شرف تلمذ بخشنے کے لئے۔

۳ر مئی ۲۰۰۹ کو حضور تاج الشریعہ شام سے مصر روانہ ہونے والی فلائٹ پر (شام (سیریا) کے وقت سے ساڑھے پانچ بجے شام کو) جلوہ افروز ہونے والے تھے اور مصر کی سرزمین پر مقامی وقت ساڑھے سات بجے پہنچنے والے تھے۔ ان کو ریسیو کرنے کے لئے میں اور چند ساتھی پہلے سے موجود تھے۔ انفارمیشن اسکرین پر فلائٹ کے پہونچنے کا وقت سات بج کر چوالیس منٹ درج تھا۔ حضور کی زیارت کے شوق نے ہم سبھی کو قاہرہ کے قدیم ایرپورٹ پر ساڑھے چھ ہی بجے پہنچا دیا۔ انتظار تو ہم سبھی ایک مدت سے کر رہے تھے۔ لیکن وہ ایک گھنٹے کا انتظار جو ہم سب کو ایرپوریٹ پر کرنا پڑا اس سے عربی مقولہ الانتظار اشد من القتل کا صحیح معنی سمجھ میں آ گیا۔

حضور تاج الشریعہ کی فلائٹ سات بج کر پچاس منٹ پر لینڈ کر چکی تھی لیکن ایمیگریشن وغیرہ کی کاروائی مکمل کرتے اور باہر نکلتے نکلتے ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ شیشہ ہی سے ہم سبھوں نے ایک نورانی چہرہ دیکھا جو سر پر عمامہ شریف سجائے ہوئے ویل چیئر پر جلوہ افروز تھے۔ ہم سب کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا، بہت ہی پر جلال اور بارعب شان کے ساتھ حضور تاج الشریعہ ایرپورٹ سے باہر نکلے، وہاں پر لوگوں پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ وہ اپنے اپنے مہمانوں کو بھول کر حضور تاج الشریعہ کے چہرہ انور کو دیکھنے میں مصروف ہوگئے۔ اور آپس میں اشارہ کرنے لگے کہ وہ دیکھو سب کو ایسا لگ رہا تھا کہ نہ جانے یہ فرشتہ صفت انسان کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے یہ حسن و جمال کا پیکر کس زمین سے اور کہاں سے رونما ہوا ہے؟ سبھی لوگ اس خوبصورت اور رعب دار شخصیت سے مرعوب ہونے لگے۔ اگرچہ مصر کا حسن دنیا میں مشہور ہے لیکن:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

کے عاشق کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ ”دیکھوں تجھے تو دیکھتا رہ جاؤں عمر بھر“ کا منظر نگاہوں کے سامنے آجائے۔

ایرپورٹ سے سیدھے ہم سب فلیٹ کی طرف روانہ ہوئے، جسے ہم سب نے پہلے ہی سجا کر رکھا تھا۔ دریائے نیل کے کنارے مصر کا ایک مشہور علاقہ دقی ہے جہاں ایک بہت بڑا ہوٹل ہے جس کا نام ”شیراٹون“ ہے اسی کے نزدیک شیراٹون برج میں حضرت کے رہنے سہنے کا بندوبست تھا۔ پہونچنے کے بعد حضرت نے تھوڑی دیر آرام فرمایا اور نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر تشریف لائے۔ کچھ علمائے کرام جو ان کے استقبال کے لئے پہلے سے فلیٹ میں موجود تھے وہ سب حضرت کے اردگرد دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت سے دست بوسی کا شرف حاصل کیا اور ایک دوسرے کے حالات پوچھے جانے لگے حضرت کے دورۂ

طالب علمی کے تعلق سے بھی پوچھا جانے لگا۔ تو حضرت نے سب کا فردا فردا جواب عنایت فرمایا۔ حضرت اپنے وقت کے راستوں، گلیوں، دکانوں اور درو دیوار کو بتانے لگے کہ یہ دیسا تھا ویسا تھا اور علمائے کرام نے اس پر حامی بھری۔

حضرت کا قیام صرف تین چار دنوں کا تھا۔ ۳ مئی کو تو رات میں پہنچے ہی تھے اس لئے آرام فرمایا اور اس کے اگلے دن سے ملنے ملانے کا دور شروع ہوا۔ اگر چہ یہ صرف تین چار دنوں کا دورہ تھا۔ لیکن اس کی روداد کو لکھنے بیٹھوں تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی۔ لہذا میں کافی اختصار کے ساتھ اس کی روداد ضبط تحریر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

حضرت کا معمول ہے کہ صبح گیارہ بجے تک اوراد و ظائف میں مشغول رہتے ہیں اس کے بعد ہی کسی دوسرے کام کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ آج چار مئی ہے آج سب سے پہلے شیخ الازہر الدکتور سید علی طنطاوی سے شیخۃ الازہر میں ملنے کا Appointmiant لے رکھا تھا۔ حضور تاج الشریعہ کچھ تاخیر سے کیوں کہ راستہ میں Traffic کی وجہ سے کچھ تاخیر ہو چکی تھی، تشریف لائے۔ بہر حال، حضور تاج الشریعہ حضور شیخ الازہر کے Chambar میں تشریف لے گئے، جہاں پہلے سے ہی شیخ الازہر اپنی کرسی پر تشریف فرما تھے۔ شیخ الازہر نے جوں ہی ایک نورانی چہرہ کو دیکھا تو ان پر رعب طاری ہو گیا۔ بہت ہی عزت افزائی کرتے ہوئے کرسی سے اٹھے اور حضور تاج الشریعہ سے مصافحہ فرمایا اور کرسی پر بیٹھاتے ہوئے گفتگو کا دور شروع ہو گیا۔

یہاں پر ایک بات بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ حضور تاج الشریعہ کی کرامت ہی کہہ لیں کہ شیخۃ الازہر میں ایک تو موعد (وقت) کا ملنا مشکل ہوتا ہے اور پھر وقت پر ملاقات کرنے کے لئے نہیں آئے تو وہ وقت رد بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت وقت کے بعد تشریف لائے اور وقت جو پندرہ منٹ کے لئے طے تھا مسلسل 45 منٹ چلتا رہا۔ اور ماحول سے ایسا لگ رہا تھا کہ اگر خود سے تاج الشریعہ رخصت ہونا نہیں چاہتے تو یہ سلسلہ گھنٹوں چلتا رہتا۔

شیخ الازہر اور حضور تاج الشریعہ کے درمیان مختلف موضوعات پر بڑی لمبی گفتگو ہوئی۔ حضور تاج الشریعہ نے اعلیٰ حضرت کی کتابوں کے ساتھ ساتھ اپنی کتابیں بھی جو عربی میں تھیں پیش فرمائیں۔ دوران گفتگو انہوں نے شیخ الازہر سے ہندوستانی اور مصری اسلامی تعلقات کو اور مضبوط کرنے کی بات فرمائی۔ اور چند ایک مسائل پر بھی روشنی ڈالی جس کی شیخ الازہر نے حمایت کی۔ جب تاج الشریعہ نے اعلیٰ حضرت کی کتاب ''المعتقد المنتقد'' پیش فرمائی تو شیخ الازہر نے اس کا سرسری مطالعہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کتاب میں شریعت کا سچا پکا عقیدہ ہے یہ توحید و وحدانیت کی اصل اور اس کا مغز ہے۔ اور جب انہوں نے اپنی کتاب **''الصحابة نجوم الاهتدا''** عنایت فرمائی اس کے ساتھ ایک رسالہ بھی ضم ہے جس کا نام **تحقیق ان ابا ابراهیم تارح ولیس آزر''** تو شیخ الازہر کے پوچھنے پر کہ اس کو لکھنے کی ضرورت کیوں پڑی، تو حضور تاج الشریعہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب اور ضم شدہ رسالہ کو لکھنے کی ضرورت یوں پڑی کہ جامعۃ الازہر کے ہی ایک دکتور نے یہ حدیث **''اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتهم اهتدیتم''** کو موضوع ثابت کیا ہے اسی

حدیث کی ثبوت میں میں نے رسالہ تصنیف کیا ہے۔ میں نے اس کا رد کیا ہے۔ تو شیخ الازہر نے فرمایا کہ جو اس حدیث کو موضوع قرار دیتا ہے وہ غلط ہے اور اسے حدیث دانی و حدیث فہمی کا شعور نہیں ہے۔ اور پھر دلیل کے طور پر حضرت جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان کے قول کو نقل فرمایا کہ جس حدیث شریف کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ حسن کے درجہ کو پہونچ جاتی ہے۔ اور اس حدیث کو بلاشبہ تعلقی بالقبول حاصل ہے اور شیخ نے بھی فرمایا کہ حق یہی ہے کہ حضرت ابراھیم کے والد تارح ہیں اور آزران کے چچا ہیں۔ جبکہ خود شیخ الازہر اپنی تفسیر ''تفسیر بسیط'' میں حضرت ابراھیم کے والد کا نام آزر لکھا ہے۔

گفتگو کے دوان جو منظر تھا وہ دیکھنے کے لائق تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ حضوتاج الشریعہ کے سامنے شیخ الازہر شرف تلمذ حاصل کرتے ہوئے ہر ایک بات پر اپنی موافقت فرمارہے ہیں اس وقت حضور تاج الشریعہ کے چہرۂ انور پر اعلیٰ حضرت کا خاص نور جھلک رہا تھا۔

دوران گفتگو شیخ الازہر کو یہ اطلاع دی گئی کہ حضور تاج الشریعہ سن 1963 میں اسی جامعہ میں اصول الدین پڑھتے تھے۔ اس کو سنتا تھا کہ شیخ الازہر کی خوشی دو بالا ہوگئی۔ بعدہ حضور تاج الشریعہ نے شیخ الازہر کو ہندوستان آنے کی دعوت دی اور عرس میں شامل رہنے کو فرمایا، شیخ الازہر نے حامی بھرتے ہوئے یہ یقین دہانی فرمائی کہ میں ضرور آؤں گا۔ پھر اس کے بعد حضور تاج الشریعہ نے جانے کی اجازت طلب فرمائی، شیخ الازہر بادل ناخواستہ رخصت پر راضی ہوگئے اور خود حضور تاج الشریعہ کے دست اقدس کو پکڑے ہوئے شیخہ الازہر کے باب ریسی تک آئے اور خندہ پیشانی سے الوداعی سلام پیش کیا کہ شیخ الازہر کے اس معمول نے وہاں کے عاملین کو حیرت و استعجاب میں غرق کر دیا کہ بہت کم ہی شیخ الازہر ایسا کیا کرتے ہیں۔

شیخہ الازہر سے نکلنے کے بعد حضور تاج الشریعہ اپنی رہائش گاہ کی طرف لوٹ آئے اور کچھ آرام فرمانے کے بعد کھانا تناول فرمایا۔

ادھر شیخہ الازہر کی گہما گہمی تو تھی ہی اور ادھر یعنی قاعۃ مرکز صالح کامل جو جامعۃ الازہر الشریف کے بڑے ہالوں میں سے ایک ہال ہے۔ اس میں بھی حضور تاج الشریعہ کی آمد کے موقع پر جشن منانے کی تیاری میں طلباء ازہر جٹے ہوئے تھے۔ قاعۃ مرکز میں صالح کامل ہال ہے، جس میں تقریبا ایک ہزار لوگوں کے بیٹھنے کا بہت ہی معقول انتظام ہے۔ دکاترہ ازہر اور دیگر علمائے مصر، صحافیان، مکتبوں کے مالکان اور چیدہ چیدہ معزز حضرات اس محفل میں شرکت کے لئے آنا شروع ہو چکے تھے۔ وقت چار بجے شام کا رکھا گیا تھا تا کہ دکاترہ اور دیگر حضرات اپنے کاموں سے فارغ ہوکر اس محفل میں شریک ہوسکیں۔ لیکن وہاں کا نظارہ ہی کچھ اور تھا۔ پہلے تو یہ بتادوں کہ یہاں دکاترہ وقت کی تنگی کے سبب بہت کم محفلوں میں شریک ہوا کرتے ہیں اور بالخصوص یہ امتحان کا زمانہ بھی تھا تو دکاترہ کو وقت نکالنا نہ صرف مشکل امر تھا بلکہ قریب محال تھا۔

لیکن اسے آپ حضور تاج الشریعہ کی محبت کہہ لیجئے یا ان کی کرامت کہ کیا طلباء کیا علماء کیا اساتذہ کیا دکاترہ کیا صحافیاں کیا مالکان مکتبات، سبھی اس محفل میں دو بجے کے

بعد ہی سے آنا شروع ہوگئے، حضور تاج الشریعہ کے دیوانگان کا قاعۃ میں تانتا بندھ گیا، لوگوں کی بھیڑ بڑھتی ہی چلی گئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ عشق کی آگ میں جلنے کے لئے پروانے شمع کی طرف دوڑ لگا رہے ہیں۔ اس محفل میں حضور تاج الشریعہ کی آمد سے پہلے لوگوں کی حالت ایسی تھی جیسے ماہی بے آب۔ حضور تاج الشریعہ کے آنے تک تقریبا پچاسوں دکاترہ اساتذہ محفل میں جلوہ افروز ہوگئے قاعۃ کھچا کچھ بھر گیا اور اوپری منزل کے بالکونی کا دروازہ بھی کھول دیا گیا تا کہ نیچے ازدھام کثیر نہ ہو جائے۔ حضور ازہری میاں کے آنے کا لوگ شدت سے انتظار کر رہے تھے، بلکہ منظر ایسا تھا کہ محفل اب تک بارات بغیر دولہا کے لگ رہی تھی حاضرین کو بس انتظار تھا کہ کب حضرت کا دیدار ہو اور وہ اپنی بیتابی دور کریں۔

آخر کار وہ لمحہ جانفزا آ ہی گیا جس کے لئے مہینوں سے اساتذہ، طلباء عوام وخواص بے قرار تھے۔ اب ان کے دل کا قرار آ ہی گیا۔ آنکھوں کی ٹھنڈک آ ہی گئی۔ شام کے 4.45 منٹ پر حضور تاج الشریعہ کی گاڑی قاعۃ مرکز صالح کامل کے مین گیٹ پر آ کر رکی اور حضرت فوراً قاعۃ میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی تاخیر ہوگئی تھی۔ اسی وجہ کر حضرت نے فورا ہی قاعہ (ہال) کا رخ کیا تا کہ متلاشیان حق کی تلاش ختم ہو سکے۔ تشنگان عشق کی پیاس بجھ سکے۔

جوں ہی حضرت نے قاعہ میں قدم مبارک رکھا سارے دکاترہ اساتذہ طلباء اور مخصوص حضرات سب کے سب حضرت کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اساتذہ مصافحۃ معانقۃ کرنے لگے، دستار اقدس کو چومنے کی سعادت حاصل کرنے لگے۔ حضرت کے چہرہ انور کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے لگے اور اب حضور کی زیارت سے سارے حاضرین کے چہرے جگمگانے لگے۔ حاضرین کی آنکھیں حضور تاج الشریعہ کو دیکھنے سے خیرہ ہوگئیں۔ لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے سولات پیدا ہونے لگے۔ کوئی اپنے آپ سے پوچھتا کہ کیا واقعی اس زمانہ میں ایسا نورانی چہرہ والا کوئی انسان ہوسکتا ہے؟ کیا ایسا نورانی چہرہ والا عجم کا ہوسکتا ہے۔ کیا ایسا رعب دار چہرے کا مالک ہندوستان کے شہر بریلی کا ہے؟ طرح طرح کے سولات حاضرین اپنے دلوں سے کرنے لگے۔ اور ان میں سے بعض وہ افراد جو بد عقیدوں کی جھوٹی تبلیغ کے سبب بدگماں تھے، وہ حضور تاج الشریعہ کی زیارت سے ہی سمجھ گئے کہ یقیناً یہ خدا بھاتی صورت ہے اور حق یہی ہے۔

اسٹیج پر پہلے سے بھی بیٹھے ہوئے مشہور ومعروف دکتور شیخ طہٰ حبیشی نے مصافحہ ومعانقہ فرمایا اور اپنے پہلو میں بیٹھا نے کی عزت حاصل کی۔ محفل کا آغاز حسب دستور قرآن خوانی سے ہوا۔ نقابت کی ذمہ داری مولانا جلال رضا قادری نے سنبھالی۔ یہ یاد رہے کہ یہ وہی مولانا جلال رضا صاحب قبلہ ہیں جنہوں نے اعلیٰ حضرت پر جامعۃ الازہر الشریف میں ماسٹر ڈگری حاصل کی اور ان دنوں پی ایچ ڈی کی تیاری جامعۃ الازہر سے ہی چل رہی ہے۔

تلاوت قرآن شریف کے بعد مولانا نعیم الحق قادری نے اپنی دل افروز آواز میں سامعین کو قصیدہ بردہ کے اشعار سنائے۔ بعدہ مولانا جلال رضا نے ایک دکتور کا اسم گرامی لیا کہ وہ کچھ دیر اپنا تاثر پیش کریں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبد القادر رضا ہیڈ ڈپارٹمنٹ آف اردو لینگویج، عین الشمس یونیورسٹی قاہرہ،

مائیک کے سامنے جلوہ افروز ہوگئے۔ ڈاکٹر عبدالقادر رضا بہت ہی ذی شعور اور ذی علم شخصیت کے مالک ہیں۔ اردو زبان پر بھی کافی اچھی پکڑ ہے۔ صوفی مزاج اور خانقاہ سے جڑے رہتے ہیں۔ پچاسوں کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اور سب سے پرلطف بات یہ ہے کہ چند سال قبل ترکی سے انہیں ایک مخطوطہ دستیاب ہو جس کے مطالعہ کے بعد انہوں نے عزم مصمم فرمالیا کہ اس کتاب مستطاب پرضرور بالضرور کام کرنا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے فن میں نادرالمثال ہے یعنی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی ءاللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب ''الدولة المکیه بالماده المادة الغیبیه'' جس کو اعلیٰ حضرت نے آٹھ گھنٹے کی مختصر سی مدت میں تصنیف فرمائی۔ لہذا ڈاکٹر عبدالقادر رضا نے اس کتاب مستطاب پر تحقیق و تعلیق کا کام کیا۔ اور اسے رفع الریب کے نام سے ظہور طباعت سے آراستہ فرمایا۔ اور بحمدہ تعالیٰ مقبول خواص وعوام ہوئی۔ لیکن مکمل علم نہ ہونے کی وجہ سے کچھ لغزشیں بھی راہ پاگئیں جس کی تلافی کا وعدہ فرمایا اور دوسری طباعت میں اس کا ازالہ کرنے کا واثق یقین دلایا۔

بہرحال جناب ڈاکٹر عبدالقادر رضا نے اپنی تقریر میں اعلیٰ حضرت کی مدح سرائی فرمائی اور ان کی کتابوں کو اجمالا بتانا شروع کیا کہ اعلیٰ حضرت نے اس فن میں اتنی کتابیں تصنیف فرمائیں اور اس فن میں اتنی تصنیف فرمائیں اور پھر حضور تاج الشریعہ کا بھرپور علمی تعارف پیش فرمایا اور فرمایا کہ لفظ ''بریلوی'' ہندوستان میں اسی مسلک کے معنیٰ میں متعارف ہے جو ہمارے مصر میں ''صوفی'' کے نام سے موسوم ہے اور جس مذہب پر ہم یہاں عمل پیرا ہیں وہ وہی مذہب ہے جو ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ چند متعصب بدعقیدوں نے اس صاف شفاف جماعت کو بدنام کرنے کی پوری کوشش کی۔ بعد میں حضور ازہری میاں نے بھی عبدالقادر رضا صاحب کی باتوں کی تائید فرمائی۔

لوگوں کو حضور تاج الشریعہ کی تقریر سننے کی خواہش بڑھتی جارہی تھی لیکن حالات کا تقاضہ تھا کہ مصر کی قابل قدر شخصیت استاذ الاساتذہ ''الدکتور طٰہٰ جیشی کو دعوت سخن دی جائے چنانچہ ان کو آواز دی گئی اور انہوں نے اپنے علمی خطاب سے لوگوں کو محظوظ کیا۔ ہال میں موجود تمام سامعین حضور ازہری میاں کا خطاب سننے کے لئے اگر چہ بے تاب تھے لیکن انہیں یہ سکون ضرور مل رہا تھا کہ ہماری آرزوؤں کا قبلہ ہمارے پیش نظر ہے۔

❁❁❁

تبصرہ

عظیم نعت گو شاعر سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی کے نعتیہ دیوان بعد از خدا پر

ایک منظوم تبصرہ و تعارف

از محمد توفیق حسن برکاتی مصباحی

کروں کیا تجزیہ میں حضرت نظمی کے دیواں کا
نبی پاک کی مدح و ثنا کا آئینہ ہے یہ
میرے نظمی خدا کی مصطفےٰ کی بات کرتے ہیں
ورق کھولو تو شانِ عاشقی کا رنگ ملتا ہے
یہ مجموعہ ہے نعت و منقبت کا حمد باری کا
جہاں میں ہم نے یوں دیکھے بہت سے نعتیہ دیواں
صفحہ کے چار سو میں بس چھپا سی جوڑ لیتے ہیں
ادائے بے مثالی کا کیا ہے تذکرہ ایسا
سلاست ہے روانی ہے، فصاحت ہے، بلاغت ہے
فقط الفاظ کے البم میں رکھے ہی نہیں جملے
قوافی کا ہے حسن انتخاب و خوشنما دیکھو
قوافی کی نئی پہنائیاں ہر سو بسیں دیکھو
یہاں تشبیہ ہے، تلمیح ہے، تعبیر ہے دلکش
بڑی خوبی سے نظمی نے نئے پیکر تراشے ہیں
زبان رکتی نہیں اشعار پڑھنے میں ذرا سا بھی

رضا کے فیض کا پیران مارہرہ کے عرفاں کا
غلاموں کیلئے مانو سراپا رہنما ہے یہ
ثنا خوانی میں بس احمد رضا کی بات کرتے ہیں
رضا کی شعر گوئی کا انوکھا ڈھنگ ملتا ہے
رضا کا رنگ ہے جلوہ ہے سید اور نوری کا
مگر آیا نہیں اس جیسا کوئی بھی نیا مہماں
ضخامت کے لئے نظمی روایت توڑ دیتے ہیں
نبی کا حسن اخلاق و عمل ہے معجزہ ایسا
سہل انداز دل چھوتا ہوا احساس ندرت کا
سخن فہمی کا ہر انداز رکھتے ہیں یہی جملے
سجی ہے لفظ کی محفل میں معانی کی ادا دیکھو
ردیفوں میں معانی کی سجی عمدہ جبیں دیکھو
زبان عشقِ میں جذبات کی تصویر ہے دلکش
زباں دانی کے نظمی نے حسیں جوہر دکھائے ہیں
زباں دانی کے نظمی نے حسیں جوہر دکھائے ہیں

ممبئی، 09819433765

نشانِ عاشقی کی زیب و زینت ہے متانت میں
محبت ہے شرافت میں ،شرافت ہے محبت میں

سجا کر عشق و عرفاں کے حسیں گلدستے نظمی نے
دکھائے ہیں غلاموں کو فنا کے رستے نظمی نے

مدینے کی تجلی ، ابر باراں خوب برسی ہے
صبا لفظوں کی نس نس کو رجھانے دوڑ آئی ہے

یہ تک بندی نہیں اہلِ سخن بہتر سمجھتے ہیں
سخن ور ہی حقیقت میں نئے جوہر پرکھتے ہیں

فقط الفاظ کے دھاگے میں جملوں کو نہیں گوندھا
سخن کا پیرہن ہی ظاہری ہرگز نہ پہنایا

ہے اس میں معنویت شعر فہمی کے خزانے ہیں
نبیِ پاک کی الفت لئے عمدہ ترانے ہیں

یقیناً فکر و فن کی نکہتوں میں رنگ بھر دیگا
جہانِ شعر گوئی کو یقیناً دنگ کر دیگا

ضرورت ہے کہ حرز جاں بنایا جائے دیواں کو
کیا جائے معطر اس سے اپنی جان وایماں کو

ابھی تک نام احسنؔ کیوں بھلا ہم سے چھپایا ہے
کہو ''بعد از خدا'' جو فکروفن میں رنگ لایا ہے

ہمیں بھی یا خدا نظمیؔ سا شعری انتظام آئے
رضا کے رنگ میں رنگنے کا رضوی اہتمام آئے

یقیناً روح خوش ہوگی میرے احمد رضا خاں کی
جو نظمی نے ادا کی رسم اجرا اپنے دیواں کی

یہاں بھی حضرت کمپوٹ نے فطرت دکھا دی ہے
کتابت کی چنندہ غلطیاں کر کے سزا دی ہے

ختم کرتا ہوں ان اشعار پر میں تبصرہ احسنؔ
مہکتا ہی رہے نظمی کے فکر وفن کا یہ گلشن

تبصرہ
راہِ عمل

نام کتاب : راہ عمل
صفحات : ۱۷۶
مولف : حضرت مفتی محمد اختر حسین قادری رضوی
مبصر : کمال احمد نظامی (استاذ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی)
مطبع : مکتبہ علیمیہ ایس ایس پیلیس منھد اول چوراہا خلیل آباد سنت کبیر نگر یوپی۔

بدمذہبوں سے میل جول ان کے ساتھ مجالست ومعاملت کی حرمت قرآن وحدیث اور بے شمار اقوال ائمہ وعلما سے منصوص ومصرح ہے، عہد رسالت ہی میں سرور کونین نے ''ایاکم وایاہم'' کہہ کر ان ضمیر فروشوں سے کسی بھی طرح کے تعلق کا سد باب کر دیا تھا جس پر صحابہ کرام نہایت اہتمام کے ساتھ عمل پیرا رہے، چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عین کھانا کھانے کے وقت ایک بدمذہب کو دستر خوان سے اٹھا کر یہ درس دے دیا تھا کہ بدمذہب کے ساتھ کسی بھی طرح کی معاملہ داری اور ربط ورواداری اشد حرام ہے۔ اس عقیدے پر تمام صحابہ اور تابعین وتبع تابعین جمے رہے اور اسی مبارک روش پر ہمارے اسلاف کرام کاربند رہے۔ مگر جیسے جیسے عہد رسالت ہم سے دور ہوتا گیا ہمارے اسلاف کا طور وطریقہ اور ان کا اسوۂ حسنہ بھی ہم سے اوجھل ہوتا گیا۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب بدمذہبوں کے ساتھ میل جول کو عقل کے اندھوں نے حکمت ومصلحت کا لیبل لگا کر جائز قرار دے ڈالا ان شوریدہ سروں کون سمجھاتا کہ ہماری حکمت اور مصلحت کو اللہ ورسول سے بڑھ کر کون جانتا ہے۔ اللہ ورسول نے بدمذہبوں سے میل جول کو حرام قرار دیا ہے تو ہم اور آپ کون ہوتے ہیں کہ حکمت ومصلحت کی آڑ میں ان سے رواداری اور حسن سلوک کی تائید کریں؟
خیر! جب ہندوستان میں بدمذہبوں سے میل جول کی ہوا چلی تو پھر علماء حق کا قلم بھی حرکت میں آیا اور پھر مجدد الف ثانی اور علامہ فضل حق خیر آبادی جیسے مردان حر نے اپنی تقریر، تصنیف اور تالیف کے ذریعہ ان مصلحت پسندوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ چودہویں صدی میں جب یہ وبا عام ہوئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو اپنی نشانی بنا کر بھیجا جنھوں نے اپنی نوک قلم سے ان مصلحت پسندوں اور منافقوں کے دانت کھٹے کر دیئے، رد ومناظرہ پر کتابوں کا انبار لگا دیا آپ کے بعد آپ کے خلفاء وتلامذہ نے اپنی اپنی کتابوں اور فتاویٰ میں امام احمد رضا کی طرح بدمذہبوں کے ساتھ قربت واختلاط کو شدید حرام قرار دیا۔

زیر نظر کتاب راہ عمل کا بھی بنیادی موضوع انہیں مصلحت پسندوں اور دریدہ دہنوں کی تردید اور ان کی نقاب کشائی ہے جو کبھی حکمت تو کبھی ضرورت و مصلحت کا پیوند لگا کر ذاتی مفادات کی حصولیابی کیلئے بدمذہبوں اور گمراہوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان کے ساتھ جلسہ وجلوس کرنے کو جائز ہی نہیں ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کتاب میں قرآن حدیث اور متعدد علماء وائمہ کرام کے اقوال وافعال کی روشنی میں ان ایمان فروشوں کے ساتھ اختلاط کو ناجائز وحرام ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب ایسے تمام لوگوں کے منہ پر زناٹے دار طمانچہ اور تازیانۂ عبرت ہے جو دن کے اجالے میں قوم کی قیادت اور ان کی رشد وہدایت کی مسند پر براجمان رہتے ہیں مگر رات کے اندھیرے میں غداران رسول سے مصافحہ و معانقہ تک کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے ہیں۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں کسی کا نام لئے بغیر تردید وتنقید کا دلکش اسلوب اپنایا گیا ہے، قرآن وحدیث اور اقوال علماء کو پیش کر کے فیصلہ قارئین کے ہاتھوں میں دے دیا گیا ہے گویا لائق وفائق مصنف نے ہمارے ہاتھ میں کتاب کی شکل میں پارس کا پتھر دے دیا ہے جس سے ہم اصل اور نقل کے درمیان آسانی کے ساتھ امتیاز پیدا کر سکتے ہیں، ایک چراغ دے دیا ہے جس سے ہم رہبر ورہزن میں فرق پیدا کر سکتے ہیں اور ایک معیار عطا کر دیا ہے جس سے ہم ہدایت وضلالت کے درمیان خط فاصل کھینچ سکتے ہیں۔

کتاب کی ترتیب وتہذیب قابل دید ہے۔ تقریباً آٹھ ابواب قائم کر کے کہنہ مشق مولف نے بڑے لاجواب انداز میں اپنی بات کہی ہے آیئے کتاب کے مشمولات دیکھئے اور ذی وقار مولف کی علمی صلابت قلمی صلاحیت اور دینی غیرت وحمیت کو سلامی دیجئے۔

باب اول، قرآنیات:۔ اس باب کے تحت مولف نے درج ذیل عناوین کے تحت گفتگو کی ہے (۱) مومن دشمن خدا سے دوستی نہیں کرتا (۲) الہ کے دشمنوں کو دوست مت بناؤ (۳) کافروں سے سختی کرو (۴) ظالموں سے میل جول (۵) کافر باپ دادا سے دوستی (۶) مخالفین خدا ورسول سے دوستی (۷) کافروں سے دوستی بری چیز ہے (۸) غیر مسلم کو رازدار نہ بناؤ (۱۰) کافر تمہاری پریشانی کے خواہش مند (۱۱) کیا کافروں کے پاس عزت ڈھونڈھتے ہو؟ ہر عنوان کے تحت قرآن کی آیت اور اس کا ترجمہ بغیر کسی تبصرہ کے درج ہے، آیت کا ترجمہ کنزالایمان کے حوالے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

باب دوم، نبویات:۔ اس باب کے تحت مندرجہ ذیل عناوین قائم کئے گئے ہیں (۱) بدمذہبوں سے ترش رو ہو کر بات کرو (۲) بدمذہب کی خوشنودی حاصل نہ کرو (۳) بدمذہب کے ساتھ نہ بیٹھو (۴) منکرین تقدیر پر جہاد (۵) بدعتی کی تعظیم حرام ہے (۶) بدعت کی مذمت (۷) گمراہ اور گمراہ گر کی مجلس سے بچو (۸) رافضی بدلقب فرقہ ہے۔

ہر سرخی سے متعلق احادیث طیبہ مع ترجمہ مندرج ہیں، حدیث کی مستند کتابوں سے احادیث مقدسہ کو بغیر کسی تشریح وتبصرہ کے نقل کر دیا گیا ہے، احادیث کا مطلب عناوین اور سرخیوں کی مدد سے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔

باب سوم، ساجیات:۔ اس باب سے متعلق حضور غوث

پاک اور تاجدار مارہرہ حضور ابو الحسین احمد نوری کے اقوال اس باب کی پیشانی کے جھومر ہیں۔تقریباً پندرہ عناوین قائم کئے گئے ہیں جن میں بے دینوں سے معاملات رکھنا کثیر فتنوں کا سبب ہے، بدمذہبوں سے دنیوی تعلقات رکھنا بھی قابل ملامت ہے، مسلک اعلیٰ حضرت کے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجانا اور ان جیسے کئی عناوین قابل مطالعہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری، فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی اور علامہ بدر الدین علیہم الرحمہ جیسے کئی ایک اساطین امت کے فتاویٰ اور اقوال سے بدمذہبوں کے ساتھ اختلاط کی حرمت اجاگر کی گئی ہے۔

باب چہارم، سیاسیات:۔ اس باب سے متعلق حضور صدر الافاضل اور حضور حافظ ملت کے اقوال اس باب کے ماتھے کی زینت ہیں۔تقریباً ۲۶ عناوین کے تحت امام احمد رضا، اجمل العلماء حضرت علامہ مفتی اجمل حسین سنبھلی، حضور مفتی اعظم ہند، علامہ امجد علی اعظمی، فقیہ ملت مفتی جلال الدین، محدث سورتی اور محبوب العلماء علامہ محبوب علی خاں علیہم الرحمہ جیسے متعدد نفوس قدسیہ کے اقوال وفتاویٰ کے ذریعہ موضوع پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

جمیعۃ العلماء میں سیاسی اعتبار سے شرکت کیسی؟ مخلوط تنظیم میں شرکت کا نتیجہ، مخلوط تنظیم برائے دنیوی ترقی، فاسق لیڈر کو اسٹیج پر کھڑا کرنا کیسا؟ اور اس طرح کے کئی ایک عناوین پڑھنے کے لائق ہیں۔

باب پنجم، ضروریات:۔ بدمذہبوں کے ساتھ اختلاط کو کچھ ناسمجھ دانش ور حضرات جائز قرار دینے کیلئے ''دینی ضروریات'' کو بھی دلیل بناتے ہیں خدا بہتر جانے کہ وہ دینی ضرورت سے کیا میراد لیتے ہیں، مولف کتاب نے اس باب میں ایسے ناسمجھوں کے لئے ضرورت وحاجت کا مطلب بیان کیا ہے اور اعلیٰ حضرت، حضور مفتئ اعظم ہند اور حضور فقیہ ملت علیہم الرحمہ کے اقوال وآراء سے ثابت کیا ہے کہ دینی ضرورت کا مطلب کیا ہے اور کن حالات میں بر بنائے ضرورت کفار ومشرکین سے میل جول جائز ہے۔

باب ششم، تحقیقات:۔ اس باب کے آغاز میں حضور صدر الافاضل اور حضور حافظ بخاری علیہما الرحمہ کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی باتیں ڈھونڈھنا جن سے امت مسلمہ کا شیرازہ منتشر ہو یقیناً فساد عظیم ہے اس سے احتراز واجتناب ضروری ہے اس باب میں مندرجہ ذیل عناوین قابل مطالعہ ہیں، حکم شرع میں نرم الفاظ کے غلط نتائج، ڈھونڈ ڈھونڈ کر معمولات مشائخ کے خلاف باتیں نکالنا، کیا بدمذہبوں سے نہ ملنا تہذیب کے خلاف ہے؟ احکام نادر حالات پر نہیں لگائے جاتے۔

ان تمام عناوین پر مولف نے خوب خوب داد تحقیق دی ہے ان تمام عناوین کے تحت اعلیٰ حضرت، حضور صدر الشریعہ، حضور صدر الافاضل، حضور فقیہ ملت، علامہ مفتی خلیل احمد قادری جیسے اعیان ملت کے اقوال وفتاویٰ سے ثابت کیا گیا ہے کہ علماء ومشائخ کے خلاف غلط باتوں کی تشہیر، ان سے اختلاف وانتشار اور ان کے دامن تقدس پر طعن وتشنیع کی نشتر بازی موجب ہلاکت ہے،، ساتھ ہی ساتھ اس باب میں ان روشن دماغ دانشوران کی اسلام دشمنی کی بھی قلعی کھولی گئی ہے جو بدمذہبوں کے ساتھ اختلاط کو تہذیب اور ان سے شدت کو

خلاف تہذیب قرار دیتے ہیں، ان کم بختوں کو کون بتلائے کہ ہمارے رسول اور ہمارے اسلاف سے بڑھ کر کون مہذب ہوسکتا ہے جنہوں نے بدمذہبوں سے دور رہنے کا حکم دیا اور خود اس پر عمل بھی کیا۔

باب ہفتم، افادات:۔ اس باب کی پیشانی علامہ سید علوی مالکی اور پروفیسر مسعود احمد علیہما الرحمہ کے اقوال سے مزین ہے، اس باب میں بہت سارے مفید عنوانات کے تحت خامہ فرسائی کی گئی ہے، مثلاً مذہب پر قائم رہنے والے مورد طعن ہیں، مخلوط تنظیموں کی شاہکاریاں، امام احمد رضا سے اختلاف کرنے والا بدنام ہوگا۔ اس باب میں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی جذباتی تحریر بھی کتاب کی زینت ہے جس سے امام احمد رضا سے آپ کی سچی عقیدت کی عکاسی ہوتی ہے۔

باب ہشتم، تدبیرات:۔ ایک کامیابی مصلح اور حکیم صرف جراحی نہیں کرتا بلکہ جراحت کے ذریعہ پیدا ہونے والے زخموں کے علاج کا طریقہ بھی بتاتا ہے، اور ان زخموں سے اٹھنے والی ٹیسوں کے علاج کی نشان دہی بھی کرتا ہے، مولف کتاب نے اس باب میں متعدد اساطین ملت کے اقوال کی روشنی میں ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل کے حل کا طریقہ اور تدبیر بتلائی ہے اور قوم مسلم کی عظمت رفتہ کی حصولیابی کے لئے کچھ راہنما خطوط کی طرف ہنمائی بھی فرمائی ہے۔

یہ رہا کتاب کا اجمالی تعارف اس کتاب کے مولف محتاج تعارف نہیں ہیں محدث کبیر کی زبان میں ''ایک جواں سال، محنتی صاحب بصیرت اور مخلص عالم ہیں، تحقیق و تدقیق، نکتہ آفریں وحق شناسی آپ کی فطرت میں داخل ہے۔ تصلب فی الدین اور غیرت حق آپ کا مزاج طبعی ہے'' اور حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب کے بقول ''ایک باصلاحیت وذی استعداد عالم دین وشریعت ہیں، افتاء وفتویٰ نویسی میں بھی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں، ملک کے فقہی سیمناروں میں شرکت کرکے بحثیں کرتے ہیں اور لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔

مولف کتاب ایک خوش اخلاق، ملنسار عالم دین ہیں، درس وتدریس، تحقیق وتصنیف اور تقریر وتبلیغ میں یکساں مہارت رکھتے ہیں، متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں عرس کی شرعی حیثیت، ازالۂ فریب اور جدید مسائل زکوٰۃ وغیرہ قابل ذکر ہیں آپ پر بزرگوں کی کافی عنایتیں رہی ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ابھی جواں سالی میں ہیں ملک کی سب سے عظیم شخصیت حضور تاج الشریعہ کی اجازت وخلافت سے سرفراز ہوچکے ہیں۔

ملک کے مرکزی اداروں اور خانقاہوں نے قیمتی ایوارڈز سے نوازا ہے۔ احقاق حق وابطال باطل میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں انتہائی مودب ہیں، علمی صلاحیت اور قوت استحضار بے مثال ہے۔ ان کی ذات میں ایک اعلیٰ مدرس، ژرف نگاہ مفتی، قابل اعتماد مناظر اور بے باک مجاہد کو خوب اچھی طرح دیکھا جاسکتا ہے۔ اخلاق میں اخلاق نبوی کا آئینہ ہیں۔ کردار وعمل میں اپنے بڑوں کا نمونہ ہیں۔ جب کہیں علمی ومذہبی معرکہ ہوتا ہے تو مشائخ کی نظر انتخاب اکثر آپ ہی کی طرف جاتی ہے۔

بہرحال یہ کتاب لائق مطالعہ ہے، امید کہ اہل علم ودانش اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے ہم حضرت مفتی صاحب قبلہ کو اس عظیم پیش رفت پہ ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

منظومات

مرکز

درختوں کی لمبی قطاریں
بڑی خوش نما لگ رہی تھیں
کہ جیسے ریتلی زمیں پر ہواونٹوں کی دلکش قطاریں
ہر شجر میں تھیں شاخیں ہری ہی ہری
اور ہر شاخ میں
مسکراتے تھے سرسبز وشاداب پتے
کبھی ان کو جھولا جھلاتی تھی بادِ صبا
تو کبھی بادِ صرصر
انہیں گود میں لے کے خوشیوں سے سرشار آتی نظر
اور کبھی سرد جھونکے نسیمِ سحر کے
لئے اپنی بانہوں میں سرگوشیاں کرتے رہتے
جب آتا بہاروں کا موسم
مسرت سے کھل اٹھتیں سارے درختوں کے چہروں کی رنگت
حسیں سے حسیں تر گلِ خندہ رو دعوتِ دید دیتے
سویرے عجب ہوتا کلیوں کا دلکش سماں
شبنمی آب سے

غسل کر کے نکھرتے نظر آتے اشجار سارے
کھنکتے درختوں کے پتے
بڑے شادماں آرہے تھے نظر
دل ربا یہ سماں
موہ لیتا تھا ہر ایک راہی کے دل کو
تھکا ہارا راہی
حصولِ سکوں کے لئے خود بخود بیٹھ جاتا
سکوں بخش منظر سے وہ لطف اندوز ہوتا
کوئی آفتابی تمازت سے ہوکر پریشاں
چلا آتا ٹھنڈی ہواؤں کی خاطر
فقط آدمی ہی نہیں
جانور بھی بڑے ذوق سے
بہرِ تسکیں آتے رہے
اور پرندے
بناتے رہے گھونسلے
گو کہ صبح و مسا رات دن
بھیڑ ہی بھیڑ رہتی تھی مخلوق کی
اس کے برعکس ہوتا رہا یوں
سپیدہ نمودار ہوتا تھا جب صبح کا
ڈھیر سارے درختوں کے پتے
بڑی بے بسی سے گرے ملتے صحنِ زمیں پر
انہیں کوئی پاؤں تلے روندتا

اور کوئی کر کے یکجا
جلا ڈالتا ان کو ایندھن بنا کر
یہ دل سوز منظر نہ دیکھا گیا مجھ سے اک دن
بالآخر درختوں سے میں نے یہ پوچھا
بتاؤ خدارا مجھے
ماجرا کیا ہے آخر
جو کھنکتے، تھرکتے تھے اٹھ کھیلیاں کھیلتے تھے درختوں پہ رہ کر
ہواؤں کی بانہوں میں یہ جھولتے رہتے شاداں وفرحاں
مگر آج ان کی نہیں کوئی وقعت
سبب کیا ہے اس کا بتاؤ مجھے
درد انگیز ایسا جواب ان کا مجھ کو ملا
میرے پاؤں سے دھرتی کھسکنے لگی
شیشۂ ذہن پہ ادرس آموز پتھر لگا
میرے اوسان یکسر خطا ہو گئے
تھا جواب ان کا سنجیدہ لیکن
ہر اک حرف سے
درس خیزی کا تھا ایک قلزم رواں
ان کا کہنا یہ تھا
کاش پتوں نے مرکز کو چھوڑا نہ ہوتا
تو پھر ان کے حالات ایسے نہ ہوتے کبھی

سید اولاد رسول قدسیؔ

مسلک احمد رضا

دین حق کا ترجماں ہے مسلک احمد رضا — سنیت کا پاسباں ہے مسلکِ احمد رضا
جہل کی تاریکیوں میں ہے چراغ رہنما — دل میں ہر دم ضوفشاں ہے مسلکِ احمد رضا
ظلمت شب میں سویرا خود بخود ہوجائے گا — ایک ایسا کہکشاں ہے مسلکِ احمد رضا
بارشِ ابر کرم ہے مومنوں کے واسطے — نور کا وہ آسماں ہے مسلکِ احمد رضا
راہِ حق کی ہے ضمانت یہ میرا ایمان ہے — بالیقین راہِ جناں ہے مسلکِ احمد رضا
اہلِ باطل کے نشیمن پر گرائے بجلیاں — دشمنو! برقِ تپاں ہے مسلکِ احمد رضا
مذہبِ اہل سنن کی آج یہ تعبیر ہے — مسلکِ حق بے گماں ہے مسلکِ احمد رضا
خرمنِ باطل پہ ایسا برق بن کر گرگیا — آج تک شعلہ فشاں ہے مسلکِ احمد رضا
وادی عشق ووفا میں قافلے گم ہوگئے — بے نشانوں کا نشاں ہے مسلکِ احمد رضا
عشق کی دہلیز پر آنا سنبھل کرائے رقیب — رہنمائے عاشقاں ہے مسلکِ احمد رضا
رمزِ دیں جس نے بتایا اس کا یہ پیغام ہے — اہلِ دل کی داستاں ہے مسلکِ احمد رضا
عرب وعجم وایشیا کا ہوگیا ہر دل عزیز — نعرۂ ہندوستان ہے مسلکِ احمد رضا
دے رہا ہے اتحادِ قوم وملت کا سبق — کیونکہ پیغام اماں ہے مسلکِ احمد رضا
جس کی خوشبو سے ہے مہکا علم کا اجڑا چمن — وہ بہارِ بے خزاں ہے مسلکِ احمد رضا
مصطفےٰ وغوث وخواجہ سے ملا ہے سلسلہ — بو حنیفی گلستاں ہے مسلکِ احمد رضا
اہل ظاہر کیوں پڑے ہیں گومگو کی بھیڑ میں — بیگماں تسکینِ جاں ہے مسلکِ احمد رضا
شاخِ گل پہ ہیں عنادل آج بھی نغمہ سرا — سنیوں کا آشیاں ہے مسلکِ احمد رضا

جس کے سنگ در پہ نیر مسکراتی ہے سحر
ایسی شمع آستاں ہے مسلکِ احمد رضا

حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ رضوی قادری
الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج ضلع قنوج (یوپی)

منقبت در شان حضور مشاہد ملت علیہ الرحمہ

شہیدِ عشقِ رسالت مشاہد ملت — قتیلِ خونِ شہادت مشاہد ملت
پیامِ امن وصداقت مشاہد ملت — جہاں میں نور ہدایت مشاہد ملت
سفیرِ راہِ طریقت مشاہد ملت — غریقِ بحرِ ولایت مشاہد ملت
جہان علم کی شوکت مشاہد ملت — زمیں پہ عرش کی رفعت مشاہد ملت
چمک رہا ہے زمانے میں مثلِ شمس وقمر — ہے جس کو آپ سے بیعت مشاہد ملت
نشان منزل مقصود ہے جہاں کے لئے — زمیں پہ آپ کی تربت مشاہد ملت
زمانہ اس کا بھلا کیا بگاڑ پائے گا — جسے ہو آپ سے الفت مشاہد ملت
کبھی تو خواب میں آجائیں ایک پل کے لئے — ہے کب سے دید کی حسرت مشاہد ملت
ہے کفر وشرک کی دنیا پہ آج بھی طاری — یقیناً آپ کی ہیبت مشاہد ملت
ہر ایک اہلِ محبت کے دل میں اے آقا — بسی ہے آپ کی صورت مشاہد ملت
ہو ایک دو تو بتائے شمار کرکے کوئی — سراپا آپ کرامت مشاہد ملت
یہی تو کہتے ہیں جس نے بھی ان کو دیکھا ہے — زمیں جنتی صورت مشاہد ملت
ملی تھی باپ سے جو فکر اس کی کرتے رہے — قدم قدم پہ اشاعت مشاہد ملت
ہزار ڈھونڈا کئے پر مثال مل نہ سکی — وہ پائی آپ نے ندرت مشاہد ملت
رضا کی فکر کی ترویج کے لئے اکثر — لٹائی خوب ہے دولت مشاہد ملت
یقیں ہے پائی تھی والد سے اپنے ورثے میں — مناظرانہ لیاقت مشاہد ملت
بھلا نہ پائیں گے تاعمر چاہنے والے — ترے فراق کی کلفت مشاہد ملت
جدھر بھی جاتا ہوں ذکر جمیل پاتا ہوں — بڑی ہے آپ کی شہرت مشاہد ملت
جہاں میں اہلِ فتن کا ہے زور بڑھنے لگا — ہے پھر سے تری ضرورت مشاہد ملت
بروز حشر مریدوں کو دیکھنا لے کر — چلیں گے شوق سے جنت مشاہد ملت
عظیم باپ کے بیٹے عظیم رہبر تھے — عجیب پائی تھی عظمت مشاہد ملت
دکھایا مسلک احمد رضا زمانے کو — تھے ترجمانِ جماعت مشاہد ملت
نگاہِ خاص کی خاطر وہ دیکھئے کب سے — کھڑا ہے سامنے رحمت مشاہد ملت

محمد رحمت اللہ صدیقی

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

پیر طریقت، رہبر شریعت

حضرت سید شاہ عبدالعلیم قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(عرف قادری صاحب) ممبئی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی، حضور مفتی اعظم ہند شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی، مظہر اعلیٰ حضرت حضرت شاہ حشمت علی خاں قادری برکاتی، حضور مجاہد ملت حضرت شاہ حبیب الرحمٰن قادری برکاتی اور دیگر بزرگان دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مسلک ومشرب کے بہت بڑے حامی وناشر تھے۔ خصوصاً مسلک اعلیٰ حضرت کے پابند وسفیر تھے۔ آپ کو حضور مفتی اعظم ہند اور حضور مجاہد ملت سے خلافت واجازت بھی حاصل تھی۔ آپ کو اولا دغوث پاک ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ آپ کا وصال پر ملال ۹ر ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱ نومبر ۲۰۰۷ء کو ممبئی میں ہوا۔

آپ کے اہل ارادت واہل عقیدت پیغام رضا کی اس خصوصی اشاعت پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ رب کائنات اپنے محبوب بندوں کے صدقے وطفیل حضرت سید شاہ عبدالعلیم قادری رضوی علیہ الرحمہ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور حضرت قادری صاحب کی روحانی توجہات وبرکات سے ہم غربائے اہلسنت وحامیان مسلک اعلیٰ حضرت کو دارین میں مالامال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

منجانب: جملہ مریدین، معتقدین اور متوسلین حضرت سید شاہ عبدالعلیم قادری رضوی علیہ الرحمہ ممبئی